ISSN 2394-0212

ماہنامہ محدث بنارس

شعبان تا ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ = جون تا اکتوبر ۲۰۱۵ء

افتا نمبر



www.KitaboSunnat.com

دار التالیف والترجمة، بنارس، الہند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب..........

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یامادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

1-12-15

ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org
Monthly MUHADDIS Lahore
99-J Model Town, Lahore-54700
Phone 5866476, 5866396

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۷۸-۳۸۲

جلد: ۳۳ ، شمارہ: ۶-۱۰

شعبان-ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ = جون-اکتوبر ۲۰۱۵ء

خصوصی شمارہ

برائے

''افتا نمبر''

www.KitaboSunnat.com

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے
- خصوصی شمارہ: 100 روپے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA
Bank: ALLAHABAD BANK
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.21044906358
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆☆☆

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درس قرآن

یوم آخرت یعنی قیامت اور قرآن مجید

بروز قیامت ہر شخص کڑی نگرانی میں پیش کیا جائے گا

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ﴾. (سورہ ق:۲۱)

(ترجمہ) اور ہر شخص (ہمارے سامنے) آئے گا۔ایک (فرشتہ) اس کے ساتھ چلانے والا ہوگا اور ایک (اس کے اعمال کی) گواہی دینے والا۔

سورہ ق آیت نمبر ۱۷و۱۸ میں اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ، مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ جب (انسان کوئی کام کرتا ہے تو) دو لکھنے والے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں لکھ لیتے ہیں۔کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔

اللہ تعالی نے انسان کو پیدا کیا، دنیا میں ہر طرح کی آسائشیں عطا فرمائی، اس کو اپنی مرضی کے مطابق زندگی گذارنے کی پوری چھوٹ دے دی، اچھائی اور برائی کی تمیز عطا کی کہ ہر انسان اچھے اور برے کاموں کو سمجھے، انبیاء ورسل بھیجے، جو انسان کو ان کے انجام سے آگاہ کردے، اور ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے متعین کیے جو اس کی نیکی اور گناہ کے کاموں کو قلمبند کررہے ہیں۔دنیا کا چپہ چپہ اور انسان کے اعضاء وجوارح وہاتھ پاؤں سب اللہ کی مخلوق ہیں اور سب پر اللہ کا حکم چلتا ہے۔قیامت کے دن جب اللہ ہر انسان سے اس کی دنیاوی زندگی کا حساب لے گا تو تمام چیزیں بطور شہادت حاضر ہوں گی اور کوئی بچ کے نکل نہ سکے گا۔

اللہ نے فرمایا ہے: ﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثاً وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ﴾ (سورہ مومنون:۱۱۵)

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو یوں ہی پیدا کردیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟

سورہ زمر آیت نمبر ۶۸-۶۹ میں فرمایا: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُم قِيَامٌ يَنظُرُونَ، وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾۔

اور جب صور پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بے ہوش ہوکر گر پڑیں گے، مگر وہ جس کو اللہ چاہے، پھر دوسری دفعہ پھونکا جائے گا تو فوراً سب کھڑے ہوکر دیکھنے لگیں گے، اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی، نبیوں اور گواہوں کو حاضر کیا جائے گا اور ان میں انصاف کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور بے انصافی نہیں کی جائے گی۔

سورہ یٰسٓ آیت ۶۵ میں فرمایا: ﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾.

آج ہم ان کی زبانوں پر مہر لگا دیں گے اور جو کچھ یہ کرتے رہے تھے ان کے ہاتھ ہم سے بیان کردیں گے اور ان کے پاؤں (اس کی) گواہی دیں گے۔

﴿حَتَّى إِذَا مَا جَاؤُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ، وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (سورہ فصلت:۲۰-۲۱)

یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور چمڑے ان کے خلاف ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ وہ اپنے چمڑوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ کہیں گے جس اللہ نے سب چیزوں کو گویائی بخشی ہے اسی نے ہم کو بھی گویائی عطا کی اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔

اگر کوئی اللہ کے فرمان سے غافل رہا، من موجی زندگی گزاری، احکام الٰہی سے روگردانی کی، قیامت اور حساب و کتاب سے آنکھ بند رکھی، دنیا کے عیش و عشرت میں مگن رہا، تو یہ سب خود اپنے نفس پر ظلم ہے، جس کا انجام بھگتنا پڑے گا، جس طرح سے موت برحق ہے، اسی طرح سے قیامت بھی برحق ہے۔

اللہ کا فرمان صحیح ہے: ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلاً، يَا وَيْلَتَى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلاناً خَلِيلاً، لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولاً﴾ (سورہ فرقان:۲۷-۲۹)

اور اس دن (ناعاقبت اندیش) ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کر کہے گا کہ ہائے کاش! میں نے پیغمبر کے ساتھ رشتہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے مجھ کو (کتاب) نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا۔ اور شیطان تو انسان کو دھوکا میں ڈالنے والا ہے۔

☆☆☆

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درس حدیث

عالم کی قدر شناسی

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا. (صحیح بخاری، ح:۱۰۰، صحیح مسلم، ح:۲۶۷۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ علم کو لوگوں سے چھین کر نہیں اٹھائے گا بلکہ علماء کو وفات دے کر علم کو اٹھائے گا، یہاں تک کہ جب وہ کسی عالم کو باقی نہ رکھے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے اوران سے ہی مسائل کو دریافت کریں گے۔ پس وہ بغیر علم کے فتوی دیں گے، خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اسلام میں تعلیم دین کی بڑی اہمیت ہے، اسے فریضہ قرار دیا گیا ہے، یہ انبیاء کا ورثہ اور ہدایت کا مشعل ہے، اس علم کے بغیر ہم اپنے خالق و مالک اور اس کے پسندیدہ دین کی معرفت حاصل نہیں کرسکتے، اس کے بغیر ہماری سعادت ونجات ممکن نہیں۔

اس علم کے حاملین، داعیان ومبلغین اور اس پر عمل کرنے والے اس روئے زمین کی سب سے افضل مخلوق ہیں، یہ وہ بندگان الٰہی ہیں جنھوں نے اپنی صبح وشام خدمت دین کے لیے وقف کر رکھی ہے، علوم نبوت کی ترویج واشاعت اور ان کی تدریس وتعلیم کی مجلسیں ان ہی کے دم سے آراستہ ہیں۔ قرآن وسنت، فقہ واصول فقہ، عربی زبان وادب اور اس جیسے مہتم بالشان علوم کو اسلاف سے اخلاف تک منتقل کرنے کا فریضہ بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ آفریں صد آفریں ان نفوس قدسیہ پر جن کے طفیل یہ ذہبی سلسلہ قائم ودائم ہے، گرچہ حالات نے کروٹ لی ہے، ذرائع ابلاغ کے انقلاب نے تعلیم وتعلم کے میدان میں بھی بڑا الٹ پھیر کیا ہے، اس الٹ پھیر سے علوم نبوت کے خوشہ چین بھی محفوظ نہ رہ سکے، اساتذہ اور مکتبات کی طرف رخ کرنے کے بجائے رفتہ رفتہ ان کا اعتماد بھی نٹ پر فراہم کردہ علمی ذخیرہ پر ہوگیا ہے، تن آسانی اور وقت کی بچت نے گرچہ اس سلسلہ کو مقبول ومتداول کردیا، لیکن یہ اپنے ساتھ مفاسد بھی لے آیا۔ آج آپ کو بکثرت ایسے افراد مل جائیں گے جو دینی مسائل کی واقفیت کے لیے اپنے آپ کو علما سے بے نیاز سمجھتے ہیں بلکہ گوگل کے ذریعہ حاصل کردہ ادھورے علم کے ذریعہ علما کی تنقیص کی بھی جسارت کر بیٹھتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: "من كان شيخه كتابه فخطؤه أكثر من صوابه" جس کی کتابیں ہی اس کی استاد بن جائیں تو اس کی غلطیاں درستگی سے زیادہ ہوں گی۔ یہ محاورہ ایسے افراد پر حرف بحرف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صادق آتا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے علم دین کی تحصیل کی ترغیب دی ہے اور اس بات کی بھی تاکید فرمائی ہے کہ یہ علم علمائے کرام کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے ہی حاصل کیا جائے اس لیے کہ یہی وہ علما ہیں جو کتاب وسنت کے نصوص کا فہم رکھتے ہیں اور محکم ومتشابہ، عام وخاص، مجمل ومفصل، مطلق ومقید اور ناسخ ومنسوخ کا علم رکھتے اور ان کو بیان کرتے ہیں نیز حالات کی روشنی میں صحیح ومناسب احکام کی رہنمائی فرماتے ہیں، اب ان علما کے بغیر اگر دین کا علم حاصل کیا جائے تو وہ گمراہی کے سوا اور کیا ہوگا اس لیے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: دین کا علم علماء کے اٹھانے سے اٹھ جائے گا اگرچہ قرآن وسنت اور ان کے علوم کی کتابیں لوگوں کے درمیان موجود رہیں یعنی صرف کتابوں کی موجودگی ہی لوگوں کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہوگی بلکہ لوگوں کی رہنمائی کے لیے ایسے افراد کا وجود مسعود ضروری ہے جو ان کتابوں کا عمیق علم رکھتے ہوں، جس علم کو انھوں نے اپنے اساتذہ ومشائخ سے بالمشافہ حاصل کیا ہو۔

اس حدیث میں اس بات کی بھی تاکید ہے کہ کوئی شخص بغیر علم کے فتوی نہ دے اگر مسند افتا پر فائز ہونے کی اہلیت اپنے اندر نہیں پاتا تو وہ صرف کسب معاش یا لوگوں کے درمیان شہرت حاصل کرنے کے مقصد سے اس ذمہ داری کو قبول نہ کرے۔ اس اہم ترین منصب کے لیے ایسے شخص کو منتخب کیا جائے جو علم کے ساتھ تقوی کی صفت سے بھی متصف ہو اگر اس کے اندر تقوی و پرہیز گاری نہیں تو وہ صرف ''درباری مولوی'' بن کر رہ جائے گا اور اس عظیم منصب کو اللہ کی رضا کے بجائے جاہ ومنصب کے حصول کا ذریعہ بنا لے گا۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسا دور بھی آئے گا جب لوگ کم علموں کو افتا جیسی عظیم ذمہ داری سپرد کردیں گے اور وہ علم نہ ہونے کے باوجود اس ذمہ داری کو قبول کرلیں گے اور لوگوں کے امام وپیشوا بن جائیں گے اور امت میں ان کے ذریعہ بڑی گمراہی پھیلے گی۔

امت اس تاریک دور سے دوچار نہ ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ قال اللہ وقال الرسول کی صدا بلند کرنے والی مسندیں آباد رہیں، تعلیم وتعلم کا روایتی سلسلہ چلتا رہے، معاشرہ کے اندر اہل علم کی قدر اور عزت افزائی ہو اور ان کو ہی دینی مسائل کا مرجع قرار دیا جائے اور ہر وہ کوشش جو اہل علم کی قدر کو کم کرے اور ان کی تحقیر وتنقیص کا ذریعہ بنے اس کی پذیرائی نہ کی جائے اس لیے کہ علما کی تحقیر دراصل علم کی تحقیر واہانت ہے۔

نیز منصب افتا پر ایسے باصلاحیت، دیندار اور پرہیز گار شخص کو فائز کیا جائے جو اس منصب کے لیے موزوں ہو اور جس سے اس منصب کو وقار حاصل ہو۔

☆☆☆

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افتتاحیہ

سخنہائے گفتنی

مذاہب کی جڑیں معاشرہ میں اس قدر مضبوطی سے پیوست ہیں کہ الحادی طوفان، فتنوں کی آندھیاں اور برق رفتار مادی ترقی بھی انھیں اکھاڑ پھینکنے سے قاصر ہے۔ ظہور اسلام سے تاہنوز کوئی بھی انسانی مسئلہ پیش آیا تو معاشرہ کی نگاہیں سب سے پہلے مذہب کی جانب اٹھیں کہ اس بارے میں اس کا موقف کیا ہے؟ یہاں ہم صرف اسلام کی باتیں کریں گے، جو ایک مکمل نظام زندگی ہے اور اس کے قوانین ہر زمانہ اور ہر دور میں پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے، اس عقیدہ سے روگردانی یا اس میں شک وشبہ مسلمان کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کے لیے کافی ہے۔

مسائل خواہ وہ عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات سے، عائلی نظام سے ان کا تعلق ہو یا معاشیات سے، یا وہ سیاست کا حصہ ہوں، ان کی توضیح وتشریح مفتی کتاب وسنت اور اسلام کے متعین کردہ اصولوں کی بنیاد پر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا منصب بڑا عظیم ہوتا ہے اور اس کی ذمہ داریاں بھی عام علما سے بڑھ کر ہوتی ہیں۔ اصولیوں اور علمائے اجلہ نے مفتی کے لیے جو شرائط بتلائی ہیں ان میں ایک شرط حالات حاضرہ سے باخبری ہے، موجودہ ٹکنالوجی کی ترقی، طبی میدان میں علاج اور سرجری کے نت نئے طریقوں، معیشت میں پھیلاؤ اور ان کی پیچیدگیوں نے اس شرط کی اہمیت کو دوچند کردیا ہے۔ اب ایک مفتی کے لیے ضروری ہوگیا ہے کہ وہ کتاب وسنت میں مہارت کے ساتھ جدید علوم خصوصاً طب جدید، سائنسی نظریات اور موجودہ معاشی نظام کی باریکیوں پر بھی گہری نظر رکھے۔

ہر دور میں فتاووں کے اثرات دیرپا اور مستحکم رہے ہیں۔ فتاوے زندگیوں کو بنا سکتے ہیں، انھیں بگاڑ سکتے ہیں، ایک غلط فتویٰ پورے معاشرہ میں ہلچل پیدا کرسکتا ہے، ابھی کچھ عرصہ پہلے کی ایک خبر کئی دنوں تک اخبار کی زینت بنی رہی، کسی میت کے جنازے کی نماز کسی دیوبندی عالم نے پڑھادی، بریلوی عالم نے فتویٰ دے دیا کہ دیوبندی کے پیچھے تمام نماز پڑھنے والے کافر ہوگئے اور ان کی بیویاں نکاح سے آزاد ہوگئیں۔ یہ مرادآباد کی کسی بستی کا واقعہ ہے۔ پھر نئے سرے سے ان سب کو کلمہ پڑھا کر مسلمان بنایا گیا اور بوڑھے بوڑھیاں اپنا ایمان بچانے کے لیے تجدید نکاح کرواتے رہے۔ ابھی چند ہفتہ قبل کانپور میں دو واقعے پیش آئے۔ دوخواتین کے شوہر کئی سالوں سے مفقود الخبر تھے۔ حنفی مسلک میں مفقود الخبر شوہر کے انتظار کا لمحہ اس قدر طویل ہے کہ عورت بوڑھی ہوکر مرجائے۔ کچھ سمجھ دار عالموں نے حنفی مسلک کے بجائے شافعی مسلک پر عمل کرتے ہوئے ان کو شادی کی اجازت دے دی۔ معلوم ہوا کہ معاشرہ کے بگاڑ اور بناؤ میں فتاویٰ کا اہم کردار ادا ہوتا ہے۔

فتاویٰ کے اثرات کبھی کبھی تاریخ ساز ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں انگریزوں کا تسلط بڑھتا ہی جارہا تھا، سلطان ٹیپو کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہادت کے بعد تو ان سے رہائی کی امید کی آخری کرن بھی ختم ہوگئی تھی۔ان حالات میں صرف مذہب ہی لوگوں میں جوش وولولہ پیدا کرسکتا تھا، چنانچہ اس وقت کے مفتی اعظم شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے صاحب زادے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (م۱۸۲۴ء) نے ۱۸۰۳ء میں اپنے ایک فتوی میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر غیر ملکی اقتدار کے خلاف سب سے پہلا اور سب سے موثر قدم اٹھایا۔اس فتوی کی اہمیت کو وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں جو دارالحرب کے صحیح مفہوم کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی سیاست پر خاندان ولی اللہی کے اثرات کا بھی صحیح طور سے علم رکھتے ہوں۔سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید نے اپنی سیاسی فکر میں انگریزی اقتدار کو جو درجہ دیا تھا اس کی بنیاد یہی فتوی تھا۔فتوی دیتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا تھا ’’اس شہر میں مسلمانوں کے امام کا حکم سرے سے جاری نہیں ہے، روٗوسا نصاری کا حکم بلا دغدغہ اور بے دھڑک جاری ہے اور ان کا حکم جاری اور نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملک داری اور بندوبست رعایا، خراج وباج، مال تجارت پر ٹیکس، ڈاکوؤں اور چوروں کو سزائیں، مقدمات کے تصفیے، جرائم کی سزائیں وغیرہ ان تمام معاملات میں یہ لوگ بطور خود حاکم اور مختار مطلق ہیں، ہندوستانیوں کو ان کے بارے میں کچھ دخل نہیں۔ بیشک نماز جمعہ، عیدین، اذان، ذبیحہ گاؤ جیسے اسلام کے چند احکام ہیں وہ رکاوٹ نہیں ڈالتے لیکن جو چیز ان سب کی جڑ اور بنیاد ہے وہ قطعا بے حقیقت اور پامال ہے، چنانچہ بے تکلف مسجدوں کو مسمار کردیتے ہیں، عوام کی شہری آزادی ختم ہوچکی ہے، انتہا یہ کہ کوئی مسلمان یا غیر مسلم ان کی اجازت کے بغیر اس شہر یا اس کے اطراف وجوانب میں نہیں آسکتا، عام مسافروں یا تاجروں کو شہر میں آنے جانے کی اجازت دینا بھی ملکی مفاد یا عوام کی شہری آزادی کی بنا پر نہیں بلکہ خود اپنے نفع کی خاطر ہے الخ‘‘۔ (اصل عبارت فارسی میں ہے فتاوی عزیزیہ ج......ص ۱۷ بحوالہ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، مرتب خلیق احمد نظامی ص ۱۶)

اس فتوے کا اثر تھا کہ سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی قیادت میں مجاہدوں کی ایک تحریک اٹھی، جس نے ملک کو انگریزی استبداد سے نجات دلانے کے لیے کمر کس لیا، اور اس کی راہ کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے، ۱۸۳۱ء میں جام شہادت نوش کیا۔اس فتوے کا اثر تھا کہ ہندوستانیوں میں قومی شعور پیدا ہوا، ان میں آزادی کا احساس جاگا اور ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ چھیڑ دی۔ ہندوستانی اگرچہ ناکام ہوئے، لیکن معاشرتی اور سیاسی طور پر ان کی فکر میں تبدیلی آچکی تھی اور اس تبدیلی کا سہرا شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی کے فتوی کے سر جاتا ہے۔

ہندوستان میں آزادی کے بعد افتا کا فریضہ کافی اہمیت اختیار کرگیا ہے، ہمارا دستوری آئین اسلام کے شرعی قوانین سے قطعا میل نہیں کھاتا ہے۔افتا کے نفاذ اور اس پر عمل کی آزادی بہت ہی محدود ہوچکی ہے، حکومتی عدالتیں دارالافتا کے فیصلوں کو تسلیم نہیں کرتی ہیں، دستور کی دفعہ ۲۵ سے ۲۹ تک ہمارے بنیادی حقوق مذہبی آزادی کی بات کہی گئی ہے اور مسلم پرسنل لا کو تحفظ عطا کیا گیا ہے، لیکن دفعہ ۴۴ میں یکساں سول کوڈ کی بات کہہ کر ہماری مذہبی آزادی پر ننگی تلوار لٹکا دی گئی ہے۔

ہندوستان کے عدالتی نظام نے انصاف کے حصول کو بہت پیچیدہ اور دشوار بنا دیا ہے۔مقدمات کی طویل کارروائیاں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اخراجات کا بار اٹھانا سب کے بس کی بات نہیں ہے۔ لہذا ضروری ہوگیا ہے کہ افتا کے شعبہ کو ہم زیادہ سے زیادہ بااثر بنائیں۔ مسلمانوں کو شرعی قوانین کی افادیت اور اہمیت سے واقف کرائیں۔ معاشرتی اور عائلی مسائل کو حل کرانے میں یہ شعبہ بہت ہی اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ مذہبی اور ملی شعور نہ ہونے کی وجہ سے لوگ سرکاری عدالتوں میں نکاح، طلاق، نان ونفقہ، مہر، میراث وغیرہ کے جھگڑے لے جاتے ہیں اور انھیں مسلم پرسنل لا میں دخل دینے کا موقع ملتا ہے اور شاہ بانو جیسے قضیے سامنے آتے ہیں۔

ہندوستان میں دارالافتاء کی تعداد عربی مدارس سے کم نہیں ہیں مگر افسوس کہ ان میں باہمی ربط اور ہم آہنگی نہیں ہے۔ مسلمان دار القضا میں مقدمہ لے جانا نہیں چاہتے۔ اس میں مسالک کے اختلاف کا بھی اہم کردار ہے۔ اگر ہمیں ان اختلافات کو ختم کرکے فتاووں میں یکسانیت پیدا کرنا ہے تو گروہی، مسلکی اور جماعتی اختلافات ختم کرکے کتاب وسنت کو اپنے فتاووں کی بنیاد بنائیں، کم از کم مشترکہ مسائل میں اتحاد کا ثبوت دیں۔ یاد رکھیں ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے یہ امتحان کی گھڑی ہے، فرقہ پرست طاقتیں ہم سے ہمارا تشخص، ہمارا قانون شریعت چھین لینا چاہتی ہے اور ہم پر ایسے قوانین تھوپنا چاہتی ہیں، جن سے ہم اپنا ملی وجود ہی کھودیں۔ یاد رکھیں طوفان آتا ہے تو مسلک مذہب نہیں دیکھتا ہے، خس وخاشاک کی طرح سب کو بہالے جاتا ہے۔

محدث کا خصوصی شمارہ وعدہ کے مطابق قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔ رمضان اور موسم گرما کی لمبی تعطیل کی وجہ سے شمارہ کی اشاعت میں تاخیر ہوئی۔ یہ خصوصی شمارہ ''افتا نمبر'' محدث کے نگران اعلی اور جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلی جناب مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ کی خصوصی تحریک اور ایما کے مطابق شائع کیا جارہا ہے۔ ادارہ محدث کے ارکان ناظم اعلی صاحب کے صمیم قلب سے شکر گذار ہیں کہ انھوں نے اس کی اشاعت میں خصوصی توجہ فرمائی اور ہر موقع پر ہماری رہنمائی کی۔ یہ خصوصی شمارہ ہمارے رفیق مولانا عبدالمتین صاحب وارثی اور مولانا محمد اسلم صاحب مدنی کی انتھک کوششوں اور محنتوں کا ثمرہ ہے۔ شمارہ کو بہتر بنانے میں ہم کس حد تک کامیاب ہوئے اس کا فیصلہ تو ہمارے قارئین کریں گے۔ ہمارے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اس کے لیے معیاری مضامین فراہم کرنا تھا۔ اللہ کا فضل ہے کہ کچھ اہل قلم نے دلچسپی لی۔ ہماری شدید خواہش تھی کہ جماعت کے مشاہیر مفتیان کرام کی نگارشات سے اس خصوصی نمبر کو آراستہ کریں، مگر افسوس کہ بار بار اتصال اور اصرار کے باوجود ہم ان کے وقیع مقالوں سے محروم رہے۔ اگر ان کے مضامین ادارہ محدث کو موصول ہوئے تو آیندہ شماروں میں ہم انھیں ضرور شائع کریں گے، ان شاء اللہ۔ ہم مقالہ نگاروں کے مشکور ہیں کہ انھوں نے ہمیں اپنے مضامین سے نوازا۔ اللہ انھیں جزائے خیر دے نیز ہم اپنے رفقا کے ممنون ہیں کہ وہ ہمارے دست وبازو بنے رہے۔ اللہ ان کے علم وعمل میں برکت دے۔

☆☆☆

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محدث کا افتاء نمبر

کسی موضوع کو نمایاں کرنے کے لیے میگزین ورسالہ کو استعمال کیا جاتا ہے۔ افتاء کا موضوع اس ناحیہ سے اہم ہے کہ اس کی اہمیت کو نظر انداز کردیا گیا۔ آج کی سیاست میں فتوی کو بھی ایک آلہ بنالیا گیا ہے اور ہر کسی مسئلہ میں فتوی صادر کردیا جاتا ہے اور اس کو کارنامہ شمار کیا جاتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ جو امام مدینہ ہیں اور جن کی کتاب موطأ حدیث کی صحیح کتابوں میں سب سے پہلی کتاب ہے، ان کا بیان ہے کہ جب ہم سے کوئی فتوی پوچھتا ہے تو جواب کے وقت ایسا احساس ہوتا ہے کہ میں جنت وجہنم کے درمیان کھڑا ہوں۔ ان سے پہلے بہت سے صحابہ کرام فتوی دینے سے بچتے تھے اور سائل کو دوسرے صحابہ کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔

آج یہ حال ہے کہ ہر کوئی چاہے اس کے علم کا جو بھی مرجع ہو مفتی بنا ہوا ہے، یہاں تک کہ عوام جو خطبۂ جمعہ سے کچھ معلومات لیتے ہیں وہ بھی جائز وناجائز کی بات کرنے لگتے ہیں، قرآن مجید میں اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلاَ تَقُولُواْ لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَـذَا حَلاَلٌ وَهَـذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُواْ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ﴾ (سورہ نحل:۱۱۶) اور یوں ہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آجائے مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ و بہتان باندھنے لگو۔

اللہ تعالی نے ہی انسان کے لیے چیزوں کو حرام یا حلال بنایا ہے جو اس کے رسولوں کے ذریعہ بنی نوع انسان تک پہنچایا گیا ہے۔ اس میں کسی کو اختیار نہیں ہے۔ حلال وحرام کا علم وسیع علم اور وسیع نظر وفہم کا متقاضی ہے۔ آج کی دنیا بہت ترقی کرچکی ہے اور علم کے حصول کے وسائل پہلے کے مقابلہ بہت ہمہ گیر اور آسان ہوچکے ہیں۔ صحیح نقطۂ نظر، سلیم طبع اور وسیع النظری صحیح علم کے حصول کے لیے ضروری ہے، وسائل فراہم ہوں، دل ہر طرح کی بندش سے آزاد اور حق کا متلاشی ہو تو حق تک پہنچنے میں وقت نہیں لگے گا۔

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس نے آج کے اس علمی انتشار کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا کہ جامعہ میں تدریب الافتاء کا شعبہ قائم کیا جائے اور دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کو فتوی نویسی کی تعلیم وتدریب دی جائے۔ محدث کا خاص نمبر اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اپنے آراء سے نوازیں گے اور کتاب وسنت کی ترویج واشاعت میں جامعہ کا تعاون کریں گے۔ اللہ تعالی ہمیں خلوص کے ساتھ خدمت دین کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین۔

والسلام

عبداللہ سعود بن عبدالوحید
ناظم اعلی
جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبدالرحمن عبیداللہ الرحمانی
رانی پورہ، مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی، الہند

تاثرات

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين، نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أمابعد:

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

دفتر ''محدث'' جامعہ سلفیہ سے چند مہینے قبل ایک خط موصول ہوا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ ماہنامہ ''محدث'' کا افتاء نمبر شائع ہونے والا ہے۔ اس سلسلے میں ناچیز کا تاثر بھی طلب کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ جماعت اہل حدیث کی مرکزی درس گاہ ''جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) کے قیام کے تھوڑی ہی مدت کے بعد، زندگی میں پیش آنے والے مختلف مسائل میں دینی رہنمائی حاصل کرنے اور کتاب وسنت کا فیصلہ معلوم کرکے اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے پیروان کتاب وسنت رجوع کرنے لگے تھے۔

دارالعلوم کے قیام سے لے کر اب تک جامعہ سے منسلک متعدد اساتذہ کرام مرحلہ وار وارد ہونے والے استفتاء کے جوابات کی ذمہ داری نبھاتے رہے، جن میں حضرت مولانا ادریس آزاد رحمانی، مولانا شمس الحق صاحب سلفی، مولانا محمد عابد حسن رحمانی، مولانا محمد رئیس صاحب ندوی رحمہم اللہ بطور خاص مذکور ہیں۔

چونکہ ہر عالم اپنے مبلغ علم وتحقیق کے مطابق کتاب وسنت کی روشنی میں سوال کا جواب دیتا ہے اور جوں جوں اس کے علم وتحقیق کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کا آخری فتوی سابق فتوی کے برعکس ہوتا ہے، چہ جائیکہ ایک مفتی کا دوسرے مفتی کی رائے سے کلی متفق ہوتا ہو۔

چنانچہ ناچیز کو سیدی والدی رحمہ اللہ کی خدمت میں طویل عرصہ تک رہنے اور تعلیم وملازمت سے فارغ ہوکر ان کے بحر علم سے کچھ قطرے چننے کی سعادت حاصل ہوئی ہے جس میں فتوی نویسی کی سعادت بھی ہے۔ ایک مرتبہ ناچیز نے گزارش کی کہ آمدہ استفتاء اور ان کے جوابات کو مستفتی تک بھیجنے کے ساتھ ہی کچھ مشہور اور کثیر الاشاعت پرچوں میں بھی شائع کرادیا جاتا تو اس کا فائدہ عام ہوجاتا، لیکن اس کے لیے تیار نہیں ہوئے کہ ایک ہی عالم کی رائے اور فتوی اس کی اگلی رائے اور فتوی سے علم وتحقیق کا دائرہ وسیع ہوجانے کی وجہ سے مختلف ہوجاتا ہے، اور جب عوام تک اس کا دوسرا فتوی اس کے پہلے فتوی سے مختلف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوکر عوام کے سامنے جائے گا تو اس سے انتشار اور شک پیدا ہوگا۔ اور مریض طبائع جو دین کو اپنی خواہش ومرضی کے تابع کرنا چاہتے ہیں ان کو شریعت کے فیصلے پر عمل سے تسلل اور فرار کا بہانہ مل جائے گا، چہ جائیکہ مختلف اہل علم اور مفتی حضرات کی رائے اور فتوی باہم متعارض ہوں۔

اس لیے ناچیز راقم کی رائے یہ ہے کہ اچھی طرح مطالعہ ودراسہ اور مراجعہ کے بعد جامعہ کی طرف سے شائع ہونے والے مجموعہ فتاوی میں زیادہ سے زیادہ متفق علیہ فتاوی ہی شامل کیے جائیں یہ اس عاجز کی ناقص رائے ہے جس کا اظہار میں نے جامعہ سلفیہ کے محترم ناظم اعلی (بارك الله في جهوده) سے چند ماہ قبل کردیا تھا۔

دار الافتاء جامعہ سلفیہ سے صادر ہونے والے فتاوی کو مرتب کرکے شائع کرنے کی بات سابق ناظم اعلی مولانا عبدالوحید صاحب رحمہ اللہ اور ان کے خلف موجودہ ناظم اعلی حفظہ اللہ کی طرف سے مجلس عاملہ کی مختلف میٹنگوں میں آتی رہی ہے۔ اللہ کرے یہ منصوبہ جلد از جلد تکمیل کو پہنچ کر ایک علمی اور قابل اعتماد مرجع کی شکل میں شائقین علم کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔ جواب میں تاخیر کے لیے معذرت ہے۔ چند ماہ سے بینائی سخت متاثر ہے اور بہ مشکل چند سطر لکھ اور پڑھ سکتا ہوں۔ یہ تحریر اپنے پوتے طارق سلمہ (بارك الله في علمه) سے املا کروا رہا ہوں۔

طالب دعاوخیر

عبدالرحمٰن عبیداللہ الرحمانی
مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتوی نویسی کی تاریخ

ایک تفصیلی جائزہ

شیخ محمد عزیر شمس، مکہ مکرمہ

عربی زبان وادب میں "فَتوی" یا "فُتوی" اور "فُتیا"، "إفتاء" ماخوذ ہے، جس کے معنی اظہار و بیان اور رائے دہندگی کے ہیں۔(۱) مصدری معنی (رائے دہندگی) کے علاوہ خود ''رائے'' اور ''رائے دہندہ کے کام'' پر بھی "فَتوی" اور "فُتیا" کا اطلاق ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں نے ان دونوں کے درمیان فرق بیان کیا ہے۔ چنانچہ "فَتوی" کو صرف دی ہوئی رائے کا مترادف قرار دیا ہے اور "فُتیا" کو باقی دونوں معانی کے لیے خاص بتایا ہے۔(۲) مگر لغت کی کتابوں سے اس تفریق کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابتدائی صدیوں میں "فَتوی" کے بجائے لفظ "فُتیا" کا استعمال عربوں کے یہاں زیادہ رہا ہے۔ کتب حدیث میں بھی "فَتوی" کے بجائے "فُتیا" کا لفظ ملتا ہے۔(۳) لغت کی کتابوں میں کسی ایسی عبارت یا شعر کا ذکر نہیں، جس میں "فتوی" کا لفظ استعمال ہوا ہو۔ اگرچہ علما وفقہا نے بعد میں دونوں ہی الفاظ عام طور پر استعمال کیے ہیں۔ اس کی جمع "فتاویٰ" یا "فتاوِی" معروف رہی ہے۔(۴) قرآن مجید میں بھی گیارہ مقامات پر اس کے مشتقات وارد ہوئے ہیں، جو استفتا (سوال پوچھنے) اور افتا (جواب کی وضاحت کرنے) کے مختلف صیغے ہیں۔(۵) اسی سے پوچھنے والے کو "مستفتي" اور فتوی دینے والے کو "مفتي" کہتے ہیں۔(۶)

شریعت کی اصطلاح میں فتوی سے مراد پیش آمدہ مسائل اور مشکلات سے متعلق دلائل کی روشنی میں شریعت کا وہ حکم ہے، جو کسی سائل کے جواب میں کوئی عالم دین اور احکام شریعت کے اندر بصیرت رکھنے والا شخص بیان کرے۔ اکثر علما نے مفتی کے لیے اجتہاد کی شرط ضروری قرار دی ہے اور مقلد کے فتوے کو درست نہیں بتایا ہے، کیونکہ وہ دوسرے کی بات بغیر دلیل کے قبول کرتا ہے، اس طرح وہ عالم نہیں رہتا، اور جس کی یہ شان ہو، اسے دوسرے کو فتوی دینے کا مجاز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ اگر کوئی مجتہد عالم موجود نہ ہو تو ضرورت کے وقت مقلد بھی فتوی دے سکتا ہے۔(۷) لیکن اس صورت میں بھی اس کے فتوے کو

(۱) دیکھیے: لسان العرب، بذیل مادة "فتي". (ع ش)

(۲) TYAN IN: ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM II, 866 ART. "FATWA" (ع ش)

(۳) دیکھیے: المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوي (٥/٦٨) یہاں متعدد احادیث کا ذکر ہے۔ (ع ش)

(۴) دیکھیے: نور البصر (ص: ١٤٨) کشف الظنون (٢/١٢١٨) (ع ش)

(۵) دیکھیے: المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم (ص: ٥١٢) (ع ش)

(۶) دستور العلماء (٣/١٣) (ع ش)

(۷) صفة الفتوى والمفتي والمستفتي لابن حمدان (ص: ٢٤) إعلام الموقعين (١/٤٦) (ع ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقیقتاً فتوی نہیں کہا جائے گا، کیونکہ وہ صرف اتنا ہی کرسکتا ہے کہ اپنے امام کا قول نقل کردے۔(۱) اللہ و رسول کا حکم بتانا اور شریعت کے اندر صحیح اور غلط، راجح اور مرجوح، حلال اور حرام کی تمیز دلائل کی روشنی میں کرنا، اس کے بس سے باہر ہے۔ اس سلسلے میں کوئی رائے ایک مجتہد ہی دے سکتا ہے۔ جمہور علما کے برخلاف احناف کے نزدیک مفتی کے لیے اجتہاد شرط صحت نہیں، البتہ اولی اور بہتر ہے۔(۲) یہی وجہ ہے کہ ان کے متاخرین علما کی کتابیں عام طور پر بے دلیل قیاسات اور تفریعات سے پُر ہیں، جو قوت اجتہاد سے محروم لوگوں کی کتاب وسنت سے ناواقفیت اور جمود پسند ذہنیت کی غمازی کرتی ہیں۔

فتوی نویسی کے آداب اور مفتی و مستفتی سے متعلق مختلف مباحث کا جائزہ لینا طوالت کا موجب ہوگا۔(۳) اس لیے ان سے صرف نظر کرتے ہوئے یہاں فتوی نویسی کی تاریخ، کتب فتاوی اور ان کی قدر و قیمت، اس فن میں علمائے ہند و پاک کی تالیفات پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔

(۱)

فتوی پوچھنے اور فتوی دینے کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے شروع ہوتا ہے۔ پندرہ صدی کے طویل عرصے میں علما نے اس شعبے کی دینی اہمیت کے پیش نظر ہمیشہ ہی اس کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ تمام مسلمان اپنے اکثر دینی و دنیاوی امور سے متعلق پیش آمدہ مشکلات اور مسائل کے حل کی خاطر برابر ان کی طرف رجوع کرتے رہے ہیں۔ ان مسائل کا تعلق خواہ عقائد و عبادات سے ہو یا معاملات و اخلاق سے، یا باہمی اختلافات و نزاع سے، ہر حال میں وہ شریعت کا حکم معلوم کرنے کے لیے مفتیوں سے مدد لیتے رہے ہیں اور انھوں نے افتا کو اپنا فریضہ منصبی تصور کرتے ہوئے ہمیشہ ہی ان کی رہنمائی کی ہے۔ افتا کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود اللہ تعالی نے اس کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے۔ قرآن مجید میں دو جگہ لوگوں کے فتوی پوچھنے کے جواب میں اللہ تعالی کے فتوی دینے کا ذکر آیا ہے۔(۴) رسول اللہ ﷺ، صحابہ، تابعین، تبع تابعین

---

(۱) إرشاد الفحول للشوكاني (ص: ۲۹٦) (ع،ش)

(۲) دیکھیے: القول المفيد في أدلة الاجتهاد والتقليد للشوكاني (ع،ش)

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: الفقه والمتفقه للخطيب البغدادي (۲/۱۵۲—۲۰۵) آداب المفتي والمستفتي لابن الصلاح (بيروت ۱۹۸٦ء) المجموع للنووي (۱/٤۰—٦۹) صفة الفتوى والمفتي والمستفتي لابن حمدان (تحقيق: محمد ناصر الدين الألباني، بيروت ۱۹٦۱ء)، إعلام الموقعين عن رب العالمين لابن القيم (قاهره ۱۹۵۵ء) (اردو ترجمہ بنام "دین محمدی" از محمد جوناگڑھی) أدب الفتيا للسيوطي (بيروت ۱۹۸۵ء) شرح عقود رسم المفتي لابن عابدين، في مجموعة رسائل ابن عابدين (۱/۹—۵۲) الطليحة لمحمد النابغة القلاوي الشنقيطي (قاهره ۱۳۳۹ھ)، ذخر المحتي من آداب المفتي للشيخ صديق حسن خان (بهوپال ۱۲۹٤ھ) الفتوى في الإسلام لجمال القاسمي (بيروت ۱۹۸٦م) مفيد المفتي از عبدالأول جونپوری (لكهنؤ ۱۳۲٦ھ) الفتيا ومناهج الإفتاء لمحمد سليمان الأشقر (كويت ۱۹۷٦ء) (ع،ش)

(۴) سورة النساء (۱۲۷، ۱۷٦) (ع،ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور دیگر ائمہ دین وعلمائے امت نے اس ذمہ داری کو بہ خیر وخوبی نبھایا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

اس عرصے میں استفتا اور افتا کے طریقے بدلتے رہے۔ عہد رسالت میں فتاوی کا سلسلہ اکثر وبیشتر زبانی طور پر ہی چلتا رہا۔ جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے۔ اس کا جواب کبھی تو قرآنی آیات کی صورت میں ملتا تھا اور کبھی وحی کی اساس پر اپنے اجتہاد سے فتوی دیتے تھے۔ قرآن مجید میں جن فتاوی کا ذکر آیا ہے ان کے سوالات کبھی تو ﴿يستفتونك﴾ (۱) کے صیغے سے شروع ہوتے ہیں اور کبھی ﴿يسألونك﴾ (۲) سے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالی نے جو کچھ نازل کیا، وہ رسول اللہ ﷺ نے امانت داری سے لوگوں تک پہنچا دیا۔ ان کے علاوہ وہ فتاوی جو آپ نے مختلف اوقات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوالات کے جواب کے طور پر دیے، حدیث کی مختلف کتابوں میں منتشر صورت میں موجود ہیں۔ علامہ ابن قیم (م ۷۵۱ھ) نے اپنی کتاب میں ان کا ایک بڑا حصہ ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۳)

عہد رسالت میں اور اس کے بعد بہت سے صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے بعض مشکل دینی مسائل کے بارے میں فتاوی صادر فرمائے۔ علامہ ابن حزم (م ۴۵۶ھ) نے ایسے ایک سو بیالیس (۱۴۲) صحابہ اور بیس (۲۰) صحابیات کا ذکر کیا ہے، جن سے فتاوی منقول ہیں (۴)، اور انھیں فتاوی کی کثرت وقلت کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ سب سے زیادہ فتاوی جن صحابہ ؓ سے منقول ہیں، وہ بالترتیب یہ سات ہیں: حضرت عائشہ، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم۔ دوسرے حصے میں بیس (۲۰) ایسے صحابہ ہیں، جن میں سے ہر ایک کے فتاوی کا ایک مختصر مجموعہ تیار کیا جاسکتا ہے۔ باقی اور لوگوں سے زیادہ سے زیادہ ایک دو مسئلے منقول ہیں۔ ان سب کے فتاوی بھی اگر جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹا سا مجموعہ بنے گا۔ کچھ علما نے بعض صحابہ کرام کے فتاوی ومسائل جمع کرنے کی طرف توجہ دی تھی، چنانچہ ابوبکر محمد بن موسی بن یعقوب بن مامون نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاوی بیس حصوں میں

---

(۱) دیکھیے: حوالہ سابق (ع ش)

(۲) سورة البقرة (۱۸۹، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۲) سورة المائدة (١٤) سورة الأعراف (١٨٧) سورة الأنفال (۳)۔ (ع ش)

(۴) دیکھیے: إعلام الموقعين (٤/٢٢٦–٤١٤) اردو ترجمہ "دین محمدی" (۷/۶۹–۱۴۹) نواب صدیق حسن خاں نے غالبًا اسی پر اعتماد کر کے فارسی میں "فتاوى إمام المتقين" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ (ع ش)

(۵) أصحاب الفتيا، مطبوعہ درآخر "جوامع السير" (ص: ۳۱۹–۳۲۳) اور الإحكام في أصول الأحكام (٤/١٧٦) بعد کی اکثر کتابوں میں مفتی صحابہ وتابعین کے بارے میں معلومات ابن حزم سے قدرے اختلاف کے ساتھ نقل کی گئی ہیں۔ دیکھیں: تلقيح فهوم أهل الأثر لابن الجوزي (ص: ٤٤٠، قاهره ١٩٧٥م) إعلام الموقعين (١/١١–١٢٨) الجواهر المضية للقرشي (٢/٤١٣–٤١٧، طبع حيدر آباد) (ع ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمع کیے تھے۔(۱) تقی الدین سبکی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فتاوی کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔(۲) مگر یہ دونوں کتابیں دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہیں۔ عصر حاضر میں اس طرف دوبارہ توجہ ہوئی ہے۔ اب تک حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے فقہی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ "موسوعة فقه السلف" کے نام سے بھی بہت سے صحابہ وتابعین کے آراو مسائل کا مجموعہ مکہ مکرمہ سے کئی سال قبل چھپا تھا، جو نامکمل سہی، لیکن پھر بھی اہل علم اور عام قارئین کے لیے مفید ہے۔

عہد صحابہ میں فتاوی کا سلسلہ زبانی اور تحریری دونوں طریقوں سے جاری رہا۔ مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، شام اور مصر ہر جگہ لوگ مشکل مسائل کے سلسلے میں بعض جلیل القدر صحابہ کی طرف رجوع کرتے تھے، جو وہاں مسند فتوی پر متمکن ہوتے۔ یہ سلسلہ تقریباً پہلی صدی کے اخیر تک جاری رہا۔ پھر تابعین اور تبع تابعین کا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں منصب افتا اجلہ تابعین وتبع تابعین کے سپرد رہا۔ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں، جو صحابہ کرام کی موجودگی میں بھی فتوی دیتے تھے، مثلاً سعید بن المسیب اور سعید بن جبیر وغیرہ۔ علامہ ابن حزم نے ہر علاقے میں عہد بہ عہد تمام مفتیوں کے نام اپنی کتاب میں ذکر کیے ہیں (۱)، جن کی تفصیل یہاں طوالت کی موجب ہوگی۔

مختصراً اتنا ذکر کر دینا کافی ہے کہ مدینہ میں بعض صحابہ (جیسے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عمر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ) کے تربیت یافتہ سات فقہا (جنھیں فقہائے سبعہ کہا جاتا ہے) مشہور ہوئے۔ یہ سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، حارثہ بن زید بن ثابت، ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ ہیں۔ پھر ان کا سلسلہ زہری اور ربیعہ بن عبدالرحمٰن سے گزرتا ہوا امام مالک اور ان کے تلامذہ تک پہنچتا ہے۔

مکہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تلامذہ فتاوی صادر کرتے تھے، جیسے عطاء، طاؤس، مجاہد اور عکرمہ رحمہم اللہ وغیرہ۔ ان کے بعد سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے ہوتا ہوا یہ سلسلہ امام شافعی اور ان کے شاگردوں تک منتہی ہوتا ہے...... کوفہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے تربیت پانے والے بزرگ منصب افتا پر فائز تھے، جن میں علقمہ اور قاضی شریح کے نام ممتاز ہیں۔ ان کے بعد ان کے شاگرد ابراہیم نخعی پھر حماد بن ابی سلیمان اور ان کے بعد امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ نے یہ فریضہ انجام دیا۔ بصرہ میں حسن بصری، ابن سیرین پھر قتادہ اور ان کے بعد حماد بن سلمہ، حماد بن زید اور معمر بن راشد مشہور ہوئے...... شام میں ابوادریس خولانی پھر مکحول اور ان کے بعد امام اوزاعی اور ان کے تلامذہ نے یہ منصب سنبھالا...... مصر میں یزید بن ابی

(۱) الإحكام في أصول الأحكام (٤/ ١٧٦) إعلام الموقعين (١/١٨-١٩) الجواهر المضية (٢/ ٤١٥) كشف الظنون (١٢٢٦/٢) (ع ش)

(۲) الجوهر المضية (٢/ ٤١٨) (ع ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حبیب اور ان کے بعد امام لیث بن سعد اپنے اپنے زمانے کے مفتی تھے......ان کے علاوہ بغداد اور دیگر شہروں میں بہت سے علما فتویٰ دیتے رہے۔ان میں امام ابن المبارک، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ، امام ابوثور، امام داود ظاہری اور ابن جریر طبری وغیرہ شامل ہیں۔

دوسری صدی ہجری میں بعض اصول وقواعد میں اختلاف کی وجہ سے فقہا کے دو گروہ ہو گئے۔(۱) ایک اہل حدیث کا گروہ تھا، جو احادیث نبویہ اور صحابہ کے فتاوی کی بنیاد پر فتویٰ دیتا تھا، اور جب تک کسی واقعے کا ظہور نہ ہو جاتا، اس وقت تک اس کے بارے میں شرعی حکم بیان کرنے سے گریز کرتا تھا۔اس گروہ میں علمائے حجاز کی غالب اکثریت شامل تھی۔دوسرا گروہ اہل الرائے کا تھا، جس میں فقہائے عراق کی غالب اکثریت تھی۔ان کے پاس چونکہ صحیح احادیث کم تھیں، اس لیے انھوں نے فتویٰ دیتے وقت عام طور پر رائے اور قیاس کا کثرت سے استعمال کیا۔بعض ایسے قواعد وضع کیے، جن کو سامنے رکھ کر پیش آمدہ اور آیندہ پیش آنے والے بلکہ محال اور غیر ممکن الوقوع ہزاروں مسائل سے متعلق اپنی رائے ظاہر کی اور انھیں فقہ وفتاوی کی کتابوں میں جمع کر گئے۔ائمہ مجتہدین کے بعد ان کے متبعین ومقلدین مختلف گروہوں میں بٹ گئے اور ہر گروہ فتاوی کے سلسلے میں اپنے مسلک کی توجیہ وتائید میں لگ گیا، اس طرح فتاوی کا اجرا اجتہاد کے بجائے تقلید کی بنیاد پر ہونے لگا۔تقلید کی روش ایسی مرغوب ہوئی کہ ہر مفتی اپنے مذہب کے اصول وفروع کے ارد گرد گھومتا رہا۔اسے براہ راست کتاب وسنت کی طرف رجوع اور دیگر ائمہ مجتہدین وفقہائے امت کی آرا سے استفادہ کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ان مقلدین کے بالمقابل علمائے حدیث کی ایک جماعت ہر دور میں ایسی بھی رہی ہے، جو سلف صالحین (صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین) کے طریقے پر کاربند رہی۔فتویٰ نویسی کے وقت انھوں نے وہی طریقہ اپنایا، جو سلف کے یہاں رائج تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) نے اپنے فتاوی میں اسی طریقے کی پیروی کی۔یہی وجہ ہے کہ بعض مسائل میں انھوں نے ائمہ اربعہ تک کی مخالفت کی ہے۔گذشتہ دو تین صدیوں میں فتویٰ نویسی کے اس رجحان کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ہندوستان، مصر اور دیگر بلاد عربیہ میں سلفی تحریک کے علم برداروں نے جمود وتقلید کے خلاف جو کوششیں کی ہیں، ان کا اثر فتویٰ نویسی پر بھی پڑا ہے۔اس رجحان سے مقلدین بھی جزوی طور پر متاثر ہوئے۔چنانچہ خلافت عثمانیہ کے عہد میں جب ۱۲۸۶ھ میں "مجلة الأحكام العدلية" کی تدوین ہوئی تو پہلی بار مذاہب اربعہ کی تقلید سے ہٹ کر بعض مسائل میں ابن شبرمہ کے مسلک پر فتویٰ دیا گیا۔پھر ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۶ء میں مصر میں تقلید کی ڈگر سے نکلنے کی کوشش ہوئی اور فیصلہ ہوا کہ مصالح مرسلہ اور حالات وزمانے کی رعایت کرتے ہوئے جملہ فقہائے اسلام کے اقوال کو فتاوی کی بنیاد بنایا جائے۔برصغیر میں اہل حدیث تو

(۱) أصحاب الفتيا (ص: ٣٢٤-٣٣٥) امام ابن حبان (م ۳۵۴ھ) نے اپنی کتاب "مشاهير علماء الأمصار" میں مفتیوں کے علاوہ دیگر مشاہیر علما کا بھی تذکرہ کیا ہے۔اسی موضوع پر علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ) کی ایک کتاب "الأمصار ذوات الآثار" بھی ہے، لیکن اس میں خاص طور پر محدثین اور ناقلین حدیث (حدیث کو دوسروں تک منتقل کرنے والوں) کا ذکر ہے۔(ع ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شروع ہی سے اس طریقے پر کاربند ہیں۔ اخیر میں مفتی محمد شفیع دیوبندی نے اپنی بعض کتابوں میں حنفی مسلک کے بجائے مالکی مسلک کی بنیاد پر مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح ثانی کے بارے میں فتوی دیا۔ ۱۹۷۲ء میں حیدرآباد کے اندر طلاق ثلاثہ کے مسئلے پر جو سیمینار ہوا تھا، اس میں بھی حنفی علما نے اس مسئلے میں اپنا مسلک ترک کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔

اوپر فتوی نویسی کے عہد بہ عہد جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ ابتدائی صدیوں میں فتوی نویسی کے وقت احادیث وآثار اور فتاوی صحابہ وتابعین پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ بعد میں تقلیدی مذاہب وجود میں آئے اور ان کے اصول وضوابط وضع کیے گئے، چنانچہ فتوی نویسی میں بھی جمود وتقلید کے آثار نمایاں ہوئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور دیگر فقہائے محدثین کی کوششوں سے پھر کتاب وسنت کی طرف براہ راست رجوع اور سلف صالحین (صحابہ، تابعین اور تبع تابعین) کے آرا واقوال سے استفادہ کی طرف توجہ ہوئی، جس کے نتیجے میں اہل حدیث اور سلفی علماء کا ایک بڑا گروہ وجود میں آیا، جس نے اجتہاد کا دروازہ، جسے مقلدین نے ہمیشہ کے لیے بند کر دیا تھا، پھر سے کھول دیا۔ عصر حاضر میں اب تمام حق پسند اور منصف مزاج علما اجتہاد کی ضرورت کے قائل نظر آتے ہیں اور کسی ایک مذہب کی تقلید اور اس پر جمود کے بجائے تمام مذاہب سے استفادہ، ان کے تقابلی مطالعہ اور دلائل کی روشنی میں راجح مذہب کی تعیین کی دعوت دیتے ہیں اور نصوص کتاب وسنت کی موجودگی میں قیاس کو غلط قرار دیتے ہیں۔ یہ مقولہ اب زبان زد عام ہو چکا ہے کہ "الاجتهاد فيما لا نص فيه" (اجتہاد کو ان ہی مسائل میں دخل ہوگا، جن کے بارے میں کتاب وسنت میں کوئی نص وارد نہیں)۔ اس طریقۂ کار کے مطابق اب فقہ کی کتابیں تیار کی جانے لگی ہیں۔ شیخ سید سابق کی کتاب "فقه السنة" ان میں سب سے زیادہ کامیاب کتاب تصور کی جاتی ہے۔ محدث العصر علامہ محمد ناصر الدین الالبانی کی کتاب "الثمر المستطاب في فقه السنة والكتاب" اب تک طبع نہیں ہوئی ہے۔(۱) امید ہے کہ وہ بھی اس موضوع پر شاہ کار ہوگی۔

اس مختصر سے تبصرے کے بعد اب ذیل میں کتب فتاوی کا ایک جائزہ لیا جا رہا ہے۔

(۲)

علم فتاوی کا شمار فقہ کے فروع میں ہوتا ہے۔ طاش کبری زادہ (م ۹۶۸ھ) نے اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں جزئی واقعات کے بارے میں فقہا سے صادر ہونے والے فروع احکام بیان کیے جاتے ہیں اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ بعد میں آنے والے قوت استنباط سے محروم لوگ سہولت کے ساتھ ان سے استفادہ کر سکیں۔(۲) عبدالنبی احمد نگری لکھتے ہیں کہ فتاوی سے عموماً شریعت اسلامی کے وہ فروعی مسائل مراد ہوتے ہیں جن کے بارے میں کسی فقہی مکتب فکر کے بانی یا

(۱) دیکھیے: "حجة الله البالغة" کا مبحث: "باب الفرق بين أهل الحديث وأهل الرأي" (ع ش)

(۲) اب یہ کتاب بھی دو جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

(۳) مفتاح السعادة (۲/ ۶۰۱، طبع قاهره) نیز دیکھیں: أبجد العلوم (۲/ ۳۹۵، طبع بيروت) (ع ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے ساتھیوں سے کچھ منقول نہیں ہوتا اور متاخرین علما اپنے اجتہاد واستنباط کے ذریعہ ان کا حل پیش کرتے ہیں۔(۱)

اس میدان میں بے شمار کتابیں تصنیف کی جا چکی ہیں (۲)، جن میں اکثر سلفی علما کی تصنیف کردہ ہیں۔ان کے علاوہ شافعی، مالکی اور حنبلی مکتب فکر کے علمانے بھی اپنے اپنے مسلک کے مطابق فتاوی کے مجموعے تیار کیے۔مقلدین کے علاوہ سلفی نقطۂ نظر کے حامل علمانے بھی ہر دور میں اس فن پر کتابیں لکھیں۔ان سب کا تفصیلی جائزہ لینا یہاں دشوار ہے۔ان کی اگر ایک فہرست ہی تیار کردی جائے ،تب بھی طوالت کی موجب ہوگی۔ان کتابوں میں بہت سی تو اب مفقود ہیں۔بعض کے قلمی نسخے مختلف لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں۔کچھ مطبوعہ ہیں،مگر صرف ایک بار طبع ہوئیں۔بہت کم ہی ایسی کتابیں ہیں،جنھیں قبول عام واستناد کا درجہ حاصل ہوا ہے۔اس لیے یہاں صرف اہم کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ علمائے احناف نے فقہی مسائل کے ضعف یا قوت کے اعتبار سے فتاوی کی کتابوں کو تیسرے درجے میں رکھا ہے۔(۳) پہلے اور دوسرے درجے میں کتب ظاهر الرواية اور مسائل النوادر و الأمالي ہیں۔دوسری بات یہ کہ حنفی مسلک کے یہ فتاوی انفرادی اور اجتماعی دونوں طریقوں سے جمع ہوتے رہے۔یعنی بعض اوقات کسی فقیہ یا مفتی کے تمام فتاوی کو یکجا کردیا جاتا تھا، جو اس نے مختلف مسائل کے جواب میں وقتاً فوقتاً صادر کیے، بعد میں اسی کے نام سے یہ مجموعہ منسوب ومشہور ہوتا۔خواہ اس کا جامع ومرتب کوئی دوسرا ہو۔فتاوی کا معتد بہ ذخیرہ اسی زمرے میں آتا ہے۔فتاوی جمع کرنے کا اجتماعی طریقہ یہ تھا کہ علما کی ایک مجلس منتخب کی جاتی اور مختلف مآخذ کے سہارے جزئی واقعات کے مطابق فتاوی مرتب کیے جاتے۔''فتاوی عالمگیری'' (الفتاوى الهندية) تدوین اسی طرز پر ہوئی ہے۔

فتاوی کی بہت سی کتابیں''نوازل''،''اجوبۃ''،''مسائل''(سوالات، اسئلۃ) اور''واقعات'' سے بھی موسوم ہیں۔ ''نوازل'' سے کسی واقعے یا حادثے کے پیش آنے کا پتا چلتا ہے، برخلاف''فتاوی'' کے، جس کے تحت کسی بھی مسئلے سے متعلق شریعت کا حکم داخل ہوجاتا ہے،خواہ وہ وقوع میں آیا ہو یا نہ آیا ہو، بلکہ بسا اوقات بہت سے محال اور ناممکن الوقوع مسائل پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔

ہمیں یہاں اصطلاحی مفہوم میں فتاوی کی صرف ان ہی کتابوں سے غرض ہے، جن کا تعلق دینی مسائل سے ہے۔ورنہ لغوی معنی کے اعتبار سے فتاوی کے اندر وہ تمام کتابیں داخل ہوجاتی ہیں، جن میں کسی بھی فن اور موضوع سے متعلق سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں،خواہ وہ زبان وادب سے متعلق ہوں، یا حدیث ورجال، منطق وفلسفہ، تصوف وکلام، تاریخ وتفسیر وغیرہ

(۱) دستور العلماء (۳/۱۳) (ع ش)

(۲) دیکھیے: كشف الظنون (۲/۱۲۱۸-۱۲۳۱، وغيره) مفتاح السعادة (۲/۶۰۱-۶۰۴) یہاں صرف حنفی مسلک کی کتابیں مذکور ہیں۔مالکی مسلک کی کتب فتاوی کے لیے دیکھیے: مجلة "دعوة الحق"، رباط، مارچ ۱۹۸٤ (ص: ۱۵۵-۱۵۷) (ع ش)

(۳) عقود رسم المفتي (ص: ۱۷) مفيد المفتي (ص: ۷۱) (ع ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں۔ فتاوی کی بعض کتابیں مختلف فنون کے مسائل پر مشتمل ہیں۔(۱) بعض مجموعے ایسے بھی ہیں، جن میں فتاوی کے ساتھ وہ رسائل بھی شامل کر دیے گئے ہیں، جو مولف نے کسی سوال کے جواب میں نہیں لکھے، بلکہ ان کی حیثیت مستقل تالیف جیسی ہے۔(۲) کتب فتاوی کا جائزہ لیتے وقت ان تمام امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، ورنہ اس نام کی مختلف کتابوں کے درمیان موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے تمیز کرنا دشوار ہوگا۔

حنفی مسلک کے فتاوی کی کتابیں عام طور پر فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب ہوتی ہیں۔ جواب میں اختصار کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ کہیں تو صرف "نعم" اور "لا" میں جواب دیا جاتا ہے۔ اکثر کتابوں میں تائید کے لیے اپنے مذہب کی فقہی کتابوں سے اقتباسات بھی درج ہوتے ہیں۔ کہیں کہیں مسئلے کی مختلف صورتیں اور ان کے مختلف جوابات ذکر کیے جاتے ہیں۔ بعض مصنفین نے جواب کی تعلیل کے لیے قیاس اور عقلی توجیہات کا بھی سہارا لیا ہے، مگر کتاب وسنت کے نصوص پیش کرنے کا زیادہ اہتمام نہیں کیا ہے۔ اگر کہیں حدیثوں کا ذکر آتا بھی ہے تو صحیح وضعیف اور مرفوع وموقوف کے درمیان کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ پورا زور اپنے مذہب کے مطابق مسائل کی تخریج یا اپنے مسلک کے مختلف علما کے متعارض اقوال کے درمیان تطبیق وترجیح میں صرف ہوتا ہے۔ دوسرے مذاہب کے علما کے اقوال بلا دلیل درج کیے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں اصل ماخذ کی طرف رجوع کیے بغیر اطمینان نہیں ہوتا۔ بعض کتب فتاوی کے ان ہی نقائص کے پیش نظر نواب صدیق حسن خاں، انھیں خرافات اور افسانے قرار دیتے ہیں اور ان میں پڑ کر وقت ضائع کرنے سے روکتے ہیں۔(۳) اس لیے کہ وہ عموماً ایسے بہت سے اقتباسات اور تفریعات پر مشتمل ہوتے ہیں، جن کی تائید قرآن وحدیث سے نہیں ہوتی۔ پھر ان مفتیوں کے اقوال ایک ہی مسلک سے متعلق ہونے کے باوجود باہم اتنے مختلف ہوتے ہیں کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔

مگر ان خرابیوں کے باوجود اور یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ کتب فتاوی کا شمار تیسرے درجے کی کتابوں میں ہے، چند امور میں ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ان سے تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کے سماجی، سیاسی، تمدنی اور فکری حالات کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان سے پتا چلتا ہے کہ مسلمانوں کو کب کس طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے بارے میں علما کا کیا موقف رہا؟ ہر زمانے اور علاقے کے رسم ورواج اور مروجہ بدعات کی تصویر بھی ان کتابوں سے سامنے آتی ہے۔ علما کے فتاوی کا رد عمل عوام پر کیا ہوتا تھا؟ سلاطین وامرا اور طلبہ وعوام سے ان کے تعلقات کیسے تھے؟ ہر زمانے میں کن علما کو فتاوی نویسی کے میدان میں شہرت ملی؟ ان کے علم وفہم اور فقہ بصیرت کا کیا حال تھا؟ یہ اور ان جیسے بیسیوں امور ہیں، جن کے لیے کتب فتاوی کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ ہمیں تاریخ وتذکرے کی قدیم کتابوں کے ساتھ کتب فتاوی کو نہیں بھولنا چاہیے۔ بعض

(۱) مثلاً علامہ سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی "الحاوي للفتاوى" (ع،ش)

(۲) جیسے "مجموع فتاوى شيخ الاسلام ابن تيمية" میں شامل رسائل اور کتابیں۔ (ع،ش)

(۳) أبجد العلوم (۲/ ۳۹۵-۳۹۶) (ع،ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہل علم اب اس جانب متوجہ ہوئے ہیں اور فتاوی کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنے لگے ہیں۔(۱)

حنفی علما کی کتب فتاوی میں سب سے زیادہ شہرت کی حامل ''فتاوی قاضی خان'' (م ۵۹۲ھ) ہے۔ یہ آج تک احناف کے یہاں مقبول اور متداول ہے۔ مفتیوں اور قاضیوں کا عموماً اسی پر اعتماد رہتا ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں ایسے مسائل مع حوالہ جمع کیے ہیں، جو عام طور پر پیش آتے ہیں اور جن کی ضرورت برابر ہی پڑتی رہتی ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اس میں متاخرین کے متعدد اقوال میں سے صرف ایک یا دو قول ذکر کیے ہیں اور مشہور اور راجح قول کو مقدم رکھا ہے، تاکہ فتوی دیتے وقت علما کو دشواری نہ ہو۔ قاسم بن قطلو بغا کہتے ہیں کہ قاضی خان جس بات کی تصحیح کردیں، اسے دوسروں کی تصحیح پر مقدم سمجھا جائے گا۔(۲)

''فتاوی عالمگیری'' اور ''فتاوی تاتارخانیہ'' کا ذکر آگے ہندوستانی علما کی تالیفات کے ضمن میں آرہا ہے۔ ان کے علاوہ مطبوعہ کتابوں میں "نوازل أبي الليث السمرقندي" (م ۳۹۳ھ) سب سے قدیم ہے۔ مصنف نے اس میں پچھلے فقہا کے وہ اقوال جمع کیے ہیں، جو نوازل وحوادث سے متعلق ہیں۔ یہ کتاب حیدرآباد سے ۱۳۵۴ھ میں شائع ہوئی ہے اور بہت ہی غلط چھپی ہے۔ ضرورت ہے کہ اسے قدیم مخطوطات کی روشنی میں پھر سے ایڈٹ کیا جائے۔(۳)

تاریخی اعتبار سے اس کے بعد ابوالحسن سعدی (م ۴۶۱ھ) کی "النتف في الفتاوی" کا نمبر آتا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اکثر مسائل میں احناف کے علاوہ دیگر ائمہ وعلماء کے اقوال بھی مصنف نے ذکر کیے ہیں اور فضول قسم کی عقلی توجیہ وتعلیل سے احتراز کیا ہے، اس طرح یہ کتاب قاضیوں اور مفتیوں کے لیے بہترین مرجع بن گئی ہے۔ اس میں بہت سی فقہی قواعد کا بھی ذکر ملتا ہے، جنھیں کتاب کے مرتب نے یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔(۴) یہ کتاب بغداد سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی ہے۔

دیگر مطبوعہ کتابوں میں "الفتاوی البزازية" لابن البزازی (م ۸۲۷ھ) "الفتاوی الزينية" لابن نجیم (م ۹۷۰ھ)، "الفتاوی الحامدية" لحامد آفندی القونوی (م ۹۸۵ھ)، "الفتاوی الخيرية لنفع البرية" لخیر الدین الرملی (م ۱۰۸۱ھ) اور "الفتاوی الأنقروية" لمحمد بن الحسن الأنقروي (م ۱۰۹۸ھ) معروف ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پر تبصرے کے لیے مقدمے کے یہ صفحات کافی نہیں۔

---

(۱) دیکھیے: سعد غراب کا مضمون "كتب الفتاوى وقيمتها الاجتماعية" في: حوليات الجامعة التونيسية، تونس (۱۶/۶۵-۱۰۲) (ع ش)

(۲) دیکھیے: الفوائد البهية (ص: ۶۵) (ع ش)

(۳) سزگین نے "تاريخ التراث العربي" (جزء: ۱۰۳/۱۰۸) میں اس کے قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ انھیں اس کے طبع ہونے کا علم نہیں۔(ع ش)

(۴) النتف (۲/۸۸۰-۹۰۲) (ع ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتاوی کی بعض کتابیں اب تک غیر مطبوعہ صورت میں قدیم کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ان میں خاص طور پر "الفتاوی الکبری" و "الفتاوی الصغری" لحسام الدین الصدر الشہید (م ۵۳۶ھ)، "التجنيس والمزيد" للمرغینانی (م۵۹۲ھ)، "فتاوى التمرتاشي" (م۶۱۰ھ)، "الفتاوى الولوالجية" للولوالجي (م۷۱۰ھ)اور "فتاوى القاسم بن قطلوبغا" (م۸۷۹ھ) قابل ذکر ہیں۔فتاوی پر بعض منظوم کتابیں بھی لکھی گئیں،جیسے "فتاوى جلال الدين التركماني البتاني" (م۷۹۳ھ)اور "فتاوى علي آفندي الطرابلسي" (م۱۰۳۲ھ)۔

احناف کی تالیف کردہ کتب فتاوی کا یہ نہایت ہی مختصر جائزہ ہے۔شافعی علما کی بھی اس فن پر بہت سی تالیفات ہیں، جن میں تاریخی ترتیب سے حسب ذیل کتابیں مطبوعہ صورت میں دستیاب ہیں: "فتاوى ابن الصلاح" (م۶۴۳ھ)، "الفتاوى المصرية" للعز بن عبد السلام (م۶۶۰ھ)، "المنثورات وعيون المسائل المهمات" یا "فتاوى النووي" (م ۶۷۶ھ)، "فتاوى تقي الدين السبكي" (م ۷۵۶ھ)، "الحاوي للفتاوى" للسیوطی (م۹۱۱ھ)، "الفتاوى الحديثية"، "الفتاوى الكبرى الفقهية" لابن حجر الہیتمی (م۹۷۴ھ)اور "فتاوى شمس الدين الرملي" (م۱۰۰۴ھ)۔فتاوی ابن الصلاح (۱) کوعلماوفقہاء کے درمیان شہرت خاص طور پر علم منطق کی حرمت کے فتوے سے ہوئی۔(۲) "صلاة الرغائب" سے متعلق ابن الصلاح اور العز بن عبدالسلام کے درمیان جو اختلاف رائے ہوا تھا، وہ بھی تاریخی شہرت کا حامل ہے۔سبکی (م۷۷۱ھ) نے "طبقات الشافعية الكبرى" میں خاص طور پر اس کا ذکر کیا ہے۔اس موضوع پر ان دونوں کے فتوے الگ سے بھی شائع ہو چکے ہیں۔(۳)

العز بن عبدالسلام کی مطبوع "الفتاوى المصرية" کے علاوہ "الفتاوى الموصلية" بھی ہے، جواب تک طبع نہیں ہوئی ہے۔ان دونوں کتابوں میں مصنف نے مصر اور موصل کے اندر پوچھے گئے مسائل کے جواب دیے ہیں۔امام نووی نے مختصر انداز میں بعض اہم مسائل سے متعلق لکھا ہے۔ان کے فتاوی میں ایک خاص باب بعض مشہور حدیثوں کی صحت وضعف کی تحقیق پر مشتمل ہے۔(۴) نووی چونکہ بہت بڑے محدث بھی تھے،اس لیے ان کی تحقیقات کو بعد کے لوگوں نے بڑی اہمیت دی اور اکثر احادیث مشہورہ اور موضوعات سے متعلق تالیفات میں ان کے اقوال نقل کیے گئے۔ان کا مجموعہ فتاوی کئی بار طبع ہو چکا ہے۔

(۱) پہلے اس کا صرف ایک ٹکڑا چھپا تھا۔ادھر بیروت میں دو جلدوں پر مشتمل اس کا مکمل ایڈیشن شائع ہوا ہے۔(ع،ش)

(۲) دیکھیے: فتاوى ومسائل ابن الصلاح (۱/ ۲۰۹–۲۱۲، بیروت ۱۹۸۶ء) (ع،ش)

(۳) دیکھیے: مساجلة علمية بين العز بن عبد السلام وابن الصلاح حول صلاة الرغائب، تحقيق: محمد ناصر الدين الألباني (طبع دمشق) (ع،ش)

(۴) دیکھیے: فتاوى الإمام النووي (ص: ۱۷۷–۱۹۳، بیروت ۱۹۸۲ء) (ع،ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقی الدین سبکی کے فتاویٰ ان کے لڑکے تاج الدین سبکی نے جمع کیے۔ یہ مجموعہ دو جلدوں میں مصر سے شائع ہو چکا ہے۔ سبکی نے فقہ واصول کے بہت سے مسائل پر تفصیل سے لکھا ہے اور مخالف وموافق دلائل کا جائزہ لیا ہے۔ سیوطی کی "الحاوی" ان کے (۸۳) مستقل رسالوں اور تفسیر، حدیث، فقہ، عقیدہ، لغت اور نحو وغیرہ سے متعلق ان کے چھوٹے بڑے سیکڑوں فتاویٰ پر مشتمل ہے۔ منظوم سوالات کے جواب میں انھوں نے منظوم فتوے لکھے ہیں۔ سیوطی اپنی وسعت معلومات کے لیے مشہور ہیں۔ تقریباً تمام فنون کی اکثر نادر ونایاب کتابوں پر ان کی نظر تھی، اس وجہ سے وہ کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے ہر فن کے مراجع ومآخذ سے استفادہ کرتے ہیں اور کہیں بھی کوئی بات بغیر حوالے کے نہیں لکھتے۔ ان کی کتابوں میں بس ایک چیز کھٹکتی ہے، وہ یہ کہ انھوں نے فتاویٰ اور دیگر تالیفات میں بہت سی ضعیف حدیثوں سے استدلال کیا ہے اور ان کے ضعف کی طرف اشارہ کیے بغیر گزر گئے ہیں۔ چونکہ احادیث کی سند کا بھی وہ عموماً ذکر نہیں کرتے، اس لیے قارئین کو (خصوصاً اگر وہ حدیث کے عالم نہ ہوں) یہ دھوکا ہوتا ہے کہ یہ سب حدیثیں قابل استدلال اور صحیح ہیں۔

"الفتاوى الحديثية" اور "الفتاوى الفقهية" میں ابن حجر ہیتمی نے بہت سی فقہی مسائل سے متعلق احادیث کی روشنی میں فتوے دیے ہیں، لیکن علم حدیث میں ان کی مہارت فقہ جیسی نہ تھی، اس لیے بہت سی جگہوں پر ٹھوکر کھا گئے۔ خصوصاً عقائد کے بعض بنیادی مسائل کے بارے میں انھوں نے جو موقف اپنی اشعریت کے پیش نظر اختیار کیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ پر جس طرح زبان طعن دراز کی ہے، وہ بڑا ہی افسوس ناک ہے۔ علامہ شمس الحق عظیم آبادی کے استاد شیخ خیر الدین نعمان بن محمود آلوسی (م ۱۳۱۷ھ) نے اپنی بے نظیر کتاب "جلاء العينين في محاكمة الأحمدين" میں اس موضوع پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے، جس کے بعد پھر ابن حجر ہیتمی کے اعتراضات اور اتہامات کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔

شافعی علما کی کتب فتاویٰ مجموعی طور پر احناف کی کتابوں سے مسائل کی تحقیق، دلائل کے ذکر، مختلف مذاہب واقوال کے درمیان موازنہ وترجیح اور احادیث کے نقد وپرکھ کے باب میں بدرجہا بہتر ہیں۔ ان کی کتابوں میں جوابات بھی قدرے تفصیلی اور تشفی بخش ہوتے ہیں۔ دور از کار تاویلات اور تفریعات وقیاسات بھی ان کے یہاں بہت کم ہیں۔

مالکی علما نے بھی فتاویٰ اور ان کے متعلقات پر بے شمار کتابیں لکھیں، جن میں سے مندرجہ ذیل تین کتابیں خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان تینوں مجموعوں میں اکثر متقدمین علمائے مالکیہ کے فتاویٰ جمع ہیں۔ یہ تینوں ہی نویں صدی ہجری کی تالیف ہیں۔

پہلی کتاب البرزلی (م ۸۴۱ھ) کی "جامع الأحكام لما نزل من القضايا بالمفتين والحكام" جو "نوازل البرزلي" اور "احکام" یا "فتاوی البرزلی" کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اب تک یہ طبع نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے اس پر تفصیلی تبصرے کی ضرورت یہاں محسوس نہیں ہوتی۔ بعض مالکی فضلا ومحققین اسے ایڈٹ کر رہے ہیں۔ کچھ لوگوں نے اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب اور اس کے مؤلف سے متعلق تعارفی مضامین لکھے ہیں۔(۱)

دوسری کتاب یحییٰ بن موسی المازونی (م۸۸۳ھ) کی "الدرر المکنونة في نوازل مازونة" جو''نوازل المازونی'' کے نام سے مشہور ہے۔اس میں تونس، بجایہ، الجزائر اور تلمسان وغیرہ کے متاخرین علمائے مالکیہ کے فتاوی جمع کیے گئے ہیں۔کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔یہ بھی اب تک شائع نہیں ہوسکی ہے۔اس کے قلمی نسخے مراکش کی مختلف سرکاری اور شخصی لائبریریوں میں موجود ہیں۔

تیسری کتاب، جو سب سے اہم تصور کی جاتی ہے اور بارہ جلدوں میں چھپ چکی ہے، وہ احمد بن یحییٰ الونشریسی (م۹۱۴ھ) کی "المعیار المعرب والجامع المغرب عن فتاوی أھل الأفریقیة والأندلس والمغرب" ہے۔ اسے مالکی مذہب کے علما کے فتاوی کا ایک انسائیکلوپیڈیا کہا جاسکتا ہے۔(۲) حال ہی میں اس کا نیا ایڈیشن دار الغرب الاسلامی سے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ایک مستقل جلد میں اس کے موضوعات ومسائل کی فہرست بھی کچھ لوگوں نے مل کر تیار کردی ہے۔یہ بھی کتاب کے ساتھ نئے ایڈیشن میں چھپی ہے۔

مالکی فقہ کی کتابوں سے برصغیر کے لوگ مانوس نہیں۔ان میں مسائل وابواب کی ترتیب حنفی فقہ کی کتابوں سے قدرے مختلف ہوتی ہے۔ان کی بعض مشہور ومعتمد کتابیں بڑے مغلق اور ادق اسلوب میں لکھی گئی ہیں۔مگر فتاوی کے اس مجموعے کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکثر علما نے بڑے واضح اسلوب میں فتوے لکھے ہیں۔ممکن ہے اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ یہ فتاوی عام طور پر عوام اور طلبہ کے لیے لکھے جاتے ہیں، اس لیے ان میں مشکل اسلوب سے اجتناب کیا جاتا تھا۔

ان تین مجموعوں کے علاوہ قاضی عیاض (م۵۴۴ھ) کے فتاوی کا ایک مختصر مجموعہ چھپا ہے۔اس کے علاوہ مطبوعہ کتابوں میں "نوازل المهدي الوزاني" المعروف بالمعيار الجديد (۱۱ جلدیں)، "أجوبة عبد القادر الفاسي"، أجوبة أبي الحسن الصغير" (یا الدر النثير)، "أجوبة محمد بن ناصر الدرعي" (یا الأجوبة الناصرية)، "نوازل الشريف العلمي" "نوازل ابن هلال الصنهاجي السجلماسي"، "نوازل المناوي"، "نوازل القاضي أبي عبد الله محمد بن عبد العزيز بردلة الفاسي"، "نوازل أبي العباس أحمد بن محمد السوسي"، "نوازل الشيخ التاوى بن سودة"، "نوازل محمد بن الحسن المجاصي

(۱) دیکھیے: النشرة العلمية للكلية الزيتونية (عدد: ۱، ص: ۱۶۹-۲۳۳) حوليات الجامعة التونسية (عدد: ۱۶، ص: ۶۵-۱۰۲) عبد الرزاق الحمامی نے مقدمہ کے کچھ منتخبات حوليات الجامعة التونسية (عدد: ۲۴، ص: ۱۷۷-۲۱۰) میں شائع کیے ہیں۔(ع،ش)

(۲) اس کتاب سے متعلق ایک مضمون E-Amar نے Archives Marocainer vol-xii-xii (1908-9) PP-522-536 میں لکھا ہے۔(ع،ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفاسي"، "أجوبة محمد بن المدني كنون المستاري" مالکی فقہا کے فتاویٰ کے معروف مجموعے ہیں۔

حنبلی علما کے فتاویٰ کی کتابیں زیادہ دستیاب نہیں۔(۱) انھوں نے دوسرے مذاہب کے علما کے مقابلے میں اس فن پر کم توجہ دی ہے۔فقہ پر تو ان کی بہت سی تالیفات ہیں، لیکن خاص طور پر فتاویٰ کے مجموعے زیادہ نہیں۔عموماً ان کا اعتماد اپنے مذہب کے مستند فقہی کتابوں پر رہتا ہے۔ جو ابن قدامہ (م۶۲۰ھ) ، ابن مفلح (م۶۷۳ھ) ، علاء الدین المرداوی (م۸۸۵ھ) اور منصور البہوتی (م۱۰۵۱ھ) کی تالیف کردہ ہیں۔ یہاں فتاویٰ کی مناسبت سے ان "مسائل" کا ذکر کیا جاسکتا ہے، جو امام احمد بن حنبل کے مختلف تلامذہ نے بطور سوال وجواب مدون کیے ہیں۔ یہ مسائل فقہ وحدیث اور عقائد واخلاق کے مختلف موضوعات سے متعلق ہیں۔ان کے جوابات امام احمد نے مختصر انداز میں دیے ہیں۔ بسا اوقات ایک ہی مسئلے سے متعلق ان مجموعوں میں ان کی مختلف آرا نظر آتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام احمد عموماً کسی حدیث یا اثر پر اعتماد کرتے ہوئے جواب دیا کرتے تھے۔رائے اور قیاس کا ان کے یہاں بہت ہی کم استعمال ہوتا تھا۔اس لیے کسی سوال کے جواب میں جو حدیث جب انھیں زیادہ مناسب حال معلوم ہوتی، اس کے مطابق اپنی رائے دے دیا کرتے، اس طرح ایک ہی مسئلے میں ان سے متعدد اقوال منقول ہوگئے۔ "مسائل الإمام أحمد" نام کی تین کتابیں اب تک طبع ہوئی ہیں، جو امام ابوداود السجستانی (م۲۷۵ھ)، عبداللہ بن احمد بن حنبل (م۲۹۰ھ) اور ابن ہانی (م۲۶۱ھ) کی مرتب کردہ ہیں۔ان کے علاوہ اسحاق بن منصور الکوسج (م۲۵۱ھ) اور ابوالقاسم البغوی (م۳۱۷ھ) کے مرتب کیے ہوئے مسائل کے قلمی نسخے مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں۔(۲) ان دونوں کے بعض محققین ایڈٹ کرچکے ہیں، ممکن ہے کہ عنقریب شائع ہوجائیں۔ان کے علاوہ امام احمد کے پانچ دیگر تلامذہ نے بھی ان کے مسائل جمع کیے تھے، جن کے اقتباسات بعض کتابوں میں موجود ہیں۔ یہ ابوبکر المروزی (م۲۷۵ھ)، ابراہیم الحربی (م۲۸۵ھ)، حنبل بن اسحاق بن حنبل (م۲۷۳ھ)، حرب الکرمانی (م۲۸۰ھ) اور عبدالملک المیمونی (م۲۷۴ھ) ہیں۔(۳)

امام احمد کے ان تمام مسائل اور دیگر فقہی آرا کو چوتھی صدی کے شروع میں ابوبکر الخلال (م۳۱۱ھ) نے "الجامع لعلوم الإمام أحمد" "المسند من مسائل الإمام أحمد" کے نام سے بیس حصوں میں جمع کیا تھا۔(۴) اس کے

---

(۱) بعض کتابوں کا ذکر سالم علی ثقفی نے "مفاتيح الفقه الحنبلي" جلد دوم (طبع دوم ۱۹۸۲ء) کے مختلف صفحات میں کیا ہے۔(دیکھیے اس کا اشاریہ بذیل: جوابات، مسائل، فتاوی) لیکن ان میں سے اکثر مفقود ہیں۔(ع ش)

(۲) تاريخ التراث العربي (جزء: ۳، ۱/ ۲۲۴) (ع ش)

(۳) ان کے مرتب کیے ہوئے مسائل کے اقتباسات کے لیے دیکھیے (بالترتیب): طبقات الحنابلة لابن أبي يعلىٰ (۱/ ۵۶-۶۳، ۸۶-۹۳، ۱۴۳-۱۴۶، ۲۱۲-۲۱۶) (ع ش)

(۴) إعلام الموقعين (۱/ ۳۱) (ع ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض اجزا مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں۔(۱) ان میں سے وہ مسائل جن کے ابواب امام احمد نے حلفیہ اسلوب میں دیے ہیں، ابن ابی یعلی نے "المسائل التي حلف عليها الإمام أحمد بن حنبل" کے نام سے الگ کیے تھے۔ حال ہی میں یہ کتاب طبع ہوگئی ہے۔

اس مختصر جائزے سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام احمد نے بہت سے مسائل کے متعلق جواب دیے ہیں، لیکن یہ عام طور پر زبانی ہوا کرتے تھے اور ان کے تلامذہ انھیں کتابوں میں مدون کیا کرتے تھے۔ بعد میں حنابلہ کے یہاں ''مسائل'' کے نام سے متعدد کتابوں کا ذکر ملتا ہے، لیکن یہ کتابیں سوال وجواب کے طرز پر مرتب نہیں، بلکہ فقہائے حنابلہ کے فقہی اختیارات اور آرا کے مجموعے ہیں جنھیں فتاوی کے بجائے عام فقہی کتابوں میں شمار کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ابن حامد (م۴۰۳ھ) کی ایک کتاب "تهذيب الأجوبة" برلن کی لائبریری میں موجود ہے۔(۲) مگر اس کے مشمولات اور اسلوب کا علم نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہنا دشوار ہے کہ وہ فتاوی کا مجموعہ ہوگا۔

فتاوی کے پورے ذخیرے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م۷۲۸ھ) کا مجموعہ فتاوی منفرد خصوصیات کا حامل ہے۔ ابن تیمیہ کا شمار اگرچہ حنبلی مکتب فکر کے علما میں کیا جاتا ہے، لیکن درحقیقت انھیں مستقل مجتہد شمار کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ انھوں نے فقہی مسائل میں تقلید کے بجائے اجتہادی روش اختیار کی ہے۔ وہ تمام مسائل کی آزاد تحقیق کرتے ہیں۔ صحابہ، تابعین وتبع تابعین اور ائمہ دین کے اقوال اور دلائل کا تنقیدی مطالعہ کرتے ہیں اور جو رائے کتاب وسنت سے زیادہ قریب اور دلائل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہوتی ہے اسے راجح قرار دیتے ہیں اور اسی کے مطابق فتوی دیتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ ائمہ اربعہ کے اقوال کی مخالفت کرتے ہیں، جیسا کہ طلاق ثلاثہ کے مسئلے میں کیا ہے۔ ظاہر ہے یہ روش مقلدین حنابلہ کی روش سے قطعاً مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اپنے فقہی مسلک سے خروج کو کبھی برداشت نہیں کرسکتے۔ متاخرین نے جن کتابوں پر اپنا مذہب معلوم کرنے کے لیے اعتماد کیا ہے، ان میں ابن تیمیہ کی فقہی تالیفات شامل نہیں۔

ابن تیمیہ کی حنبلیت دراصل عقائد اور اصول میں امام احمد بن حنبل کے طرز اور اسلوب کی پیروی کے مترادف ہے۔ اس انتساب کا فروعی مسائل میں ان کی تقلید سے کوئی تعلق نہیں۔ خود امام احمد نے ہمیشہ تقلید کے بجائے عمل بالحدیث کی دعوت دی۔ ان کا ایک مشہور مقولہ ہے، جو انھوں نے اپنے ایک شاگرد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

"لا تقلدني ولا تقلدن مالكا ولا الشافعي ولا الأوازاعي، وخذ من حيث أخذوا". (۳)

(۱) تاريخ التراث العربي (جزء ۳، ۱/ ۲۳۳–۲۳۴) (ع ش)

(۲) تاريخ التراث العربي (جزء ۳، ۱/ ۲۴۰) (ع ش)

(۳) دیکھیے: إعلام الموقعين (۲/ ۳۰۲) إيقاظ همم أولي الأبصار (ص: ۱۳) اسی مفہوم کا ایک دوسرا قول امام احمد سے "جامع بيان العلم وفضله" (۲/ ۱۴۹) میں ابن عبدالبر نے بھی نقل کیا ہے۔ (ع ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''نہ میری تقلید کرو، نہ مالک، شافعی اوراوزاعی کی۔ مسئلہ وہیں سے لو، جہاں سے ان لوگوں نے لیا ہے''۔

یہی روش امام ابن تیمیہ نے اختیار کی اور زندگی بھر اسی پر کاربند رہے۔ اس سلسلے میں انھیں اپنے ہم عصر علما سے اذیتیں بھی برداشت کرنی پڑیں، مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور ہمیشہ اصول وفروع میں اشعریت اور تقلید کے بجائے عمل بالکتاب والسنۃ کی دعوت دیتے رہے۔ ان کی تمام کتابیں اس کی کھلی شہادت دیتی ہیں۔ "رفع الملام عن الأئمة والأعلام" میں انھوں نے ائمہ مجتہدین کو بعض صحیح احادیث کی مخالفت سے متعلق معذور سمجھنے کے لیے جو وجوہ واسباب بیان کیے ہیں اور ایک طالب حق کو ان مسائل سے متعلق جو موقف اختیار کرنے کی دعوت دی ہے، وہ کسی مقلد سے بعید ہے۔ ابن تیمیہ کے بعد ان کے تلمیذ رشید ابن القیم (م ۷۵۱ھ) نے "إعلام الموقعين عن رب العالمين" میں تقلید واجتہاد کے موضوع پر بڑی تفصیل سے لکھا اور جمود وتقلید کے بجائے کتاب وسنت کے نصوص پر عمل کرنے کی دعوت دی۔ تقلید کے مفاسد اور برے اثرات پر جس تفصیل کے ساتھ انھوں نے روشنی ڈالی ہے، میری معلومات کی حد تک وہ بے نظیر ہے۔

پچھلے سطور میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فقہی مسلک سے متعلق وضاحت اس لیے کرنی پڑی کہ کچھ لوگ انھیں فروع میں حنبلی سمجھتے ہیں اور اپنے اس تصور کے مطابق کہ اجتہاد کا دروازہ ائمہ مجتہدین کے بعد ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا ہے، انھیں مجتہد ماننے میں تامل کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ ان کے فتاوی کے مجموعے پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوجائے گا کہ ان کا فقہی مسلک کیا ہے؟

امام ابن تیمیہ کے فتاوی اور مسائل کے متعدد مجموعے اب تک شائع ہوچکے ہیں۔ اخیر میں عبدالرحمٰن بن محمد بن قاسم اور ان کے لڑکے محمد نے تلاش وجستجو کے بعد جتنے فتاوی ورسائل مطبوعہ یا قلمی صورت میں دستیاب ہوسکے، وہ سب اکٹھے کردیے۔(۱) یہ مجموعہ "مجموع فتاوى شيخ الإسلام ابن تيمية" کے نام سے (۳۵) جلدوں میں ریاض سے کئی بار شائع ہوچکا ہے۔ دو جلدوں میں اس کی فہرست بھی الگ سے چھپی ہے۔ اسے مختلف علوم وفنون سے متعلق مسائل ومباحث کا ایک انسائیکلوپیڈیا کہا جاسکتا ہے۔ اس میں تفسیر (جلد ۱۳ تا ۱۷)، حدیث (جلد ۱۸)، فقہ (جلد ۲۱ تا ۳۵)، اصول فقہ (جلد ۱۹ تا ۲۰)، عقیدہ (جلد ۱ تا ۸ و ۱۲)، تصوف (جلد ۱۰ و ۱۱) اور منطق (جلد ۹) کے موضوعات پر بے نظیر بحثیں ملتی ہیں۔ امام ابن تیمیہ کو اللہ تعالیٰ نے لکھنے کا عجیب ملکہ عطا کیا تھا۔ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، بڑے ہی آسان اسلوب میں لکھتے ہیں، جسے سہل ممتنع کہا جاسکتا ہے۔(۲) عربی کی متوسط استعداد رکھنے والا بھی اس سے مستفید ہوسکتا ہے۔

---

(۱) اس میں "منهاج السنة"، "اقتضاء الصراط المستقيم"، "الاستقامة"، "الصفدية ذ"، "درء تعارض العقل والنقل"، "بيان تلبيس الجهمية"، "الرد على المنطقيين"، "النبوات"، "الصارم المسلول"، "الكلم الطيب"، "المسودة في أصول الفقه" اور "الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح" شامل نہیں ہیں۔ "جامع الرسائل" کے نام سے محمد رشاد سالم نے دو جلدوں میں جو مجموعہ شائع کیا ہے، اس کے اکثر رسائل بھی اس مجموعے میں نہیں ہیں۔ باقی تمام چھوٹی بڑی الگ سے چھپی ہوئی کتابیں ''مجموع الفتاوی'' میں داخل ہیں۔ (ع،ش)

(۲) یہاں میں "منهاج السنة" (۱۵۸/٤—۱۵۹) کی طرف قارئین کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، جہاں انھوں نے اپنے زمانے کے شعرا، اطبا اور انشاپردازوں کے بے جان اور مقفی ومسجع اسلوب پر سخت تنقید کی ہے اور اسے خلاف فصاحت قرار دیا ہے۔ (ع،ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ کوئی بات بغیر دلیل کے نہیں کہتے۔آیات واحادیث سے ایسا برمحل استدلال کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے استعمال کی سب سے مناسب جگہ یہی ہے۔تیسری خصوصیت جو دوسری کتب فتاوی میں بہت کم نظر آتی ہے، یہ کہ صرف صحیح حدیثوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ وہ ضعیف اور ناقابل استدلال حدیثوں کی واضح طور پر نشاندہی کرتے ہیں۔ چوتھی بات یہ کہ مسائل پر اتنی تفصیل سے کلام کرتے ہیں کہ ان کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہ جاتا۔ یہ اوران جیسی بہت سی خصوصیات ہیں، جن کی بنا پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتاوی کا مجموعہ اس فن کی تمام کتابوں میں ممتاز ہے۔ یہ مجموعہ معروف معنوں میں صرف فتاوی پر مشتمل نہیں، بلکہ ان کے دوسرے بہت سارے رسائل اور تالیفات کو حاوی ہے، اس لیے ہر طرح کے مباحث ومسائل سے متعلق امام ابن تیمیہ کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

امام ابن تیمیہ کے افکار سے بعد میں آنے والے تمام مصلحین ومفکرین بڑی حد تک متاثر ہوئے۔ ان کے تلامذہ ابن قیم، ابن کثیر، ذہبی اور ابن عبدالہادی وغیرہم کے علاوہ بہت سے علما وفقہا مسائل کی تحقیق، احادیث کی چھان بین، اصول وفروع میں کتاب وسنت کی طرف براہ راست رجوع، سلف صالحین (صحابہ، تابعین وتبع تابعین) اور ائمہ مجتہدین کے مسلک کے اتباع، اختلافی مسائل میں دلائل کی روشنی میں راجح قول کی تعیین اور کسی ایک مذہب کی سختی کے ساتھ پابندی کے بجائے اجتہاد اور آزادی فکر کی دعوت میں امام ابن تیمیہ کے ہم نوا ہیں۔ عصر حاضر میں انھیں ''سلفی'' یا ''اہل حدیث'' کہا جاسکتا ہے۔ انھوں نے تقلیدی فقہ کے بجائے فقہ حدیث (یا فقہ سنت) کی دعوت دی۔

ہندوستان میں نواب صدیق حسن خان، سید نذیر حسین اور ان کے تلامذہ، مصر میں احمد محمد شاکر، محب الدین خطیب، سید رشید رضا اور محمد حامد الفقی، شام میں طاہر الجزائری، جمال الدین القاسمی، محمد رغب الطباخ اور محمد بہجۃ البیطار، عراق میں محمد بہجۃ الاثری، سعودی عرب میں محمد عبدالرزاق حمزۃ، محمد نصیف، عبدالرحمٰن المعلمی، اور ابن باز وغیرہ۔ مراکش میں محمد العربی، تقی الدین الہلالی اور ان کے تلامذہ۔ الجزائر میں عبدالحمید بن بادیس اور اس وقت اردن میں مقیم محمد ناصر الدین البانی سلفی فکر کے اساطین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان علما کی کوششوں سے عصر حاضر میں سلفی رجحان کو بڑا فروغ ہوا اور اس کا اثر تمام مکاتب فکر پر پڑا ہے۔ اس کی ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ اب مصر، شام، کویت اور سعودی عرب میں فقہی مسائل پر غور کرنے کے لیے کمیٹیاں بنی ہیں، جو مختلف مکاتب فکر کے علما پر مشتمل ہیں۔ وہاں مسائل پر غور وخوض کے وقت تمام ائمہ سلف کی آرا سے استفادہ کیا جاتا ہے اور دلائل کی روشنی میں راجح قول کے مطابق فتوی دیا جاتا ہے۔ آج ہمیں کسی ایک مسلک کی تقلید کے بجائے مسائل کے حل کے لیے یہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔(۱)

(۱) عصر حاضر میں عرب علماء نے فتاوی کے بہت سے مجموعے مرتب کیے ہیں، جن کا جائزہ ان شاء اللہ کسی دوسری فرصت میں لیا جائے گا۔ ان میں چار علمائے حرمین کے فتاوی ''قرۃ العین'' (قاہرہ ۱۹۳۷ء)، علمائے نجد کے فتاوی ورسائل "مجموعة الرسائل والمسائل النجدية" (طبع قاهرهض، شیخ الأزهر محمود شلتوت کے ''فتاوی'' (قاہرہ ۱۹۵۹ء)، یوسف القرضاوی کی "هدي الإسلام: فتاوى معاصرة" (قاهرة ۱۹۸۱ء)، احمد الشرباصی کی "يسألونك" ٤ جلدیں (بیروت ۱۹۷۷ء)، عبداللہ القلقیلی مفتی اردن کے "الفتاوى الأردنية" (دمشق ۱۹۶۹ء) مشہور ہیں۔ (ع ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۳)

برصغیر ہندو پاک میں فتاویٰ کے جو مجموعے تیار ہوئے، ان میں سے اکثر حنفی علما کے تالیف کردہ ہیں۔(۱) جنوبی ہند میں کچھ شافعی علمانے بھی اس فن پر کتابیں لکھی ہیں۔(۲) گذشتہ دوصدیوں میں اہل حدیث علمانے بھی فتاویٰ کے مجموعے شائع کیے۔(۳) ان تمام کتابوں پر تبصرہ یہاں مقصود نہیں، کیونکہ ان میں بہت سی اب مفقود ہیں۔بعض کے قلمی نسخے مختلف لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں۔کچھ طبع بھی ہوئی ہیں، مگران کا حاصل کرنا دشوار ہے۔ان میں سے چند اہم مجموعوں کا مختصر جائزہ لینا کافی ہوگا، جس سے مختلف مکاتب فکر کی مستند کتب فتاویٰ اوران کی خصوصیات کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

اس صدی کے اوائل تک فتاویٰ کی اکثر کتابیں عربی یا فارسی زبان میں تھیں۔ادھر سو سال سے فتاویٰ عموماً اردو میں لکھے جانے لگے ہیں۔فتویٰ پوچھتے وقت سائل عام طور پر کسی مستند عالم دین یا معروف مدرسے کی طرف رجوع کرتا ہے، جہاں شعبہ افتا قائم ہوتا ہے۔وہاں فتاویٰ صادر کرتے وقت ان کے نقول محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ایک عرصے کے بعد فقہی تبویب وترتیب کے ساتھ افادۂ عام کی خاطر انھیں مجموعے کی شکل میں شائع کیا جاتا ہے۔بہت سے اداروں کے فتاویٰ اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوسکے ہیں۔مطبوعہ مجموعوں میں ''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' مشہور ہے۔

بعض علما اور ادارے والوں نے اپنے زیراہتمام شائع ہونے والے دینی پرچوں میں ''باب الفتاویٰ'' کے تحت بہت سے فتاویٰ شائع کیے۔ان میں سے کچھ کتابی شکل میں بھی چھپ چکے ہیں۔کچھ فتوے اپنی علمی اہمیت اور مسئلے کی دینی نزاکت کے پیش نظر الگ سے پمفلٹ اور کتابچے کی شکل میں بھی شائع ہوئے، جیسے علامہ عظیم آبادی کا فتویٰ بابت مصافحہ ومعانقہ بعد العیدین اور فتویٰ ردتعزیہ داری وغیرہ۔اس طرح کے سیکڑوں کتابچے اس صدی میں طبع ہوچکے ہیں۔

برصغیر میں فتاویٰ پر گذشتہ صدی تک کی عربی تالیفات میں سے صرف "الفتاوى الغياثية"، "الفتاوى الحمادية" اور "فتاوى عالمگيرى" (یا "الفتاوى الهندية") اب تک زیور طبع سے آراستہ ہوسکی ہیں۔

جب ہم علمائے اہل حدیث کے فتاویٰ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان کے یہاں فتاویٰ نویسی کا ایک دوسرا انداز نظر آتا ہے۔وہ کسی ایک امام کی تقلید کے بجائے تمام ائمہ کے اقوال سے استفادہ کرتے ہیں۔مسائل کی تحقیق کے وقت پہلے براہ راست کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے ہیں، پھر سلف صالحین (صحابہ، تابعین اور تبع تابعین) کی آرا سامنے رکھتے ہیں اور دلائل کے مطابق جو قول راجح ہوتا ہے، اس کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔وہ اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے۔ان کے یہاں احادیث وآثار سے استدلال کرتے وقت اس بات کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے کہ پہلے ان کی چھان پھٹک

(۲) دیکھئے: "الثقافة الإسلامية في الهند" (ص: ۱۰۸—۱۱۱) (ع،ش)

(۳) ان کا ذکر محمد یوسف کوکن عمری نے اپنی کتاب Arabic and Persian in Caranatica کے مختلف صفحات میں کیا ہے۔(ع،ش)

(۴) دیکھئے: ''ہندوستان میں اہلحدیث کی علمی خدمات'' (ابویحییٰ امام خاں نوشہروی)، اور مقدمہ ''فتاویٰ علمائے حدیث'' جلد اول (ابوالحسنات علی محمد سعیدی) (ع،ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر لی جائے اور صرف صحیح احادیث پر اعتماد کیا جائے۔ حدیث کے علاوہ فقہ حنفی کی کتابوں پر بھی ان کی بڑی گہری نظر ہے۔ حنفی مسلک کے علاوہ دوسرے مسلک کی فقہی کتابوں سے جابجا اقتباسات دیے جاتے ہیں، جن سے ان کی وسعت اطلاع کا علم ہوتا ہے۔ انھوں نے شروع سے مخصوص فقہی مسلک کے بجائے ''فقہ حدیث'' کی دعوت دی ہے اور تمام ائمہ مجتہدین کے احترام اور ان سب سے استفادہ کرنے پر زور دیا ہے۔ فقہ حنفی پر اکتفا کرنے کے بجائے انھوں نے مختلف فقہی مذاہب کے تقابلی مطالعے کی سفارش کی ہے۔ یہ رجحان ان کے فتاوی اور دوسری تمام فقہی تالیفات میں نظر آتا ہے۔

یہاں ان کی تمام کتب فتاوی کا جائزہ لینا ممکن نہیں۔ ان میں سے چند نمائندہ کتابوں کا تذکرہ اور ان پر مختصر تبصرہ کیا جاتا ہے، تاکہ قارئین کو اس مکتب فکر کی مشہور اور معتمد کتابوں کا علم ہو سکے۔

تاریخی طور پر سب سے پہلے ہم نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جو اس صدی کے ہندوستانی علما میں سرفہرست ہیں۔ ان کی تین کتابیں "هداية السائل إلى أدلة المسائل" (۵۶۰ صفحات)، "بدور الأهلة من ربط المسائل بالأدلة" (۵۲۸ صفحات) اور "دليل الطالب على أرجح المطالب" (۱۰۱۲ صفحات) فقہ حدیث میں بے نظیر ہیں۔ ان کتابوں میں نواب صاحب نے تمام مسائل مع دلائل درج کیے ہیں اور اختلاف اقوال کی صورت میں راجح قول کی تعیین کی ہے۔ چونکہ ان کتابوں میں سے بعض فارسی میں ہیں اور ایک صدی قبل بھوپال میں چھپی تھیں اور اب نادر و نایاب ہیں، اس لیے ان سے کما حقہ استفادہ نہیں کیا جاتا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتابیں اس موضوع پر بعد کی عربی اور اردو تالیفات سے بدرجہا بہتر ہیں۔ ضرورت ہے کہ انھیں از سر نو ایڈیٹ کر کے عربی اور اردو میں شائع کیا جائے۔

سید نذیر حسین دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) کے فتاوی کثیر تعداد میں تھے۔ ان کا ایک نہایت ہی مختصر مجموعہ دو ضخیم جلدوں میں علامہ شمس الحق عظیم آبادی وغیرہ کی کوششوں سے دہلی میں ''فتاوی نذیریہ'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر دوسری بار ۱۹۷۱ء میں لاہور میں بھی تین جلدوں میں چھپا ہے۔ اہل حدیث حضرات عام طور پر فتوی نویسی کے وقت میاں صاحب کی رائے معلوم کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس میں تقریباً اکثر فقہی مسائل مل جاتے ہیں۔ ان پر بحث بھی نسبتاً تفصیلی ہوتی ہے۔ میاں صاحب کی عادت تھی کہ اکثر وہ اپنے تلامذہ سے جواب لکھوایا کرتے تھے اور وہ بڑی تحقیق اور تلاش و جستجو کے بعد حدیث و فقہ کی کتابوں سے جواب کے لیے مطلوبہ مواد فراہم کیا کرتے تھے، جو نادر نقول اور اقتباسات پر مشتمل ہوتا تھا۔ پھر خود ہی جواب لکھ کر میاں صاحب کو دکھلایا کرتے۔ وہ اس پر تائیدی و توضیحی نوٹ لکھ دیا کرتے۔ اس کے بعد وہ سائل کے نام روانہ کر دیا جاتا۔ ''فتاوی نذیریہ'' کے بہت سے فتاوی اس طرح فی الواقع میاں صاحب کے لکھے ہوئے نہیں۔ ہر فتوے کے اخیر میں لکھنے والے کا نام مذکور ہے۔ اگر کوئی چاہے تو پوری کتاب میں سے ایک شخص کے تمام فتاوی اکٹھا کر سکتا ہے اور ان سے اس کے فقہی آرا کا جائزہ لینے میں مدد لے سکتا ہے۔ (۱) اس اعتبار سے یہ کتاب نہ صرف مفتیوں کے

(۱) کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اشاریہ بھی شامل ہے، جس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ (ع ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے بلکہ سوانح نگاروں اور مورخوں کے لیے بھی اہم ہے۔

اس کی اہمیت کی ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے میاں صاحب کے زمانے کے علمی، فکری اور مذہبی حالات کی صحیح عکاسی ہوتی ہے۔ غلام احمد قادیانی کی تکفیر سے متعلق سب سے پہلے میاں صاحب ہی نے فتوی دیا تھا۔ سرسید احمد خاں کے بعض افکار وخیالات پر تنقید، احناف اور اہل حدیث کے درمیان بحث ومباحثہ اور مختلف مذہبی فرقوں اور شخصیات پر تبصرہ بھی اس میں موجود ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ میاں صاحب کو اپنے زمانے میں کتنی مرجعیت اور شہرت حاصل تھی۔ ہر مکتب فکر کے لوگ ان کی طرف رجوع کرتے۔ علما بھی اپنے علمی سوالات ان کے سامنے پیش کرتے اور وہ ہر ایک کو صاف اور واضح اسلوب میں مدلل جواب دے کر مطمئن فرماتے۔ ان کے زمانے میں فرقہ بندی اور مذہبی تعصب کی وہ صورت نہ تھی، جو افسوس کہ آج تمام مکاتب فکر کے یہاں پائی جاتی ہے اور علمی افادے واستفادے کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

میاں صاحب کے معاصرین میں شیخ حسین بن محسن انصاری (م۱۳۲۷ھ) کے ذریعہ علم حدیث کو بڑا فروغ ہوا۔ نواب صدیق حسن خاں کے دور میں انھوں نے یمن سے ہجرت کر کے بھوپال میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں اپنا مسند درس بچھا رکھا تھا، جہاں سیکڑوں علما وطلبہ ان سے مستفید ہوئے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں بہت سے فتاوے اور فقہی رسائل بھی لکھے، جن کا مجموعہ ان کی وفات کے بعد "نور العين من فتاوى الشيخ حسين" کے نام سے ان کے لڑکے شیخ محمد نے دو جلدوں میں تیار کیا تھا، افسوس کہ اس کی صرف پہلی جلد لکھنؤ سے ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوئی، دوسری کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ ان فتاوی کے اندر شیخ حسین نے ہر مسئلے پر تفصیلی بحث کی ہے اور پوری تحقیق کے بعد دلائل کی روشنی میں راجح مسلک کی تعیین کی ہے۔ ان میں سے بعض سوالات ان کے شاگرد علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے کیے تھے، جن کے جواب الگ سے چھوٹے چھوٹے رسالوں کی شکل میں بھی چھپ چکے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ عظیم آبادی ان سے بہت متاثر تھے۔ فتوی نویسی کا جو طرز انھوں نے اختیار کیا تھا، وہ غالبًا اپنے استاد ہی سے سیکھا تھا۔ شیخ حسین چونکہ بڑے محدث ہیں، اس لیے کسی موضوع پر بحث کرتے وقت احادیث کی تحقیق وتنقید بسط وتفصیل سے کرتے ہیں اور تمام مآخذ کی طرف رجوع کر لینے کے بعد ہی کسی مسئلے پر آخری رائے دیتے ہیں۔

میاں نذیر حسین اور شیخ حسین بن محسن کے تلامذہ میں بہت سے علما فتوی نویسی کے میدان میں مشہور ہوئے۔ علامہ شمس الحق عظیم آبادی (م۱۳۲۹ھ) کا ذکر آگے آرہا ہے۔ ان کے علاوہ مولانا محمد سعید بنارسی (م۱۳۲۲ھ) کے فتاوی کا ایک مختصر مجموعہ (۲۴صفحات) ''فتاوی سعیدیہ'' کے نام سے چھپا ہے، جو متعدد اختلافی مسائل کے جوابات پر مشتمل ہے۔ ان کے ذاتی مطبع سعید المطابع، بنارس سے ''مسائل با دلائل'' (۱۶صفحات) نام کی ایک کتاب بھی چھپی ہے، جس پر مولف کا نام درج نہیں۔ اغلب یہ ہے کہ اس کے مولف بھی مولانا محمد سعید ہی ہیں۔ مولانا کی پوری زندگی مختلف فیہ فقہی مسائل کی تحقیق اور مسلک اہل حدیث کی تائید میں گزری۔ ان پر مناظرانہ رنگ غالب تھا، جس کے اثرات ان کے مجموعہ فتاوی میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دوسرے عالم مولانا عبدالجبار غزنوی (م ۱۳۴۴ھ) "بستان المحققین لبشارة السائلین" (معروف بہ مجموعۃ الفتاوی، ملقب بہ العروۃ الوثقی) بھی فتاوے کے مشہور مجموعوں میں سے ہے۔ یہ ''فتاوی غزنویہ'' کے نام سے معروف ہے۔ اس کی پہلی جلد (۲۵۶ صفحات) امرتسر سے شائع ہوئی تھی۔ غالباً دوسری جلد بھی اس کے بعد چھپی، جیسا کہ پہلی جلد کے اخیر میں اعلان سے اندازہ ہوتا ہے۔ اس مجموعے میں عربی، فارسی اور اردو تینوں ہی زبانوں میں فتاوی ہیں۔ عقائد سے متعلق سوالات کے جوابات خالص سلفی نقطۂ نظر سے اور بڑی تفصیل کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔ صفات الٰہی کے باب میں خاص طور پر غزنوی علما نے مسلک سلف کو بڑے مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔ فروعی مسائل میں بھی وہ ہمیشہ عمل بالکتاب والسنۃ کے داعی رہے۔ زہد وتصوف کے میدان میں بھی متاخرین صوفیا کے مبتدعانہ افکار وخیالات کے اثر سے محفوظ تھے۔ ان تمام خصوصیات کا اندازہ فتاوی کے اس مجموعے سے بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا عبداللہ غازی پوری (م ۱۳۳۷ھ) کے فتاوی کا مجموعہ اب تک طبع نہیں ہوا ہے۔ اس کے دو قلمی نسخے بنارس اور مبارک پور میں میری نظر سے گزرے ہیں۔ دوسرے نسخے میں فتاوی کی ترتیب وتبویب کا کام مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) نے کیا ہے۔ پہلا نسخہ مسودے کی شکل میں اور غیر مرتب ہے۔ اس مجموعے میں غالباً ان کے وہ فتاوی بھی شامل ہوں گے، جو الگ سے چھوٹے چھوٹے رسالوں کی صورت میں طبع ہوئے ہیں، مثلاً ''زکوۃ کا فتوی'' (۱۲ صفحات)، ''علم غیب کا فتوی'' (۲۰ صفحات) بحیرہ اور سائبہ کی تحقیق سے متعلق فتوی بہ عنوان "الحجة الساطعة في بيان البحيرة والسائبة" (۲۱ صفحات)۔ ان فتاوی میں مولانا نے مسائل کی تحقیق جس انداز میں کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تفسیر، حدیث اور فقہ پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ ضرورت ہے کہ ان کے فتاوی کا مجموعہ ایڈٹ کرکے شائع کیا جائے۔

"إرشاد السائلين إلى المسائل الثلاثين" میں مولانا عبدالجبار عمرپوری (م ۱۳۴۴ھ) نے تیس اہم سوالات کے جواب لکھے ہیں۔ یہ کتاب کلکتہ سے ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی ہے اور افسوس کہ اس وقت میرے پیش نظر نہیں۔ اس لیے اس کے مشمولات سے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔

ان مجموعوں کے مقابلے میں مولانا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۷ھ) کے فتاوی کا مجموعہ ''فتاوی ثنائیہ'' نسبتاً زیادہ مشہور اور متداول ہے۔ یہ دراصل اخبار ''اہل حدیث'' (امرتسر) میں ''باب الفتاوی'' کے تحت شائع ہونے والے سوالات اور ان کے مختصر جوابات پر مشتمل ہے، جن کی ترتیب وتدوین کا کام مولانا محمد داود راز دہلوی نے کیا ہے اور ان ہی کے زیر اہتمام دہلی سے دو جلدوں میں اس کی اشاعت ہوئی۔ دوسری بار لاہور میں بھی ۱۹۷۲ء میں چھپا ہے۔ اس میں ہر طرح کے سوالات اور ان کے جواب مذکور ہیں۔ پرچے میں اشاعت کے پیش نظر جواب عموماً مختصر الفاظ میں ہیں۔ مسائل پر تفصیلی بحث کم ہی نظر آتی ہے۔ کتاب پر نظر ثانی مولانا شرف الدین دہلوی نے کی ہے۔ جگہ جگہ انھوں نے حواشی اور تعلیقات لکھے ہیں، جن میں مسائل کی توضیح اور دلائل کا ذکر ہے۔ کہیں کہیں اختلافی نوٹ بھی درج کیے ہیں۔ اس مجموعے میں مولانا امرتسری اور دوسرے لوگوں کی ایسی بہت سی تحریریں بھی شامل ہیں، جن کا فتاوی سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ''اہل حدیث'' کی تمام جلدیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۹۰۳-۱۹۴۷ء) بھی مرتب کے پیش نظر نہ تھیں۔ضرورت ہے کہ ازسرنو ان کے تمام فتاوی جمع کیے جائیں۔(۱)

مولانا امرتسری کے مدمقابل مولانا عبداللہ روپڑی (م ۱۳۸۴ھ) نے بھی اپنے پرچے ''تنظیم اہل حدیث'' میں فتاوی کا ایک باب رکھا تھا۔اس میں ان کے سیکڑوں فتاوی شائع ہوئے، جو بعد میں کتابی شکل میں ''فتاوی اہل حدیث'' کے نام سے کئی جلدوں میں مرتب کیے گئے، جن میں سے بعض چھپ چکی ہیں۔مولانا روپڑی، غزنوی علما کے تربیت یافتہ تھے۔اس لیے عقائد کے باب میں مسلک سلف کے وہ بھی زبردست حامی اور صفات باری میں تاویل کے سخت خلاف تھے۔فروعی مسائل میں بھی ان کے یہاں بڑا تشدد تھا۔کے فتاوی میں ان امور کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

متاخرین میں گوجرانوالہ کے مولانا محمد اسماعیل سلفی (م ۱۳۸۷ھ) نے بھی بہت سے فتاوی لکھے، جو ''الاعتصام'' (لاہور) اور دوسرے پرچوں میں شائع ہوئے۔ان کا ایک مختصر مجموعہ ''فتاوی سلفیہ'' کے نام سے لاہور میں چھپا ہے۔مولانا کی تحریریں بڑی مدلل اور فکر انگیز ہوتی ہیں۔فتاوی میں بعض عصری مسائل سے متعلق انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے ان کی دقت نظر کا پتا چلتا ہے۔

ان کے علاوہ بہت سے علما ہیں، جن کے فتاوی کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئے۔ضرورت ہے کہ انھیں مختلف پرچوں، کتابچوں اور مجموعوں سے اکٹھا کیا جائے اور مناسب ترتیب وتبویب کے بعد طبع کرایا جائے۔خصوصا مولانا عبیداللہ رحمانی کی مختلف تحریریں جو پوتے کی وراثت، بیمہ، بنک کے سود اور دوسرے بہت سے اہم موضوعات سے متعلق ہیں۔ان مسائل پر انھوں نے بڑی تحقیقی بحث کی ہے، جس کے بعد کسی دوسرے شخص کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔سنا ہے کہ کوئی صاحب ان کے فتاوی "الفتاوى الرحمانية" کے نام سے جمع کر رہے ہیں۔خدا کرے جلد اس کی ترتیب واشاعت عمل میں آئے۔

ادھر چند سال قبل مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی نے ''فتاوی علمائے حدیث'' کے نام سے تمام مشہور علمائے اہل حدیث کے فتاوی کی ازسرنو ترتیب وتبویب کا کام شروع کیا تھا، جس کی گیارہ (۱۱) جلدیں اب تک چھپ چکی ہیں۔افسوس کہ ان کی وفات کی وجہ سے یہ سلسلہ ناقص رہ گیا۔خدا کرے کہ کوئی باذوق اور محنتی شخص اس سلسلے کو مکمل کردے۔بلاشبہ یہ مجموعہ افادیت کے لحاظ سے سابقہ تمام مجموعوں سے افضل ہے۔اس کی خوبی یہ ہے کہ ایک ہی مسئلے میں مختلف علمائے اہل حدیث کے فتاوی (مع حوالہ) یکجا مل جاتے ہیں۔اگر کہیں ان کے درمیان اختلاف ہے تو اس کا بھی علم ہوتا ہے، اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فتوی دینے میں علمائے اہل حدیث نے کبھی کسی دوسرے شخص کی تقلید نہیں کی، بلکہ ہر ایک نے دلائل کی روشنی میں جس قول کو راجح سمجھا، اس کے مطابق فتوی دیا۔اس سلسلے میں انھوں نے اپنے اساتذہ اور مشائخ کی بھی پروانہیں کی۔یہ حریت فکر اور آزادی رائے صرف اہل حدیث علما کے یہاں نظر آتی ہے۔آج بھی ان کے یہاں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

(۱) ہمارے فاضل دوست بدرالزماں نیپالی نے ایک مقالے میں ''فتاوی ثنائیہ'' پر تنقیدی تبصرہ کیا ہے، جو محمد داود راز دہلوی کی مرتب کردہ کتاب ''حیات ثنائی'' میں شامل ہے۔(ع ش)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستفتی کے آداب

تحریر: ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس
پروفیسر ام القری یونیورسٹی، مکہ مکرمہ

زیر نظر مضمون ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس حفظہ اللہ کی تصنیف ''اتباع سنت اور صحابہ وائمہ کے اصول فقہ'' سے ماخوذ ہے۔ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ڈاکٹر صاحب کی اجازت سے ان کی کتاب کی یہ فصل شائع کی جارہی ہے۔

تمہید

فتوی کی تعریف یہ ہے کہ سائل کے لیے دلیل شرعی کی روشنی میں حکم شرعی کی توضیح کرنا۔(۱)

فتوی طلب کرنا ہر اس شخص پر واجب ہے جسے کسی مسئلے کی ضرورت پڑے اور وہ خود مسئلے کا عالم نہ ہو۔ کیونکہ فرمان الٰہی ہے:

﴿فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ (۲)

''کتاب وسنت کے علم والوں سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے''۔

اور نبی کریم ﷺ کے قول کے مطابق بھی نہ جاننے والے پر سوال اور طلب علم واجب ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم سفر میں تھے ہم میں سے ایک شخص کے سر پر زخم ہوگیا۔ انہیں احتلام ہوا تو ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا میں تیمّم کرسکتا ہوں؟ لوگوں نے کہا کہ:

"ما نجد لك رخصة وأنت تقدر على الماء".

''پانی کے ہوتے ہوئے تمھارے لیے تیمّم کی رخصت نہیں''۔

انھوں نے غسل کرلیا، اور ان کو موت آگئی۔ جب واپس آکر ہم نے نبی کریم ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا: ان لوگوں نے اسے قتل کردیا اللہ ان کو قتل کرے۔

"ألا سألوا إذ لم يعلموا، فإنما شفاء العي السؤال".

''نہیں جانتے تھے تو کیوں پوچھا نہیں؟ نادانی کے مرض کی شفا سوال اور پوچھنے میں ہے''۔(۳)

فتوی دینا فرض کفایہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں جو امت کے مسائل میں فتوی دے

(۱) شرح منتهى الارادات: ۳/۴۵۶۔ (۲) الأنبياء: ۷۔

(۳) سنن أبوداود، رقم: ۳۳۶، سنن ابن ماجہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت آئی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکیں۔اللہ رب العزت کا حکم ہے:

﴿وما كان المؤمنون لينفروا كافة، فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون﴾ (۱)

''اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تا کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تا کہ یہ لوگ واپس جا کر اپنی قوم کو ڈرائیں تا کہ وہ ڈر جائیں''۔

اور فرمایا:

﴿وإذ أخذ الله ميثاق الذين أوتوا الكتاب لتبيننه للناس ولا تكتمونه فنبذوه وراء ظهورهم واشتروا به ثمنا قليلا فبئس ما يشترون﴾ (۲)

''اور اللہ تعالی نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں تو پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا، اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے''۔

فتوی کا معاملہ بڑا خطرناک ہے۔اگر مفتی اس کا حق نہ ادا کرے تو ہلاکت کا پیش خیمہ بنے گا۔

محمد بن المنکدر کا کہنا ہے کہ عالم کا مقام اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان ہے تو جان لے کہ کیسے ان میں داخل ہو۔(۳)

اللہ رب العزت فرماتا ہے:

﴿ولا تقولوا لما تصف ألسنتكم الكذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا على الله الكذب، إن الذين يفترون على الله الكذب لا يفلحون﴾ (۴)

''اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال وحرام نہ کہو، نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اللہ پر افتراء کرو گے۔ بیشک جو لوگ اللہ پر افتراء کرتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے''۔

ابن الصلاح کہتے ہیں کہ اس آیت کے معنی میں وہ شخص بھی شامل ہے جو صحیح فتوی سے ہٹ کر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کہتا ہے۔(۵)

طالب فتوی کا فرض:

ہر مسلمان پر دین اور دین کے تمام معاملات میں حق کا تلاش کرنا ضروری ہے۔دنیاوی معاملات میں اگر کسی چیز کے

(۱) التوبۃ:۱۲۲۔ (۲) آل عمران:۱۸۷۔
(۳) سنن الدارمی:۵۲/۱، کتاب الفتوی لابن الصلاح،ص:۶۵۔
(۴) النحل:۱۱۶۔ (۵) کتاب الفتوی لابن الصلاح،ص:۸۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے میں معلوم ہو کہ یہ لغو اور باطل ہے تو ایک مسلمان کو لغو اور باطل سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالی نے مومنوں کی صفات میں ایک صفت یہ بھی ذکر کی ہے:

﴿والذين هم عن اللغو معرضون﴾ (۱)

''جو لغویات سے دور رہتے ہیں''۔

بنا بریں ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جب دین کا کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو تو جہاں وہ رہتا ہے اس جگہ کے مفتی سے مسئلہ پوچھے اور پہلے معلومات کرلے کہ کون اس جگہ پر سب سے بڑا عالم ہے۔ یہ بھی واجب ہے کہ جہاں مختلف افکار اور طریقۂ کار کے لوگ ہوں، جیسے کہ اس زمانے میں بہت سے مکاتب فکر ہیں، کئی جماعتیں ہر ملک میں پھیلی ہوئی ہیں تو ایسی حالت میں ایسے عالم کو تلاش کرے، جس کے بارے میں لوگ گواہی دیتے ہوں کہ یہ مفتی کتاب وسنت اور آثار کا علم رکھتا ہے اور انہی کی روشنی میں فتوی دیتا ہے۔ اور دین میں کسی خاص شخص کی تقلید نہیں کرتا ہے۔

جس طرح عہد صحابہ وتابعین میں جب اختلاف نے سر اٹھایا اور امت کے درمیان غلط افکار کا انتشار ہونے لگا تو لوگ شیعہ، خوارج اور نواصب سے فتوی پوچھتے نہ انھیں اس لائق سمجھتے، بلکہ ان کے ذکر کے موقع پر ان کی بدعت کی نشاندہی کرتے، لوگوں کو ان کے افکار سے ڈراتے اور دور رہنے کی تلقین کرتے۔ قیام اللیل میں نبی ﷺ کی یہ دعا تھی:

"اللهم رب جبريل وميكائيل وإسرافيل، فاطر السماوات والأرض، عالم الغيب والشهادة، أنت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون، اهدني لما اختلف فيه من الحق بإذنك، إنك تهدي من تشاء إلى صراط مستقيم" (۲)

''اے جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے رب، آسمانوں وزمینوں کو پیدا کرنے والے، کھلی اور چھپی چیز کو جاننے والے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان کے اختلاف میں فیصلہ کرنے والا ہے، جس چیز میں اختلاف ہو تو مجھے اپنے حکم سے حق کی ہدایت دے۔ تو ہی جس کو چاہے سیدھی راہ کی ہدایت دیکھاتا ہے''۔

اس لیے متبع رسول ﷺ کے اوپر واجب ہے کہ حق ہی کی تلاش کرے۔ مسائل شرعیہ میں حق مسئلہ وہی ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے ثابت ہو۔ لوگوں کی آراء اور بے بنیاد قیاسات میں حق نہ ملے گا۔ اس لیے مستفتی (طالب فتوی) پر واجب ہے کہ:

(۱) ان علماء سے فتوی پوچھے جو لوگوں میں صحیح علم یعنی کتاب وسنت کے علم کے عالم مشہور ہوں، کیونکہ کتاب وسنت ہی میں ہدایت ہے۔ اور اسی کو نبی کریم ﷺ امت کے لیے چھوڑ کر گئے ہیں۔

---

(۱) المؤمنون: ۳۔

(۲) صحیح مسلم، رقم: ۱۸۴۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"تركت فيكم شيئين لن تضلوا بعدهما: كتاب الله وسنتي". (۱)

''میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے''۔

(۲) یہ بھی واجب ہے کہ مستفتی کسی خاص مذہب پر فتوی ہرگز نہ پوچھے، کیونکہ اللہ تعالی نے کسی کو کسی کے مذہب کا پابند نہیں بنایا بلکہ تقلید سے منع فرمایا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''ایک مسلمان کے سامنے جب کوئی مسئلہ آجائے تو اسی شخص سے فتوی دریافت کرے جس کے بارے میں لوگوں کا اعتقاد ہے کہ وہ اللہ اور رسول کی شریعت ہی سے فتوی دیتا ہے۔ خواہ وہ مفتی کسی بھی مذہب کی طرف اپنا انتساب کرتا ہو۔ کسی مسلمان پر علماء میں سے کسی ایک کے ہر قول کی تقلید واجب نہیں، اور نہ ہی کسی پر رسول ﷺ کے مذہب کے علاوہ کسی شخص کے مذہب کا التزام واجب ہے۔ صرف نبی کریم ﷺ ہی جو واجب کریں اور جس کی خبر دیں ان سب کا التزام ہر مسلمان پر ضروری ہے''۔(۲)

مزید کہا ہے کہ مستفتی کا مفتی کی تقلید کے متعلق حق یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک کسی کے اوپر ذات رسول ﷺ کے علاوہ کسی معین شخص کے حلال وحرام سے متعلق ہر قول کا التزام نہ واجب ہے اور نہ ہی مشروع۔ کچھ علماء کا کہنا ہے کہ جن علماء کے درمیان ہو ان میں سے اعلم اور اورع کی تقلید کرے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ اسے اختیار ہے جس کسی مفتی سے فتوی لے۔ اگر مستفتی (طالب فتوی) کو اقوال کے سمجھنے اور ان میں ترجیح دینے کی استطاعت ہے تو وہ مطلق اختیار سے افضل ہے کہ ترجیح دے کر مسئلہ لے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب تک وہ اہل اجتہاد میں سے نہ ہو اسے اقوال میں اجتہاد کا حق نہیں اور یہی صحت کے قریب ہے۔ مستفتی کو اگر خود اس کے اپنے جدو جہد سے راجح دلیل معلوم ہو جائے یا اس وجہ سے کہ فلاں مفتی اعلم اور اورع ہے اس کے قول کو راجح سمجھے تو اسے اختیار اور ترجیح کا حق ہے اگر چہ اس کا قول اس کے مذہب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو''۔(۳)

اصبہانی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں کہتے ہیں:

''کتاب وسنت کے معانی کو نہ جاننے والے کا یہ کام ہے کہ جب اس کو کوئی مسئلہ آپہنچے تو عالم بالکتاب والسنۃ کو ڈھونڈھ کر اس سے اللہ اور رسول کا حکم پوچھے۔ جب اس قسم کا عالم اللہ اور رسول ﷺ کا حکم بتائے تو اتباع کتاب وسنت کی نیت سے عالم کی تصدیق کرتے ہوئے اس پر عمل کرے۔ اس طرح عمل کرنے سے وہ مقلد نہ ہوگا اگر چہ دلیل کو نہ بھی سمجھتا ہو کیونکہ اسے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس عالم کا فتوی کتاب وسنت کے مطابق نہیں تو اسے چھوڑ کر بغیر تعصب کے کتاب وسنت

(۱) صحیح الجامع الصغیر، رقم:۲۹۳۴۔ (۲) مجموع فتاوی ابن تیمیہ:۲۰/۲۰۹۔

(۳) مجموع فتاوی ابن تیمیہ:۳۳/۱۶۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف لوٹ جائے گا۔

برخلاف مقلد کے کہ وہ اللہ ورسول کا حکم نہیں پوچھتا ہے بلکہ وہ تو اپنے امام کا مذہب پوچھتا ہے۔ مقلد کے سامنے اگر یہ واضح بھی ہوجائے کہ اس کے امام کا مذہب کتاب اللہ اور سنت رسول کے خلاف ہے تو وہ کتاب اللہ وسنت کی طرف رجوع نہ کرے گا۔ لیکن متبع کسی اور کی رائے اور مذہب نہیں طلب کرتا ہے بلکہ اللہ اور رسول کا حکم ڈھونڈتا ہے۔

پھر جب اسے کوئی دوسرا مسئلہ درپیش ہوا تو اس پر لازم نہیں کہ پہلے ہی عالم سے دریافت کرے بلکہ جس کسی عالم کو پائے اس سے سوال کرے، پہلے عالم کی رائے کا التزام نہ کرے کہ دوسرے کی رائے کو نہ سنے۔ حتی کہ اسے یہ بھی معلوم ہوجائے کہ پہلے عالم کا فتوی کتاب وسنت کے خلاف ہے۔ پھر بھی اس پر تعصب کرکے صحیح فتوی کی طرف توجہ ہی نہ دے۔ متاخرین کی تقلید اور سلف صالحین کے طریقے پر اتباع کے درمیان یہی فرق ہے۔(۱)

عام آدمی پر فتوی کے لیے کتاب وسنت کے عالم کو ڈھونڈنا اسی طرح واجب ہے جس طرح روزی کی تلاش میں حلال کا طلب کرنا واجب ہے۔ جبکہ یہ جانتا ہے کہ روزی کے بعض طریقے حرام بھی ہیں تو پھر حلال ہی طریقہ کی تلاش واجب ہے۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”اگر کوئی آدمی یہ سوال کرے کہ عام آدمی کو کوئی ناگہانی مسئلہ درپیش ہو تو کیا کرے؟ تو اللہ کی توفیق سے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے واضح کردیا ہے کہ اللہ تعالی نے ہر قسم کی تقلید کو حرام کیا ہے اس میں نہ کسی عالم کی تخصیص ہے نہ عام آدمی کی۔ اللہ کا خطاب ہر ایک کے لیے ہے۔ اس لیے تقلید اس غلام پر جو کسی ملک سے لایا گیا ہو، عام آدمی پر، پردہ میں رہنے والی دوشیزہ پر، پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والے چرواہے پر حرام ہے جس طرح ایک متبحر عالم پر حرام ہے ان میں کوئی فرق نہیں۔ ہر آدمی کے اوپر اپنے تمام معاملات میں اللہ ورسول کے حکم کے طلب کے لیے اجتہاد کرنا لازم ہے اگر کسی نے بھی تقلید کی تو اللہ کی نافرمانی کرکے گنہگار رہوا لیکن لوگ نوعیت اجتہاد میں مختلف ہیں۔ کیونکہ ہر ایک پر وہی اجتہاد لازم ہے جس کی وہ استطاعت رکھتا ہے۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿لا يكلف الله نفسا إلا وسعها﴾.

”اللہ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلّف نہیں کرتا“۔

اور فرمایا: ﴿فاتقوا الله ما استطعتم﴾

”جس قدر طاقت ہو اللہ سے ڈرو“۔

مکمل تقوی یہ ہے کہ آدمی دین میں اللہ کے واجبات کو ادا کرے۔ اللہ نے ہمیں صرف اپنی طاقت بھر مکلّف کیا ہے جس کی طاقت نہیں وہ ہم سے معاف ہے، یہ نص واضح ہے کہ ہر کسی کے اوپر دینی مسائل میں اس کی طاقت بھر اجتہاد لازم ہے۔

(۱) نقلا عن ایقاظ ھمم أولی الأبصار، ص:۴۰-۴۱۔

(۲) الاحکام فی أصول الأحکام، ص:۸۶۲، کتاب الفتوی لابن الصلاح، ص:۲۸۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عام آدمی کا اجتہاد یہ ہے کہ جب عالم سے مسئلہ دریافت کرے اور وہ فتوی دے تو یہ کہہ کر تاکید کر لے کہ کیا اسی طرح اللہ اور رسول ﷺ کا حکم ہے؟ اگر مفتی نے کہا کہ ''ہاں'' تو اس فتوی پر عمل کرے۔ اس سے زیادہ حث وطلب عام آدمی پر واجب نہیں ہے۔ اگر مفتی کہے کہ ''نہیں'' اللہ ورسول ﷺ کا یہ حکم نہیں ہے یا کہے کہ یہ میری رائے ہے، یا یہ مالک یا قاسم یا ابوحنیفہ یا ابویوسف یا شافعی یا احمد یا داؤد ظاہری کا قول ہے، یا یہ کہے کہ صحابی یا تابعی وغیرہ کا قول ہے، یا جھڑکے، یا چپ رہ جائے تو اس کے فتوی کا لینا حرام ہے۔ الا یہ کہ نبی کریم ﷺ کا حکم بتائے اس کے بعد اس پر فرض ہوتا ہے کہ دوسرے علماء سے کہیں بھی ہوں جا کر پوچھے''۔(۱)

ابن حزم کے اس قول پر تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر حالت میں مستفتی پر فرض ہے کہ وہ مفتی سے مسئلے کے حکم کے بارے میں تاکید کر لے کہ اسی طرح کا اللہ اور رسول ﷺ کا حکم ہے؟ تو اس معاملے میں یہ کہنا ہے کہ اگر مفتی کو واضح طور پر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے مسئلے کا حکم معلوم ہو تب تو وہ یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ ہاں یہی اللہ اور رسول ﷺ کا حکم ہے۔لیکن اگر مسئلہ اجتہادی اور استنباطی ہے تو مفتی کو صراحتاً کہنے کا حق نہیں کہ یہی اللہ اور رسول ﷺ کا حکم ہے کیونکہ مجتہد غلطی بھی کر سکتا ہے۔ البتہ اجتہادی مسائل میں اگر مفتی یہ کہہ دے کہ ہم نے قرآن وسنت سے استدلال کر کے ہر مسئلہ بتایا ہے تو مستفتی کو اسے قبول کر لینا واجب ہوگا۔ اگر مسئلہ عجلت طلب ہے۔ کیونکہ اس قسم کے مسائل میں مفتی کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ اللہ اور رسول کا حکم ہونے کی ذمہ داری لے۔

نبی کریم ﷺ جب کسی کو امیر جیش مقرر فرماتے تو انھیں نصیحت فرماتے کہ اگر دشمن محاصرہ کے بعد اللہ اور نبی کے ذمہ میں اترنا چاہیں تو انھیں اللہ اور رسول کا ذمہ نہ دو بلکہ اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ دو، ایسا نہ ہو کہ تم اللہ کے ذمہ کے خلاف کر جاؤ۔ اسی طرح دشمن اگر اللہ اور رسول کے حکم سے اترنا چاہے تو انھیں اللہ ورسول کے حکم کی بجائے اپنے حکم اور فیصلے پر اترنے کو کہو کیونکہ ضروری نہیں کہ تم اللہ ورسول کے حکم کو پاؤ۔ واللہ اعلم۔(۲)

اسی طرح میری نظر میں ابن حزم کے قول کی توضیح یہ ہے کہ مفتی عامی کو اپنے قول یا کسی اور کے قول کے مطابق فتوی دے، اور یہ کہہ دے کہ اس مسئلہ میں مجھے اللہ اور رسول کا واضح حکم نہیں ملا مگر یہی ائمہ کا اجتہاد ہے جو کتاب وسنت کے قریب ہے۔ کسی مذہب کی پابندی نہیں ہے۔ اگر مسئلہ زود طلب ہے تو اس کے فتوی پر عمل کر لے۔ اگر زود طلب نہیں تو انتظار کر کے دوسرے عالم کو تلاش کرے۔ ہو سکتا ہے اس کے پاس کتاب وسنت کا علم ہو۔

اس کے علاوہ ابن حزم کا قول کہ صحابی کا قول بھی قبول نہ کرے تو ان کی یہ بات اس وقت مقبول ہے جبکہ صحابی کا قول کتاب وسنت کے خلاف ہو۔ اگر ابن حزم کا مقصد یہ ہے کہ کتاب وسنت کے نص کے نہ ہونے کی صورت میں بھی صحابی کا قول نہ لے تو اس معنی میں ان کی یہ رائے قابل قبول نہیں۔ کیونکہ آپ نے پہلے دیکھ لیا کہ تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی حالت

(۱) سنن ترمذی، رقم: ۱۶۱۷۔ (۲) احکام الفصول فی أحکام الأصول، ص: ۸۶۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اگر صحابی کے قول کا کوئی مخالف صحابی نہ ہو تو ان کے قول کو لے لیا جائے گا۔ اگر آپس میں صحابہ کرام مختلف ہیں تو مفتی کو چاہیے کہ کوئی بھی قول اختیار کر کے فتوی دے، لیکن صحابہ کے اقوال سے نہ نکلے۔ ابوالولید الباجی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''عامی کے اوپر واجب ہے کہ جس سے فتوی پوچھنا چاہتا ہے پہلے لوگوں سے خود مفتی کے بارے میں پوچھ لے، اگر لوگ بتائیں کہ ہاں وہ عالم ہے، ورع وتقوی والا ہے تو اس سے فتوی لے، جس کے علم وورع کے بارے میں علم نہ ہو اس سے فتوی پوچھنا جائز نہیں''۔(۱)

امام نووی رحمہ اللہ آداب المستفتی کے فصل میں کہتے ہیں: ''کہ مستفتی کے اوپر واجب ہے کہ جس سے فتوی پوچھنا چاہتا ہے اس کی اہلیت کے بارے میں لوگوں سے معلومات کر لے۔ اگر کسی عالم کے بارے میں فتوی کا اہل ہونے کے بارے میں اسے علم نہیں ہے تو صرف علم کی طرف انتساب یا تدریس وغیرہ کی بنا پر اس سے مسئلہ پوچھنا جائز نہیں صرف اسی سے استفسار جائز ہے جس کی اہلیت فتوی لوگوں میں مشہور ہو''۔(۲)

لیکن ان دونوں علماء کے یہاں اہلیت کے اوصاف کا ذکر نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن حزم اور ابن تیمیہ رحمہما اللہ کے یہاں وضاحت سے اس کا ذکر ہے۔ اور جہاں تقلید وتعصب کا رواج ہو اگر وہاں کوئی کسی درجے کا بھی عالم بالکتاب والسنۃ ہو تو اسی سے فتوی لینا صحیح ہے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔(۳)

شاطبی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''کہ محض عامی تو اس کے سامنے جب شرعی علماء کے مختلف اقوال کسی مسئلہ میں آئیں گے تو اسے یقیناً کسی نہ کسی ایک کی تقلید کرنی ہوگی۔ کیونکہ ایک ہی مسئلہ میں مختلف اقوال پر بیک وقت عمل ممکن نہیں اور یہ اجماع کے بھی خلاف ہے۔ تو اب دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں:

اول یہ کہ دو اقوال میں جمع کرنا ممکن ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں میں جمع ممکن نہیں۔

اگر جمع ممکن نہ ہو تو دونوں پر بیک وقت عمل کرنا محال ہے۔ اور اگر جمع ممکن ہے تو اس صورت میں کسی ایک قول پر عمل نہ ہوگا، بلکہ یہ تیسرا قول ہوگا اور اس جمع اور اس عمل کو کوئی جائز نہیں کہتا۔ نیز اس قسم کے عمل کی کوئی مثال سلف صالحین کے اعمال میں نہیں ملتی اس لیے اجماع کے خلاف بھی ہوگا۔

جب یہ بات متعین ہوگئی کہ عامی کسی ایک ہی کی تقلید کرے تو اس صورت میں یہ بات سامنے آئے گی کہ دونوں علماء یہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ دوسرے سے زیادہ حق کے قریب ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرتا۔

عام آدمی تو اجتہاد کرنے سے رہا اس لیے ضروری ہوا کہ کوئی شخص اسے بتائے کہ فلاں حق سے زیادہ قریب ہے، کیونکہ

(۱) المجموع: ۱/۵۴۔ (۲) مسائل عبداللہ بن الامام احمد بن حنبل، ص ۴۳۸۔

(۳) الاعتصام: ۱/۳۴۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عامی آدمی اجمالی طور پر اتنا جان سکتا ہے کہ ایک مفتی دوسرے سے اعلم وافقہ ہے۔ یہ چیز وہ عام علماء وطلبہ جن سے اعلمیت وافقہیت مخفی نہ رہے گی ان سے معلوم کرسکتا ہے۔ اس طریقے سے اسے اعلم واقرب الی الصواب ہونے کا ظن غالب حاصل ہوسکتا ہے۔ اس لیے اگر تقلید کرنی ہے تو اس شخص کی کرے جو کتاب وسنت سے سے فیصلہ دیتا ہے۔ یعنی کتاب وسنت کے عالم کی تقلید کرے''۔(۱)

اس بات کو اس سے واضح طور پر شاطبیؒ نے دوسری جگہ بیان کیا ہے:''کہ جب عالم کے علم کی لوگ گواہی نہ دیں تو وہ عدم علم پر یقین رکھے یا کم از کم شک میں رہے۔ اس حالت میں فتوی کا اقدام نفس پرستی سے ہوگا۔ اسے یہ چاہیے کہ اپنے بارے میں دوسروں سے پوچھے اور جب تک اسے آگے نہ بڑھائیں وہ فتوی کے لیے آگے نہ پڑھے''۔

البانی رحمہ اللہ نے اس کو ذکر کرکے یہ کہا ہے:''کہ یہ امام شاطبیؒ کی نصیحت اس عالم کے لیے ہے جو اپنے علم سے کسی کو نفع پہنچا سکے۔ اسے نصیحت کرتے ہیں کہ افادہ کے لیے اس وقت تک آگے نہ بڑھے جب تک علماء اس کے علم کی گواہی نہ دیں۔ کیونکہ خطرہ ہے کہ وہ بدعتی ہو، اگر وہ اس زمانے کے بعض لوگوں کو جو اپنے کو علم سے متعلق سمجھتے ہیں دیکھتے تو بے شک کہہ دیتے کہ یہ تمھارا گھونسلہ نہیں ہے اپنا راستہ لو''۔(۲)

(۳) اگر کوئی عام آدمی تلاش کے بعد کسی عالم سے مسئلہ دریافت کرے تو کسی کے مذہب اور اس کی رائے کا مسئلہ نہ پوچھے بلکہ صیغۂ سوال اس طرح کا ہو کہ کتاب وسنت کی روشنی میں اس مسئلہ کا کیا حکم ہے؟ کسی حالت میں اس کے لیے جائز نہیں کہ سوال میں یہ کہے کہ فلاں امام کا اس مسئلہ میں کیا مذہب ہے؟ کیونکہ حق کی طلب اور تلاش اور اس کی اتباع واجب ہے۔ اس لیے صحیح صیغہ یہی ہوگا کہ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے۔

شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:''لوگوں کا یہ کہنا کہ کم پڑھے لکھے لوگوں کے لیے نصوص شریعت کا سمجھنا ممکن نہیں اور اس کی بنا پر تقلید کو جائز کہا جاتا ہے تو حقیقت اس کے خلاف ہے کیونکہ اجتہاد اور تقلید کے درمیان ایک تیسری چیز ہے۔ وہ یہ کہ نہ جاننے والا عالم سے مسئلہ شریعت کی روشنی میں پوچھے۔ عالم کے اجتہاد اور رائے کو نہ پوچھے۔ یہی طریقہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں کم علم لوگوں کا تھا''۔(۳)

ابن دقیق العید کے قول کا خلاصہ یہ ہے:''کہ جن علماء نے عام آدمی کو اجتہاد کرنے کو کہا ہے تو اس کا اجتہاد یہ ہے کہ جب کہ اس زمانے میں فتوی کا بڑا اعتماد غیر معصوم بشر کے اختیارات پر ہو چکا ہے تو عامی مفتی سے یہ کہے کہ کیا اللہ ورسول کا یہی حکم ہے جس کا آپ نے فتوی دیا ہے؟ اگر مفتی کہے''ہاں'' تو اس کو لے لے۔ اس سے زیادہ بحث وتفتیش کا وہ مکلف نہیں ہے۔ اسی طرح مفتی کے اوپر بھی اس آیت یا حدیث اور اصول کا ذکر واجب نہیں جس سے اس نے استدلال کیا ہے۔ اور اگر مفتی یہ کہے کہ یہ میرا قول اور میری رائے ہے یا فلاں فقیہ کی رائے یا مذہب ہے یا اسے جھڑکے یا چپ رہے تو عامی کو دوسرا عالم

(۱) سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ:۲/۱۳/۷۔ (۲) ارشاد الفحول، ص:۲۶۸۔

(۳) نقلا عن ایقاظ ھمم أولی الأبصار، ص:۳۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈھونڈنا ضروری ہے جو کتاب وسنت سے فتوی دے۔ جو بھی سلف اور ائمہ اربعہ کے اقوال میں تامل کرے گا تو ہماری اس بات کی تصدیق پائے گا کہ وہ لوگوں کو تاکید کرتے تھے کہ عالم بالکتاب والسنۃ ہی سے مسئلہ پوچھا جائے''۔(۱)

عبداللہ بن امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے اپنے والد رحمہ اللہ سے پوچھا: ''کہ آدمی طلاق کے قسم وغیرہ جیسے مسئلے میں مبتلا ہو گیا ہو، اس کے شہر میں اصحاب قیاس اور اہل حدیث دونوں ہیں لیکن اہل الحدیث حدیث کو حفظ نہیں کرتے اور نہ ہی صحیح وضعیف حدیث کی پہچان رکھتے ہیں تو مسئلہ اہل رائے وقیاس سے پوچھے یا کم جاننے والے اہل حدیث سے پوچھے؟

آپ نے جواب دیا کہ اصحاب الرائے سے نہ پوچھے۔ اہل الحدیث ہی سے پوچھے۔ ضعیف حدیث ابوحنیفہ کی رائے سے بہتر ہے''۔(۲)

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ فقہاء اہل حدیث واصحاب مالک سے فتوی پوچھنے کو جائز کہتے تھے۔ اور ان کا پتہ بھی بتاتے تھے۔ اور جو حدیث سے منہ موڑتا اور حدیث پر اپنے مذہب کی بنیاد نہیں رکھتا اس سے استفتاء سے منع فرماتے۔(۳)

(۴) مستفتی کے اہم واجبات میں سے یہ بھی ہے کہ اگر پہلے مفتی کے فتوی میں غلطی نظر آئی تو صحیح قول کو لے لے اور پہلے فتوی پر عمل نہ کرے۔ کیونکہ اس کے اوپر حق کا تلاش کرنا واجب ہے۔ اور کسی معین شخص کی رائے کی پابندی ضروری نہیں۔ فرمان باری تعالی ہے:

﴿الذين يستمعون القول فيتبعون أحسنه﴾.

''جو لوگ بات کو سنتے اور اچھی سے اچھی بات کی اتباع کرتے ہیں''۔

امام شاطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''بہر حال اگر امام کے کسی مسئلے میں غلطی واضح ہو جائے تو اپنے امام کی اتباع میں تعصب نہ برتے کیونکہ تعصب کا نتیجہ شریعت کی مخالفت اور پھر خود امام کی مخالفت ہوگی''۔(۳)

ان سطور کا خلاصہ یہ ہے کہ فتوی طلب کرنے والے پر واجب ہے کہ عالم بالکتاب والسنۃ کو تلاش کر کے اسی سے فتوی لے جس طرح کوئی مریض متخصص طبیب کو ڈھونڈھ کر علاج لیتا ہے۔ مگر یہ انسان دنیاوی معاملات میں بڑا چاق وچوبند ہوتا ہے۔ اس حالت میں افضل سے افضل طبیب کو ڈھونڈ کر ہی علاج لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح اسے چاہیے کہ دینی مسائل میں بھی اہل الذکر والعلم میں سے افضل کو ڈھونڈھ کر فتوی لے۔ اور جس طرح دنیاوی معاملات میں لوگوں سے مشورے لے کر کام کرتا ہے اسی طرح لوگوں سے پوچھ کر کہ کون عالم بالکتاب والسنۃ ہے اسی سے مسئلہ پوچھے۔

علماء اور طلبۃ العلم سے یہ چیز ظاہر ہو سکتی ہے کہ فلاں کتاب وسنت کا عالم ہے اور فلاں کس مذہب کا پابند ہے۔ یہ چیز چھپی نہیں رہ سکتی، لیکن ان طلبہ اور علماء کو بھی جاننا ضروری ہے کہ یہ لوگ کس مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ کسی مذہب کا مقلد عالم اپنے مذہب کے خلاف کو غلط ہی کہے گا۔

☆☆☆

(۱) مسائل عبداللہ، ص:۴۳۸۔ (۲) أعلام الموقعين:۲/۶۰، ایقاظ همم أولى الأبصار، ص:۳۹۔

(۳) الاعتصام:۲/۳۴۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افتا اور جدید طبی مسائل

تحریر: ڈاکٹر ماجد شاہین، کفرالشیخ مصر
ترجمہ: عبدالرحیم محمد یونس بنارسی

اسلامی شریعت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں ایسے قواعد، اصول وضابطے ہیں جس کی روشنی میں اہل علم نت نئے مسائل کا کامیاب حل پیش کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں، بالخصوص جدید دور کے طبی مسائل اور ان کے فقہی احکام (جو اکثر مسلمانوں کو درپیش ہیں)، تاکہ مسلمانوں کی وہ اکثریت جو ایسے مسائل کا سامنا کر رہی ہے، اپنے عبادات ومعاملات کو واضح اور روشن شریعت کے تقاضوں کے مطابق پورا کر سکے۔

آئندہ سطور میں ہم نہایت اختصار سے چند ایسے قواعد کا ذکر کر رہے ہیں جو فتاوے کی تیاری میں مفید ومعاون ہو سکتے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ اہل علم دور حاضر کے پیش آمدہ جدید مسائل پر روشنی ڈالنے سے قبل ان پر ضرور نظر رکھیں اور فتوی صادر کرنے سے قبل ان قواعد پر پرکھیں۔

جدید طبی مسائل اور فتوی کے مراحل:

طب کے شعبہ میں پیش آمدہ مسائل سے متعلق فتوی دینا مفتی کے لیے ایک مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے، اس لیے کہ میڈیکل سائنس (علاج ومعالجہ) سے جڑے ہوئے مسائل نہایت خلط ملط اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔ اور اکثر مسائل کا نہایت باریک بینی سے جائزہ لینا پڑتا ہے کہ تاکہ مفتی کو مسئلہ کی حقیقی صورت حال سمجھ لینے کے بعد فتوی صادر کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

پیش آنے والے زیادہ تر مسائل میں علماء کے مابین عام طور سے اختلاف ہوتا ہے، خصوصا طبی مسائل میں اس کی اوسط کچھ زیادہ ہی ہے، اس اختلاف کا بنیادی سبب واقعہ کا پس منظر، مسئلہ کی نوعیت وکیفیت ہے۔ جسے مندرجہ ذیل مراحل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

پہلا مرحلہ: مسئلہ کا پس منظر اور مرکزی مضمون

دوسرا مرحلہ: مسئلہ کی کیفیت اور نوعیت

تیسرا مرحلہ: مسئلہ کا شرعی حکم اور حتمی فیصلہ

چوتھا مرحلہ: فتوی دے کر اس مسئلہ کے شرعی حکم کا بیان اور اظہار

۱۔ مسئلہ کی صحیح تصویر کشی: یعنی مسئلہ کی ایسی تصویر کشی ہو جو طب سے متعلق واقع ہونے والے مسئلہ کے عین مطابق ہو، طب سے منسلک مسائل کے متعلق صادر ہونے والے فتاوے کی صحت کا انحصار جن بنیادوں پر ہے، ان میں سے ایک اہم ترین بنیاد یہ بھی ہے، غلط صورت گری اور مبہم انداز بسا اوقات طب سے متعلق فتاوے میں علماء کے مابین سخت اختلاف کا سبب ہوتا ہے۔ اور جب کبھی مفتی نہایت باریک بینی سے وہی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے مسئلہ کے حقیقی رنگ وروپ کا صحیح

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اندازہ کر لیتا ہے تو صورت مسئولہ میں وہ حق بجانب ہوتا ہے اور اس کی رائے ٹھوس اور دوٹوک ہوتی ہے۔امام سیوطی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الرد علی من أخلد إلی الأرض'' میں رقمطراز ہیں: ''وہ مسائل جو فی نفسہ معمولی (آسان) نہیں ہیں ان کے محتویات کی جانچ پڑتال کو یقینی بنانا''۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ اپنی مایہ ناز تصنیف ''اعلام الموقعین......'' میں فرماتے ہیں: ''فہم وفراست کی دو ہی قسمیں ہیں جن سے انسان مفتی اور حکم بن کر حق فتوی اور سچا حکم دے سکتا ہے۔ایک تو نفس واقعہ کو صحیح طور پر سمجھ لینا، حقیقت تک قرائن، علامات اور نشانات سے پہنچ جانا اور پورا واقعہ ذہن نشین کر لینا۔دوسرے اس واقعہ کو حکم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے سمجھ لینا پھر ایک دوسرے سے ملا دینا۔پس جو شخص پوری کوشش سے دماغ سوزی کرے اور اپنی طاقت بھر جدوجہد کرے تو یقیناً اسے دو اجر ملتے ہیں۔ورنہ کم از کم ایک سے تو خالی نہیں۔دراصل عالم وہی ہے جو واقعہ کی اصلیت کو پالے پھر اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کو سمجھ کر اس پر جاری کرے''۔

۲-مسئلہ کی کیفیت اور نوعیت: یعنی صورت مسئلہ کو ان فقہی ابواب سے ملا دینا جس سے وہ مناسبت رکھتے ہیں۔اس مرحلہ میں مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیچیدہ فقہی مباحث کا احاطہ، ساتھ ہی ساتھ ان پر گہری نظر اور معلومات کا وسیع ذخیرہ رکھتا ہو، درحقیقت عالم دین شرعی مسائل کے فہم وادراک میں علمی منہج برقرار رکھتے ہوئے فکر کی گہرائی وگیرائی سے پوری طرح مدد لیتے ہیں تاکہ مسئلہ اپنی حقیقی شکل میں صحیح جگہ پر منطبق ہو سکے۔

جدید طبی مسائل سے متعلق فتاوے میں بدلاؤ مسائل کی کیفیت ونوعیت کے تئیں فقہا کی بدلتی ہوئی سوچ (وسمجھ) کا ثمرہ ہے۔علماء نے ایسے قوانین وضوابط وضع کر دیے ہیں جن کی روشنی میں اصحاب فتوی جدید فقہی مسائل کی کیفیت کو نہایت باریکی سے سمجھ سکتے ہیں، نیز بآسانی ان کا حکم معلوم کر سکتے ہیں۔

۳-مسئلہ کا شرعی حکم:

حکم کی تعریف: اللہ کا ایسا خطاب جو محض مکلف بندوں کے افعال سے متعلق ہو (یہ احکام اقتضائی، اختیاری یا وضعی ہوں)

تاہم (شرعی حکم کا) یہ مرحلہ مسئلہ کی کیفیت جان لینے کے بعد آتا ہے، اور پھر علماء اور مفتی حضرات کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ کا شرعی حکم بیان کریں اور اباحت، حرمت، کراہت، وجوب اور مندوب میں سے اس کا تعلق کس سے ہے یہ واضح کریں۔

۴-فتوی کا مرحلہ:

واقعہ کے مطابق تحقیق ودراسہ کے بعد جو نتیجہ سامنے آئے اس کی روشنی میں حکم (فیصلہ) صادر کرنا۔

یہ مرحلہ پچھلے مراحل میں کی گئی کدوکاوش کا حاصل اور ثمرہ ہے، پچھلے مراحل میں جس قدر تحقیق اور توضیح ہوگی اس مرحلہ میں مفتی کے فتوی میں اتنی ہی زیادہ درستگی ہوگی (اس آخری منزل میں فتوی کی صحت کا انحصار پچھلے مراحل کی تحقیق وجستجو پر ہے) سابقہ مراحل کی کوتاہی اور خلل سے فتوی کی صحت کا متاثر ہونا یقینی ہے۔

جدید طبی مسائل سے منسلک فتووں کا منہج:

دور حاضر میں طبی مسائل کا حل پیش کرنے والے اصحاب فتوی تین مناہج میں منحصر نظر آتے ہیں، کوئی چوتھی صورت نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملتی اور اس پر زیادہ تر فکری احساسات کی اثر پذیری نظر آتی ہے (مفتی کے منہج پر فکری احساسات کا غلبہ ہوتا ہے۔تینوں مناہج کا بیان حسب ذیل ہے:

۱-آسانی اور تساہل (سہولت) میں مبالغہ آرائی کا منہج:

اس طرز فکر کا بنیادی سبب مبالغہ آرائی اور عملی زندگی میں مصلحت کوشی کی انتہا ہے، اگر چہ نصوص شریعہ وصریحہ اس کے مخالف ہوں، نیز مصلحت پر عمل کے سلسلہ میں متقدمین علماء کے بنائے ہوئے قواعد وضوابط کی پابندی سے بیزاری کے ساتھ ساتھ سلف صالحین کے منہج سے انحراف کا لازمی نتیجہ ہے۔

اسی طرح علماء کی جانب سے دی گئی کچھ رخصتوں کی تلاش وتتبع میں توانائی صرف کرنا تاکہ عبادات ومعاملات میں انسانوں کو مزید سہولت فراہم کی جائے اور احکام شرعیہ سے لوگ متنفر نہ ہوں (اس صالح مقصد کے پیچھے منہج طالح کارفرما ہے) اور اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مغربی فکر حاوی ہے، جس فکر نے ایسے تمام مفتیوں کو مجرموں کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا اور وہ نکتہ چینیوں کا نشانہ بنے۔لہذا (مغرب کی حمایت میں) شریعت کے ہر اس حکم کی تردید کی جس کا یورپ کی بیمار عقلوں نے انکار کیا، پھر ذہنی آوارگی اور افلاس کا وہ دور بھی آیا جس میں مفتیوں کی ایسی جماعت ابھری جس نے مغرب کی خوشنودی طبع کے خاطر شریعت کے ایسے تمام احکام کا انکار کیا جو اپاہج فرنگی مزاج سے بالاتر تھے، گویا اسلامی شریعت کے احکام نہیں، جرم کا ڈھیر لگا ہو اور ابن الوقت، دنیا پرست مفتیان بجائے دفاع کے اسلامی عمارت کو ڈھانے کا بندوبست کر رہے ہوں۔

۲-تشدد اور تنگی کا منہج:

یہ مذہبی تعصب کا نتیجہ ہے،۔جو شرعی نصوص سے ہر حال میں متصادم ہے اور نصوص صریحہ وشرعیہ پر اقوال فقہا کو مقدم کرنے سے بھی یہی قباحت اور مشکل پیدا ہوتی ہے۔

کبھی تو اس کا سبب پیش آمدہ قضیہ کی حقیقی صورت کو اچھی طرح نہ سمجھنا ہوتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصل مضمون سمجھنے میں بڑی دشواری ہوتی ہے، ربط اور تسلسل سے گرفت ختم ہوتے ہی مفتی اور عالم بالکل بے بس ہو کر تنگی میں پڑ جاتے ہیں۔

اس کے کچھ اور بھی اسباب ہیں، مثلاً ظاہر نصوص سے چمٹ جانا، ذرائع کے سد باب میں غلو اور احتیاط میں مبالغہ آرائی سے کام لینا۔

۳-اعتدال:

فتاوے میں یہ منہج شریعت کے ان مقاصد کو شامل ہے جو نصوص شریعت (قرآن وحدیث) کے متقاضی ہیں، یہ شرعی مسائل کی باریک تصویر کشی اور اچھی طرح سمجھ لینے پر مبنی ہے، بعد ازاں اہل علم کے نزدیک معتبر فقہی قواعد کی روشنی میں ہی اس کی ترتیب اور تصحیح عمل میں آئے گی۔

اس منہج پر کام کرنے والے مقاصد شریعت کو تین قسموں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱-ضرورتیں: شریعت نے جن پانچ بنیادی امور کے تحفظ کا حکم دیا ہے انھیں کو ضروریات خمسہ، یا مقاصد خمسہ کہا جاتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، وہ: دین، جان، مال، عقل اور نسل ہیں۔

۲-حاجتیں: یعنی گنجائش اور وسعت کی فضا ہموار کرنا، مشقت اور پریشانی کو دور کرنا۔

۳-تحسین اور عمدگی کے مقاصد: محاسن شریعت (اسلام) میں سے جو بھی اس سے مناسبت رکھتے ہوں ان کو لینا۔

☆ بعض فقہی قواعد اور ضابطے جن سے دور حاضر میں پیش آنے والے طبی مسائل کے حکم کو سمجھنے اور اس کو شریعت سے منطبق کرنے میں مفتیان شرع متین استفادہ کرتے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱-نقصان زائل کر دیا جاتا ہے۔

۲-ضرورت کا اس کی مقدار کے مطابق اندازہ کیا جائے گا۔

۳-معمولی ضرر والی چیزوں کا ارتکاب عظیم ضرر و نقصان سے بچنے کے لیے۔

۴-ضرورتیں ممنوعہ افعال کو مباح کر دیتی ہیں۔

۵-حاجت وضرورت جب آدمی کی مجبوری بن جاتی ہے تو اس کا وہی حکم ہوتا ہے جو مجبوری کا ہے۔ (حاجت وضرورت کو مجبوری کے درجہ میں اتار لیا جاتا ہے)

۶-معاملہ جب تنگ پڑ جائے تو کشادگی ہوتی ہے، اور جب کشادگی لوٹ آتی ہے تو دائرہ تنگ (سمٹ) ہوتا جاتا ہے۔ (آب آمد تیمّم برخاست)

۷-مشقت آسانی لاتی ہے۔

۸-آسانی اور سہولت یہ پریشانی (تنگی) سے ساقط (ختم) نہیں ہوتی۔

۹-عادت حاکم بنائی گئی ہے۔

۱۰-تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے، یعنی تمام چیزیں اس وقت تک حلال ومباح ہیں جب تک کہ ان کی حرمت کی دلیل نہ مل جائے۔

۱۱-استحالۂ مطہرہ (وضاحت آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں)

یہ چند فقہی قواعد اور اصول ہیں جن کی روشنی میں جدید دور کے طبی مسائل کا شرعی حکم اور مناسب حل بآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ (ملاحظہ ہو چند کی تفصیل)

۱- الضرورات تبيح المحظورات:

یہ قاعدہ شریعت اسلامیہ میں اساس کی حیثیت رکھتا ہے، طبی مسائل کی شرعی وضاحت کے دوران مفتی کو جابجا اس کی ضرورت پڑتی ہے، اس کی بے شمار جزئیات اور طبی تطبیقات ہیں، اور مفتی وفقیہ کے لیے اس قاعدہ کی تفاریع (شاخوں) اور اجزاء سے مفر نہیں۔

☆ مجبوری کی شناخت (تعیین) کیسے ہو؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجبوری کی جامع ومانع تعریف: انسان کی مجبوری اس حدتک پہنچ جائے کہ اگر وہ ممنوع اور حرام چیز تناول نہ فرمائے تو ہلاک ہوجائے یا ہلاکت کے قریب پہنچ جائے۔(المنثور فی القواعد الفقہیۃ للزرکشی:۲/۳۱۹)

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''جان لو کہ بیشتر فقہی ابواب اس قاعدہ پر مبنی ہیں، اللہ کا فرمان ہے: ﴿فمن اضطر في مخمصة غير متجانف لاثم فان الله غفور رحيم﴾ (المائدہ:۳) ترجمہ: جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہوجائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالی معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے۔

قاعدہ کی عملی تطبیق:

شریعت کی حرام کردہ چیزوں سے معالجہ:

صاحب''المجموع''(۹/۴۲) فرماتے ہیں:''شراب کے علاوہ دیگر تمام نجاستوں سے علاج کرنا کرانا جائز ہے، ہاں، مگر نشہ آور نجاستوں سے بچنا چاہیے، یہی درست مذہب اور جمہور کی قطعی رائے ہے''۔

اور فقہاء''خالص شراب سے علاج ومعالجہ اور جب دوسری دواؤں کی آمیزش بھی ہو'' دونوں میں فرق کرتے ہیں۔

اور علامہ شربینی نے''مغني المحتاج''(۴/۱۸۸) میں اس کی وضاحت بھی فرمادی ہے:''دوسری دواؤں کی آمیزش کے بغیر محض خالص شراب کو بطور دوا استعمال کرنا حرام ہے، رہی وہ دوائیں جو شراب سے تیار کی گئی ہوں اور مہلک اثرات سے بچانے میں مفید ہوں تو اس سے اس شرط پر علاج جائز ہوگا کہ اس (شراب وغیرہ) سے مرکب دوا کا کوئی متبادل ایسا نسخہ نہ ہو جو اس مرض میں کارگر ہو۔

☆ علاج کی دیگر شکلیں (اکیڈمی کی قرارداد کے بموجب):

- خنزیری (سور کے) اجزاء جیسے انسولین (Insulin) اور جیلاتین (Gelatin) سے دوا علاج کرنا۔
- اعضائے انسانی کی سرجری (Surgery) میں خنزیر کی کھال سے مدد لینا۔
- آپریشن اور پوسٹ مارٹم کے دوران بے ہوشی کی دواؤں کا استعمال۔
- مرض کی تشخیص یا علاج (Treatment) یا پھر دوران آپریشن ستر کا کھولا جانا۔(قرار المجمع)

فتوی جادالحق (ص ۴۱، وص ۳۳۱) مصر کے (سابق) مفتی محترم الشیخ جادالحق علی جادالحق (سابق شیخ الازہر) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''فقہا کے مابین محرمات سے علاج کے جواز میں اختلاف ہے اور اس میں سب سے درست نقطۂ نظر وہی ہے جو قرآنی آیات سے مستفاد ہے''یعنی مجبوری میں حرام چیز مباح ہے اور اس سے علاج بھی کیا جاسکتا ہے، تاہم حرام سے معالجہ کی حدود وہیں ختم ہوجاتی ہیں جہاں انسانی مجبوری اور ضرورت ختم ہوجاتی ہے، یعنی جب صحت عود کر آئے اور علاج بھی مکمل ہوجائے (اس سے مزید کی اجازت نہیں)

جو فقہا محرمات سے علاج ومعالجہ کی اباحت کے قائل ہیں وہ ان ضابطوں کے توافر کو یقینی بنانے کے لیے شرط رکھتے ہیں:

۱- حرام سے علاج کی تجویز کسی ماہر کہنہ مشق، مسلمان طبیب نے پیش کی ہو، جس کی امانت وصداقت اور دیانت داری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معروف اور مسلم ہو۔

۲-حرام دواؤں کے علاوہ کوئی دوا بروقت دستیاب نہ ہو، بالآخر حرام علاج ہی اختیار کرنا پڑے اور ایسی صورت میں یہ ارادہ ہرگز نہ ہو کہ حیلہ کر کے حرام کے استعمال میں حد سے تجاوز کریں، اجازت بقدر ضرورت اور مجبوری ہے، بیماری ختم ہوتے ہی یہ رخصت بھی ختم اور علاج کا یہ ذریعہ بھی حرام ہو جاتا ہے۔

فقہی مجلس کی قرارداد:

فقہ اسلامی اکیڈمی نے اپنے سولہویں اجتماع (منعقدہ: مکہ مکرمہ، بتاریخ ۲۱-۲۶/۱۰/۱۴۲۲ھ موافق ۵-۱۰/۱/۲۰۰۲ء) میں حسب ذیل تجاویز پاس کیں۔

چھٹی قرارداد: ایسی دوائیں جو الکحل سے مرکب ہوں اور بے حس (سُن) کر دینے والی ادویات سے متعلق تجاویز حسب ذیل ہیں:

۱-بطور دوا خالص شراب کا استعمال کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔

۲-الکحل آمیز دواؤں کا مہلک بیماریوں اور وباؤں میں استعمال اسی قدر جائز ہے جس کا ماہر معالج نے مشورہ دیا ہو، اس شرط کے ساتھ کہ دواؤں کی دنیا میں مطلوبہ دوا کا کوئی بدل بھی نہ ہو، نیز ایماندار طبیب حاذق کی بھی یہی تجویز اور مشورہ ہو۔(اس سے زیادہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی)

۲- الضرر یزال:

یہ بھی نہایت اہم ضابطہ ہے، ضرر ونقصان سے بچنے، بچانے والے قواعد میں یہ بھی شامل ہے، اس کی بہت ساری شکلیں ہیں، جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(۱) آلودگیوں کو دور کرنے والا تجمیلی عمل جراحی (Aestheticor Cosmetic Surgery) جیسے جلے کٹے کے نشانات، زخم کا داغ یا نشان اور پیدائشی داغ جو جسم پر باقی رہ جائے اور زائد انگلی وغیرہ۔

(۲) جسمانی خلیوں میں پرورش پانے والے جینیات کا علاج۔

(۳) حوادث کے سبب مفلوج (ناتمام) ہو چکے اعضاء کی بحالی (Transplant)

(۴) امراض اور وبا سے بچاؤ کی حفاظتی تدابیر (اس کے متعلق نبوی ارشاد ہے: إذا سمعتم بالطاعون بأرض فلا تدخلوها" (صحیح بخاری: ۵۷۲۸)

(۵) وبائی امراض اور بیماریوں سے تحفظ کے لیے دفاعی ٹیکے۔

۳- إزالة أخف الضررين لإزالة أعظمهما:

امام عزالدین بن عبدالسلام ''قواعد الأحکام فی مصالح الأنام'' (۱۲/۱) میں فرماتے ہیں: ''مصالح دو طرح کے ہیں: (۱) حقیقی، جیسے فرحت وشادمانی اور لذتیں، (۲) مجازی، اس کے کچھ اسباب ہیں، بسا اوقات اسباب ومصالح مفاسد کی شکل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہوتے ہیں، اگر اس کی اجازت دی جاتی ہے اور وہ مباح ہوتا ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ مفاسد ہیں، بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مصلحتوں تک رسائی کی راہ ہموار ہوتی ہے، مثلاً: انسانی جان کے تحفظ کے لیے لاعلاج کیڑوں (جیسے کینسر وغیرہ) کی زد میں آچکے ہاتھوں اور (پاؤں وغیرہ) کا کاٹ دیا جانا''۔

اس قاعدے کے ضمن میں بہت سارے مسائل آتے ہیں، چند کا ذکر مفید ہوگا:

۱- آپریشن، سرجری اور پوسٹ مارٹم کی جملہ تمام شکلیں، اور جراحتی طریقۂ پیدائش۔

۲- رحم مادر سے جنین کو نکالنے کے لیے حاملہ میت کا شکم چاک کرنا۔

۳- جسم کے جلے ہوئے حصوں کا سرجری کے ذریعہ تبادلہ۔

(مجمع فقہ اسلامی میں چوتھی نشست کی قرارداد: ۱۴۰۸ھ، ص ۳۵۹)

۴- الضرر لا يزال بمثله (نقصان ہی کے ذریعہ نقصان نہیں زائل کیا جائے گا):

اطباء کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی ایسے معلوم اور واضح ضرر کو زائل کریں جو اسی کے مثل یقینی نقصان کا سبب بھی بنے (کہ ایک طرف تو ضرر زائل ہو، لیکن دوسری طرف واقع ہو)۔

اس قاعدہ کی طبی شکل کچھ ایسی ہے کہ:

کسی زندہ آدمی کا کوئی عضو دوسرے زندہ انسان کی طرف منتقل کیا جائے جس کا وظیفہ معطل ہو چکا ہو، جیسے: کسی آنکھ والے کی دونوں آنکھ کسی نابینا کو دی جائے۔

اس سلسلہ میں فقہ اسلامی کمپلیکس (مکہ) کے قرارداد کی ایک کڑی یہ ہے:

زراعة الوجه (إجراء طبي تجميلي لاستبدال كل أو جزء من وجه الشخص)

حسن و جمال کے لیے چہرے کے بعض یا مکمل حصہ کی سرجری (حرام ہے) کیونکہ یہ مثلہ ہے اور اس سے چہرہ کی حرمت پامال ہوتی ہے۔

۵- المشقة تجلب التيسير:

اس اہم ترین قاعدہ میں بہت ساری تطبیقات ہیں جس کا تعلق ہر گوشہ سے ہے، خصوصاً فن طب سے، بطور مثال چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) علاج اور دوا کے لیے محرمات کے استعمال کی اجازت ہے۔

(۲) جن چیزوں کی نجاست میں اختلاف ہے اس سے علاج۔

(۳) دوران علاج ہونے والی بے پردگی۔

۶- الحاجة تنزل منزلة الضرورة:

اس کی درج ذیل شکلیں ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) اعضائے جسمانی کا عطیہ۔
(۲) مصنوعی حمل کاری۔
(۳) نلکی (پائپ) سے افزائش نسل (Baby Tube)
(۳) بواسیر کی بیخ کنی۔
(۴) ڈاڑھ کی بیخ کنی۔
(۵) سرجری و آپریشن کا آخری مرحلہ۔

۷- الضرورة تقدر بقدرها:

یہ قاعدہ "الضرر يزال" ہی کے ضمن میں آتا ہے۔ اس کی کچھ جزئیات ملاحظہ ہوں:

دوران آپریشن (سرجری) مخدرات کا استعمال:

(۱) سرجری آپریشن کے دوران سن کرنے والی دوائیں مطلوبہ ضرورت کے بقدر استعمال کرنا۔
(۲) مرض کی تشخیص اور دوا کی تجویز کے لیے ہونے والی بے پردگی۔
(۳) شعاعوں (ایکسرے) کے ذریعہ امراض کی تشخیص۔
(۴) دفاعی ٹیکے۔

آخری بات: جو نہایت ہی اہم ہے۔ اطباء کی نظر میں آنے والے اکثر و بیشتر مسائل کا اس میں حل بھی ہے اور وہ ہے۔

۸- استحالہ مطہرہ:

''استحالہ'' کا مفہوم یہ ہے کہ: نجس مادہ کا اپنی موجودہ اصل شکل سے ایسی دوسری صورت میں بدل جانا جو اس کے بالکل برعکس ہے۔

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، جمہور علماء اس کو مطہر مانتے ہیں۔ حنفیہ، مالکیہ، ظاہریہ اور (ایک روایت کے مطابق) حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن القیم رحمہم اللہ بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس کے اہم نکات پیش خدمت ہیں:

(۱) حیوانی (متحرک، زندہ) جیلاٹین (Gelatin) کا استعمال۔
(۲) خنزیر سے ماخوذ انسولین (Insulin) کا استعمال۔
(۳) آپریشن کا ٹانکا لگانے میں بلی کے معدہ کا استعمال۔

واللہ اعلم بالصواب
والحمد للہ رب العالمین۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتویٰ نویسی اور منہج سلف صالحین

مفتی ابوالحسن مبشر احمد ربانی / پاکستان

مفتی حضرات کو چاہیے کہ وہ کتاب وسنت کی نصوص سے استنباط واستخراج کرتے ہوئے سلف صالحین کے فہم کو بھی مدنظر رکھے، ائمہ اسلاف منہج افتاء کی جس رفعت اور بلندی پر قائم تھے اس کا کچھ حصہ اختصاراً پیش خدمت ہے:

۱-کتاب وسنت کے ساتھ تمسک:

خطیب بغدادی نے الفقیه والمتفقه میں ایک باب یوں باندھا ہے: "اعتماد المفتي على الكتاب والسنة" مفتی کو کتاب وسنت پر اعتماد کرنا چاہیے۔

پھر اس کے ضمن میں یہ روایت لائے ہیں کہ ابونضرہ کہتے ہیں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بصرہ تشریف لائے تو ابوبشیر کے گھر اترے۔ میں حسن بصری کے پاس آیا۔ میں نے کہا یقیناً ابوسلمہ تشریف لائے ہیں اور وہ قاضی مدینہ اور اس کے فقیہ ہیں۔ ہمارے ساتھ ان کی طرف چلیے تو ہم ان کے پاس آئے جب انھوں نے حسن بصری کو دیکھا کہا آپ کون ہیں؟ کہنے لگے حسن بن ابی الحسن ہیں، کہنے لگے: میری ملاقات کرنے والے لوگوں میں سے اس شہر میں تم سے زیادہ محبوب کوئی نہیں اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم لوگوں کو فتویٰ دیتے ہو۔

"فاتق الله يا حسن وافت الناس بما أقول لك: أفتهم بشيء من القرآن قد علمته أو سنة ماضية قد سنها الصالحون والخلفاء وانظر رأيك الذي هو رأيك فألقه". (۱)

''اے حسن اللہ سے ڈر اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس کے مطابق لوگوں کو فتویٰ دے۔ انھیں قرآن پاک میں سے ایسی چیز کے ساتھ فتویٰ دے جسے تو جانتا ہو یا سنت ماضیہ کے ساتھ فتویٰ دے جسے سلف صالحین اور خلفاء نے جاری رکھا اور اپنی رائے کو دیکھ اور اسے پھینک دے''۔

دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

"فلا تفت برأيك الا أن تكون سنة عن رسول الله ﷺ أو كتاب منزل". (۲)

''تم اپنی رائے کے مطابق فتویٰ نہ دیا کرو، مگر نبی کریم ﷺ کی سنت یا منزل شدہ کتاب کی رو سے فتویٰ دیا کرو''۔

جابر بن زید ابوالشعثاء بیان کرتے ہیں انھیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ طواف کرتے ہوئے ملے تو کہنے لگے:

---

(۱) الفقيه والمتفقه: ۲ / ۳٤٤، ۳٤٥، ط: دار ابن الجوزي: ۲/ ١٦٣.

(۲) مسند الدارمي: ١٦٥.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"يا أبا الشعثاء انك من فقهاء البصرة فلا تفت الا بقرآن ناطق أو سنة ماضية فانك ان فعلت غير ذلك هلكت وأهلكت". (۳)

لہذا فتوی صادر کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلام کا منہج کتاب وسنت تھا، یہی دین اسلام کی اساس ہے۔

۲-اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقابلہ میں کسی کا قول نہیں لیتے تھے:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا تمنعوا نسائكم المسجد بالليل".

''اپنی عورتوں کو رات کے وقت مساجد سے نہ روکو''۔

تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے کہا:

"لا ندعهن يتخذنه دغلا".

''ہم ان کو نہیں چھوڑیں گے وہ اسے دھوکہ دہی بنالیں گے''۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سینے پر تھپڑ رسید کیا اور کہا:

"أحديثك عن رسول الله ﷺ وتقول هذا".

''میں تمھیں رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کرتا ہوں اور تو یہ بات کہتا ہے''۔(۴)

ایک روایت میں ہے:

"فما كلمه عبد الله حتى مات". (۵)

''عبداللہ بن عمر نے مرتے دم تک اپنے بیٹے سے کلام نہ کیا''۔

قتادہ کہتے ہیں:

"حدث ابن سيرين رجلا بحديث عن النبي ﷺ فقال رجل: قال فلان كذا وكذا فقال ابن سيرين: أحدثك عن النبي ﷺ وتقول: قال فلان وفلان كذا وكذا لا أكلمك أبدا". (٦)

(۳) مسند الدارمي، ١٦٦، ط: دار ابن حزم، الفقيه والمتفقه: ٢/ ٣٤٤) ١٠٧٠، ط: دار ابن الجوزي ٢/١٦٣، ط: المكتبة العلمية، حلية الأولياء: ٣/٨٦، وفي نسخة: ٣/١٠٢، ٣٣٢٤، ط: دار الكتب العلمية، التاريخ الكبير: ٢ / ١٨٧، تحت ترجمة جابر بن زيد، ط: دار الكتب العلمية: ٢/٢٠٤، ط: قديم.

(٤) مسند أحمد: ٩/٦٢، ٩/٤٥٧، ط: مؤسسة الرسالة، بيهقي: ٢/١٣٢، المعجم الكبير للطبراني: ١٢/٣٠٥، ١٣٤٧٢، مسند طيالسي (٢٠٠٦)، ٢/٤١٩، ط: دار الكتب العلمية وطبعة أخرى (١٨٩٤)۔

(٥) مسند أحمد: ٨/٥٢٧، ٤٩٣٣، ط: مؤسسة الرسالة.

(٦) مسند الدارمي: ٤٥٥۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

’’محمد بن سیرین نے ایک آدمی کو نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کی تو اس آدمی نے کہا: فلاں شخص نے اس، اس طرح کہا ہے، ابن سیرین نے کہا: میں تمھیں نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو کہتا ہے فلاں اور فلاں نے اس طرح کہا ہے میں تجھ سے کبھی بھی کلام نہیں کروں گا‘‘۔

امام مجاہد بن جبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ليس أحد بعد رسول الله ﷺ الا وأنت آخذ من قوله وتارك".

’’نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے مگر تو اس کے قول کو لینے والا بھی ہے اور ترک کرنے والا بھی‘‘۔(۷)

مذکورہ بالا قول کی نسبت متاخرین کے ہاں امام کی طرف مشہور ہے اور امام ابن عبد الہادی نے اسے ارشاد السالک ۲۲۷/۱ میں امام مالک سے صحیح قرار دیا ہے اور امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں اور امام ابن حزم نے الأحکام فی أصول الأحکام ۱۴۵/۶، ۱۷۹ ناشر جامعہ ابی بکر الاسلامیۃ کراچی بتحقیق شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ، مجاہد اور الحکم بن عتیبہ سے اسے روایت کیا ہے۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں:

"سمعت أحمد يقول: ليس أحد الا ويؤخذ من رأيه ويترك يعني ما خلا النبي ﷺ". (۸)

’’میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا وہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے سوا ہر شخص کی بات کو لیا بھی جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے‘‘۔

امام ابوالحسن تقی الدین علی بن عبد الکافی السبکی امام کے پیچھے مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ پڑھنے کو واجب قرار دیتے ہیں اور سنت رسول ﷺ کے حوالے سے کئی ادلہ اس پر پیش کرتے ہیں اور سری اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے بارے میں فرماتے ہیں سری وجہری نمازوں میں قرأۃ خلف الامام کے بارے میں بہت سارے آثار صحابہ کرام اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے مروی ہیں اور سری وجہری نمازوں میں قرآن کے ترک پر تھوڑے سے آثار مروی ہیں جو شخص اس کے بارے میں آثار صحابہ وتابعین ملاحظہ کرنا چاہے وہ امام بخاری کی کتاب جزء القرأۃ کا مطالعہ کرلے اور اگر ہم ان آثار کا صحیح ہونا تسلیم بھی کرلیں تو یہ دیگر آثار صحابہ کے معارض ہیں۔ پھر لکھتے ہیں:

"وحينئذ نرجع إلى رسول الله ﷺ الذي كان كلامه كله شفاء وهدى بأبي وهو وأمي فما

(۷) الفقيه والمتفقه: ۱۴۴/۱، ٤٦٤، ط: دار ابن الجوزي، جامع بيان العلم وفضله: ۹۱/۲، ط: دار الكتب العلمية بيروت، ۱۸۲/۲، بتحقيق أبي عبد الرحمن فواز أحمد زمرلي، ط: دار ابن حزم، ص ۳۵۹.

(۸) مسائل الإمام أحمد برواية أبي داؤد ص ۳٦۸، رقم: ۱۷۸٦، ط: مكتبة ابن تيمية بتحقيق أبي معاذ طارق بن عوض الله محمد.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أحسن ما قال ابن عباس "ليس أحد بعد النبي ﷺ إلا ويؤخذ من قول ويترك إلا النبي ﷺ وأخذ هذه الكلمة من ابن عباس مجاهد وأخذ منهما مالك واشتهرت عنه". (فتاوى السبكي: ١/ ١٣٨، ط: دار المعرفة، بيروت)

''اس صورت میں ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کریں گے جن کا کلام سارے کا سارا شفا اور ہدایت ہے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کس قدر اچھا کلام ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: نبی کریم ﷺ کے بعد ہر شخص کا قول لیا بھی جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔ یہ کلمہ ابن عباس سے مجاہد رحمہ اللہ نے حاصل کیا اور ان دونوں سے امام مالک نے اور پھر کلام امام مالک رحمہ اللہ سے مشہور ہو گیا۔(۹)

لہذا سلف صالحین نبی کریم ﷺ کی حدیث وسنت کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے شخص کے قول اور رائے کو نہیں لیتے تھے۔

۳-حصول علم کے لیے جدوجہد کرتے اور صرف ثقہ وقابل اعتماد رواۃ سے ہی دین لیتے تھے:

سعد بن ابراہیم فرماتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ سے صرف ثقہ راوی ہی حدیث بیان کریں۔(۱۰)

امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں:

"انظروا عمن تأخذون هذا الحديث فإنما هو دينكم".

''دیکھو تم یہ حدیث کس سے اخذ کرتے ہو یہ تمھارا دین ہے''۔(۱۱)

ابراہیم کہتے ہیں: سلف صالحین جب کسی آدمی کے پاس حصول علم کے لیے آتے تو اس کی نماز، سیرت اور ہیئت دیکھتے، پھر اس سے حدیث لیتے۔(۱۲)

۴-جس مسئلہ کے بارے میں کتاب وسنت خاموش ہوں اس کا جواب دینے سے بچتے تھے:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"من أفتى بفتيا يعمى عنها فاثمها عليه".

''جس نے ایسا فتویٰ صادر کیا جس سے وہ اندھا ہے اس کا گناہ اسی پر ہے''۔(۱۳)

(۹) اسی معنی کا قول امام ابن خزیمہ سے امام حاکم نے معرفة علوم الحديث صفحه ۷۸، دار العلمية بيروت صفحه ١٤٠، ط: دار احياء العلوم بيروت، صفحه ٢٨٦، رقم: ١٩٠ ف.

(١٠) مسند الدارمی (٤٢٩) الكفاية ص ٣٢ مقدمه صحيح مسلم.

(١١) مسند الدارمی (٣٩٩) الفقيه والمتفقه ٩٦/٢ حلية الأولياء: ٢٧٨/٢.

(١٢) مسند الدارمی (٤٣٤، ٤٣٥) الجرح والتعديل ١٦/٢ الكفاية ص ١٥٧.

(١٣) مسند الدارمی (١٦٢) جامع بيان العلم (١٦٢٦، ١٨٩٢) الفقيه والمتفقه ١٥٥/٢ جامع بيان العلم (١٦٢٧.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"من أفتي بفتيا من غير ثبت فانما اثمه على من أفتاه".

جو شخص دلیل برہان کے بغیر فتوی دیا گیا اس کا گناہ فتوی دینے والے پر ہے"۔(١٤)

قاسم بن محمد فرماتے ہیں:

وانا والله ما نعلم كل ما تسألون عنه ولو علمنا ما كتمناكم ولا حل لنا أن نكتمكم".

''اللہ کی قسم ہم نہیں جانتے ہر اس بات کو جس کے متعلق تم سوال کرتے ہو اور اگر ہم جانتے ہوتے تو تم سے نہ چھپاتے اور نہ ہی ہمارے لیے تم سے چھپانا حلال ہے''۔(١٠)

۵-عام طور پر فتوی صادر کرنے سے حتی الوسع گریز کرتے تھے:

عطاء بن السائب کہتے ہیں میں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلی سے سنا وہ کہتے تھے میں نے اس مسجد میں ایک سو بیس (۱۲۰) انصار صحابہ کو پایا ہے۔ان میں سے کوئی بھی حدیث بیان نہیں کرتا تھا مگر یہ کہنا پسند کرتا کہ اس کے بھائی نے اسے حدیث بیان کرنے سے کفایت کردی ہے اور کوئی کسی فتوی کے بارے میں سوال نہیں کیا جاتا تھا مگر یہ بات پسند کرتا کہ اس کے بھائی نے فتوی دے کر اس کی کفایت کردی ہے۔(١٦)

ابن المنکدر فرماتے ہیں:

"إن العالم يدخل فيما بين الله وبين عباده فليطلب نفسه المخرج".

''بلاشبہ عالم اللہ اور اس کے بندے کے درمیان داخل ہوتا ہے اسے اپنے نفس کے لیے نکلنے کی کوئی راہ طلب کرنی چاہیے''۔(١٧)

۶-مفید اور عمدہ سوالات ہی پوچھا کرتے تھے لایعنی گفتگو سے اجتناب فرماتے تھے:

قاسم بن محمد فرماتے ہیں: تم ایسی باتوں کے بارے میں سوال کرتے ہو جن کے بارے میں ہم سوال نہیں کرتے تھے اور تم ایسی چیزوں کے بارے میں بحث کرتے ہو جن کے متعلق ہم بحث نہیں کرتے اور تم ایسی باتیں پوچھتے ہو میں نہیں جانتا وہ کیا ہیں اور اگر ہمارے علم میں ہوتیں تو انھیں چھپانا ہمارے لیے حلال نہ تھا۔(۱۸)

(١٤) مسند الدارمي (١٦١) أبوداؤد (٣٦٥٧) الأدب المفرد (٢٥٩) حاكم ١٢٦/١، الفقيه والمتفقه ١٥٥/١۔

(١٥) مسند الدارمي (١١٣)، المعرفة والتاريخ (٥٤٨/١)، الفقيه والمتفقه (١٧٣/٢)، حلية الأولياء (١٨٤/٢)، جامع بيان العلم (١٤١٠)۔

(١٦) مسند الدارمي (١٣٧) ابن سعد ٧٤/٦ تاريخ أبي زرعه (٢٠٣١) جامع بيان العلم (١٩٤٤، ١٩٤٥) كتاب الزهد لابن المبارك (٥٨)

(١٧) مسند الدارمي (١٣٩) حلية الأولياء (١٥٣/٣) الفقيه والمتفقه (١٠٨٨، ١٠٨٩)

(۱۸) مسند الدارمی: ۱۲۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷-غیر پیش آمدہ مسائل کے بارے میں سوالات کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے:

یزید بن مسلم فرماتے ہیں ایک دن ایک آدمی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اس نے ایک ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا ہے؟ اسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسی چیز کے بارے میں سوال نہ کرو جو واقع نہیں ہوئی، میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ ایسے آدمی پر لعنت کرتے تھے جو ایسی اشیاء کے بارے میں سوال کرتا جو واقع نہ ہوئی ہوں۔ (۱۹)

طاؤس کہتے ہیں عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کہا:

"احراج بالله على رجل سال عما لم يكن فان الله قد بين ما هو كائن".

جو شخص ایسی چیز کے بارے میں سوال کرے گا جو واقع نہیں ہوئی میں اس پر راستہ تنگ کردوں گا یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر ہونے والی چیز واضح کردی ہے"۔ (۲۰)

رجاء بن حیوہ کہتے ہیں میں نے عبادہ بن نسی الکندی سے سنا ان سے ایک عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو کسی ایسی قوم کے ہاں فوت ہوجائے کہ وہاں اس کا ولی نہ ہو تو، انھوں نے کہا: میں نے ایسی قوم کو پایا ہے وہ تمھاری شدت کی طرح شدت نہیں کرتے تھے اور تمھارے سوالات جیسے سوالات نہیں پوچھتے تھے۔ (۲۱)

۸-کلمہ ''لاأدری'' سلف کے ہاں نصف علم کے مساوی تھا:

امام شعبی نے فرمایا: "لا أدري" (میں نہیں جانتا) نصف علم ہے۔ (۲۲)

نافع سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی چیز کے بارے سوال کیا تو انھوں نے کہا: "لا علم لي" مجھے علم نہیں۔ پھر آدمی کے چلے جانے کے بعد کہنے لگے:

''ابن عمر نے جو کہا بہت اچھا ہے وہ ایسی بات کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے جسے وہ نہیں جانتا اور کہہ دیتا ہے مجھے اس کا علم نہیں''۔ (۲۳)

امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ مجھے ایسے امور کا سوال کیا جائے جو میں جانتا ہوں یا

---

(۱۹) مسند الدارمی (۱۲۳) جامع بيان العلم (۱۸۲۰) كتاب العلم لأبي خيثمة (۱٤٤) الفقيه والمتفقه (۷/۲).

(۲۰) مسند الدارمی (۱۲٦) جامع بيان لاعلم (۱۸۰۷، ۱۸۰۸) فتح الباری (۲٦٦،۲٦۷/۱۳) الفقيه والمتفقه (۷/۲) كتاب العلم (۱۲٥)

(۲۱) مسند الدارمي (۱۲۹) تاريخ مدينة دمشق)

(۲۲) مسند الدارمی۔

(۲۳) مسند الدارمی (۱۸۷) المعرفة والتاريخ (٤۹۳/۱) (الفقيه والمتفقه (۱۷۲/۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں جانتا۔اس لیے کہ جب مجھ سے ایسی چیز کے بارے میں پوچھا جائے جو میں جانتا ہوں تو میں وہی کہوں گا جو میرے علم میں ہے اور جب مجھ سے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا جو میں نہیں جانتا تو میں کہوں گا: "لا أعلم" میں نہیں جانتا۔ (۲۴)

امام اعمش فرماتے ہیں: میں نے ابراہیم کو یہ کہتے ہوئے کبھی نہیں سنا کہ: یہ حلال ہے یا حرام، وہ کہا کرتے تھے کہ سلف صالحین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) اس چیز کو ناپسند کرتے تھے اور اسے پسند کرتے تھے۔ (۲۵)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

"إن الذي يفتي الناس في كل ما يستفتي لمجنون".

''بے شک وہ آدمی جو ہر استفتاء کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے مجنون ہے''۔(۲۶)

مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہوا کہ سلف صالحین ہر چیز کے بارے میں فتویٰ صادر نہیں کر دیتے تھے بلکہ جس چیز کا علم ہوتا اس کے بارے میں فتویٰ دیتے جس کا علم نہ ہوتا اس کے بارے میں صاف کہہ دیتے میں نہیں جانتا اور یہ کلمہ ان کے نزدیک نصف علم کے برابر سمجھا جاتا۔لہٰذا علماء کرام کو صرف اسی چیز کے بارے میں فتویٰ صادر کرنا چاہیے جس کے متعلق انھیں صحیح علم ہو وگرنہ لا أعلم یا لا أدري کہہ دینا ہی بہتر ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم میں سے جو آدمی علم رکھتا ہو وہ اس کے بارے میں بات کہے اور جو علم نہیں رکھتا وہ کہے: الله أعلم اللہ بہتر جانتا ہے، اس لیے کہ جب عالم سے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا تو اللہ عزوجل کہتا ہے: میں جانتا ہوں اللہ نے اپنے رسول ﷺ سے کہا:

"قل ما أسألكم عليه من أجر وما أنا من المتكلفين".

''آپ کہہ دیں میں اس پر تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا اور نہ ہی میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں''۔(۲۷)

۹-محض رائے زنی س اجتناب کرتے تھے۔قرآن وحدیث کے مقابلے میں آراء کو لینے والے لوگوں کو ائمہ مضلین قرار دیتے تھے:

---

(۲۴) مسند الدارمی: ۱۸۹)

(۲۵) مسند الدارمی: ۱۹۰۔

(۲۶) مسند الدارمی (۱۷۶) الفقیہ والمتفقہ (۱۱۹۴، ۱۱۹۵) مجمع الزوائد (۸۷۰) الابانة: ۴۱۸/۱ (۳۲۶)

(۲۷) مسند الدارمی (۱۷۹)، مسند أبي يعلى (۵۱۴۵)، صحيح ابن حبان (۴۲۶۴، ۶۵۸۵)، مسند حمیدی (۱۱۶) الفقیہ والمتفقہ (۱۷۱/۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالک بن مغول رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے امام شعبی رحمہ اللہ نے کہا: یہ لوگ جو بات تمھیں رسول اللہ ﷺ سے بیان کریں اسے لے لو اور جو اپنی رائے سے کہیں اسے گندگی کے ڈھیر پر پھینک دو۔ (۲۸)

جو علماء قرآن اور حدیث کی نصوص کے مقابلے میں رائے اور قیاس سے کام لیتے ہیں وہ اصل میں ائمہ مضلین ہیں، ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"انما أخاف على أمتي الأئمة المضلين".

''میں اپنی امت پر گمراہ کرنے والے ائمہ سے خائف ہوں''۔ (۲۹)

لہذا اہل علم کو چاہیے کہ وہ کتاب وسنت کی نصوص کے مطابق فتوی جاری کیا کریں۔

۱۰- اہل بدعت سے اجتناب کرتے تھے اور عوام الناس کو بھی بچانے کی کوشش فرماتے تھے:

ابوقلابہ عبداللہ بن زید الجرمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بدعتی لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو اور نہ ہی ان سے مجادلہ کرو، وہ تمھیں اپنی گمراہیوں میں غرق کردیں گے یا جن امور کو تم جانتے ہو وہ تمھارے اوپر خلط ملط کردیں گے۔ (۳۰)

ایوب سختیانی کہتے ہیں مجھے سعید بن جبیر رحمہ اللہ طلق بن حبیب مرجئی کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کیا میں نے تمھیں طلق بن حبیب کے پاس بیٹھا ہوا نہیں دیکھا؟ تم ہرگز اس کے ساتھ نہ بیٹھو۔ (۳۱)

بدعتی لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے عقیدہ وعمل کی خرابی کا امکان ہے، اس لیے سلف صالحین بدعتی لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے منع کیا کرتے تھے۔

نافع کہتے ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اس نے کہا فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے، فرمانے لگے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس نے بدعت ایجاد کی ہے، اگر اس نے بدعت ایجاد کی ہے تو تم اسے سلام نہ کہو۔ (۳۲)

مسلم بن یسار رحمہ اللہ کہا کرتے تھے، جھگڑے سے بچو یہ عالم کی جہالت کی گھڑی ہے اور اسی گھڑی میں شیطان اس کی

(۲۸) مسند الدارمی (۲۰۶) الابانة (۲/۵۱۷، ۶۰۷) الاحکام في أصول الأحكام لابن حزم (۶/۱۰۳۰) جامع بيان العلم (۱۰۶۶)

(۲۹) مسند الدارمی ۲۱۵) مسند أحمد ۵/۲۷۸، ۲۸۴، ترمذی کتاب الفتن باب ما جاء في الأئمة المضلين (۲۲۳۰)، ابن ماجه (۳۹۵۲)، مسند الشهاب (۱۱۱۶)، دلائل النبوة للبيهقي (۶/۵۲۷)، حاکم (۴/۴۴۹) اسے حاکم وذہبی نے صحیح کہا ہے)

(۳۰) مسند الدارمی (۴۰۵)، الابانة (۳۶۳)، طبقات ابن سعد شرح أصول اعتقاد أهل السنة (۲۴۳) الشريعة للآجری ص (۶۷)

(۳۱) مسند الدارمی (۴۰۶) البدع لابن الوضاح (۱۴۵) الابانة (۴۱۳)

(۳۲) مسند الدارمی (۴۰۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھسلاہٹ کو تلاش کرتا ہے۔(۳۳)

اسماء بن عبید کہتے ہیں وہ بدعتی امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے پاس آئے، انھوں نے کہا اے ابوبکر ہم تمھیں ایک حدیث بیان کرتے ہیں؟ ابن سیرین نے کہا نہیں ان دونوں نے کہا ہم تجھ پر قرآن کی ایک آیت تلاوت کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا نہیں تم دونوں مجھ سے دور ہو جاؤ یا میں تم سے دور ہو جاتا ہوں۔ اسماء بن عبید کہتے ہیں وہ دونوں چلے گئے تو کسی نے کہا اے ابوبکر کیا حرج تھا کہ وہ تم پر اللہ کی کتاب سے آیت تلاوت کرتا؟ فرمانے لگے مجھے ڈر تھا کہ وہ مجھ پر تحریف کر کے آیت پڑھتے اور وہ میرے دل میں جگہ پکڑ لیتی۔(۳٤)

۱۱-اتباع قرآن وحدیث سے محبت کرتے اور بدعات وہوائے نفسانیہ سے بغض رکھتے تھے:

عثمان بن حاضر ازدی کہتے ہیں میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا مجھے وصیت کریں تو انھوں نے کہا: تم اللہ کے تقوی اور استقامت کو لازم پکڑو اتباع کرو اور بدعت اختیار کرنے سے بچو۔(۳۵)

بدعت اور اہل بدعت سے اجتناب کے بارے میں کچھ آثار اوپر ذکر ہو چکے ہیں۔سلف صالحین اتباع سنت کو لازم پکڑتے تھے۔بدعت اور اہل بدعت سے اجتناب کرتے تھے اور لوگوں کو بھی بچنے کی تلقین کرتے تھے۔

۱۲-جب حدیث رسول مل جاتی تو آراء کو ترک کر دیتے اور حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے:

امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں الجرح والتعدیل کے مقدمہ میں امام ابن ابی حاتم رازی نے لکھا ہے کہ ان سے پاؤں کی انگلیوں میں خلال کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا، اس کے متعلق لوگوں میں کوئی چیز موجود نہیں پھر انھیں عبداللہ بن وہب رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کی حدیث بیان کی جسے سن کر فرمانے لگے یہ حدیث تو حسن ہے، پھر اس کے بعد ان سے جب بھی پاؤں کی انگلیوں کے خلال کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ اس کا حکم دیتے تھے۔

یہ سلف صالحین کا منہج تھا، جس پر چل کر انھوں نے اللہ کے فریضے کو ادا کیا اور فقہ اسلامی کی بنیاد رکھی، اسی غرض سے انھوں احادیث رسول کو جمع کیا اور اس پر کتب تالیف کیں اور اپنی کتب میں مختلف عنوانات پر مشتمل کتب، ابواب اور فصول قائم کیں۔اور اسلامی زندگی کی صورت کاملہ مدون کر دی، تاکہ اللہ کا دین آسانی کے ساتھ لوگ سمجھ جائیں اور ظلمات وضلالات سے بھی بچ سکیں۔

۱۲-جب حدیث رسول مل جاتی تو آرائے انسانیہ کو ترک کر دیتے اور حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے۔ان تمام نکات کے دلائل کے لیے راقم کی کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' جلد سوم ملاحظہ فرمائیں۔

تاریخ فتوی:

فتوی پوچھنے اور فتوی دینے کا سلسلہ تو نزول وحی کے وقت سے ہی جاری وساری ہے جس کا تذکرہ اجمالا يسألونك

(۳۳) الشرعة للآجري ص ٦١، مسند الدارمي (٤١٠) حلية الأولياء ٢/٢٩٤، الابانة (٥٤٧، ٥٤٨)

(٣٤) الابانة (٣٩٨) مسند الدارمى (٤١١) شرح أصول اعتقاد أهل السنة (٢٤٢) الشريعة للآجرى (٦٢)

(٣٥) مسند الدارمى (١٤١) السنة للمروزى (٨٣)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یستفتونك والی آیت میں موجود ہے، جنھیں پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے۔اور لوگ اپنے پیش آمدہ مسائل اور مشکل احکامات کے بارے میں شروع سے ہی فتوی طلب کرتے آئے ہیں اور رسول مکرم ﷺ وحی الٰہی کی روشنی میں انھیں جواب دیتے رہے اور پوری امانت دیانت کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے اللہ کی وحی کو لوگوں تک پہنچایا۔

آپ نے مختلف اوقات میں جو فتاوی صادر فرمائے وہ کتب احادیث میں مختلف مقامات پر بکھرے پڑے ہیں اور ان کا ذکر امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین عن رب العالمین ٤/٢٦٦-٤١٤، وفي نسخة ٩٣٣-١٠٤٠ بتحقيق زائد صبري بن أبي علفة ط: دار طيبة میں ذکر فرمایا ہے اور یہ فتاوی جات (فتاوی رسول اللہ ﷺ) کے نام سے خلیل مامون کی تحقیق کے ساتھ دار المعرفۃ بیروت سے بھی طبع ہو کر منظر عام پر آ چکے ہیں۔اور یہ کتاب اردو کے قالب میں بھی ڈھل چکی ہے۔حدیبیہ پبلی کیشنز رحمان مارکیٹ غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور سے مولانا جونا گڑھی رحمہ اللہ کے ترجمہ اور مولانا ابو یحیٰی محمد زکریا زاہد صاحب حفظہ اللہ کی تصحیح واضافہ کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات "موسوعة فتاوى النبي ﷺ ودلائل الصحيحة من السنة الشريفة" کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں دار الکتب العلمیۃ بیروت سے طبع ہو چکے ہیں۔

نبی مکرم ﷺ کے عہد مبارک کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بہت سارے مشکل مسائل کے بارے میں فتاوی صادر فرمائے اور تابعین عظام بھی اس کا اخیر سے پیچھے نہ رہے۔

"إمام ابن حزم الأندلسي المتوفى ٤٥٦ھ نے ایک کتاب بعنوان أصحاب الفتيا من الصحابة والتابعين ومن بعدهم على مراتبهم في كثرة الفتيا" مرتب کی جو سید کسروی حسن کی تحقیق کے ساتھ دار الکتب العلمیۃ بیروت نے طبع کی، جس میں ۴۵۲ مفتیان کرام صحابہ وتابعین وغیرہم کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

"ولقد تقصينا من روى عنه فتيا في مسألة واحدة فأكثر فلم نجدهم الأمانة ثلاثة وخمسين بين رجل وامرأة فقط مع شدة طلبنا في ذلك وتهممنا وليس منهم مكثرون الا سقه فقط وهم" عمر وابنه عبد الله، وعلي وابن عباس وابن مسعود وأم المؤمنين عائشة، وزيد بن ثابت ولا متوسطون فهم ثلاثة ثمر فقط يمكن أن يوجد في فتيا كل واحد منهم جزء صغير فهؤلاء عشرون فقط والباقون مقلون جدا فيهم من لم يرو عنه الا فتيا في مسألة واحدة فقط، ومنهم في مسألتين وأكثر من ذلك يجتمع من فتيا جميعهم جزء واحد". (٣٦)

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک یا زیادہ مسائل میں فتوی روایت کیے گئے ہیں ہم نے ان کو اچھی طرح سروے کیا ہے، ہمیں صرف ۱۵۳ مرد اور خواتین کا ذکر ملا ہے۔باوجود اس کے کہ اس کے بارے میں ہمیں شدید طلب اور تلاش تھی۔اور

(۳۶) الاحکام فی أصول الأحکام: ۴/۱۷۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان میں صرف سات صحابہ کرام ایسے ہیں جن سے کثیر تعداد میں فتاوی مروی ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) عمر (۲) عبداللہ بن عمر (۳) علی (۴) عبداللہ بن عباس (۵) عبداللہ بن مسعود (۶) ام المؤمنین عائشہ (۷) زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔

اور متوسط ۱۳ ہیں ممکن ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا مجموعہ فتاوی ایک چھوٹے سے جزء پر مشتمل ہو تو یہ کل ۲۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوئے اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت کم فتوی دینے والے تھے۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن سے صرف ایک مسئلہ میں فتوی روایت کیا گیا اور بعض نے دو یا اس سے زیادہ فتوی بیان کیے گئے ہیں۔ ان سب کے فتاوی جات کا ایک جزء میں مجموعہ تیار ہو سکتا ہے۔ عصر حاضر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی فتاوی جات کو مرتب کیا جا رہا ہے۔ اور دکتور محمد اواس قلعہ جی نے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاوی جات کو الگ الگ کتب میں اکٹھا کیا ہے جن کے تراجم ادارہ معارف اسلامی منصورہ سے طبع ہو چکے ہیں۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین کے شروع میں ہی فقہائے مدینہ، مکہ، بصرہ، کوفہ، شام، مصر، قیروان، اندلس، یمن اور بغداد کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ان کی یہ تفصیل امام حزم رحمہ اللہ کی فراہم کردہ معلومات سے ہی ماخوذ ہے۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ دوسری صدی ہجری میں اصول وضوابط کے اختلاف کے پیش نظر فقہاء کے دو گروہ بن گئے، ایک اہل حدیث کا گروہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیش نظر رکھ کر فتوی صادر کرتے تھے اور جب تک کسی حادثہ یا واقعہ کا وقوع نہ ہوتا فتوی صادر نہیں کرتے تھے اور دوسرا گروہ اہل الرائے کا پیدا ہو گیا جن میں عراق کے لوگوں کو غالب اکثریت تھی ان کا احادیث رسول کے ساتھ شغف کم تھا اور یہ غیر پیش آمدہ مسائل بلکہ محال اور غیر مکمل الوقوع مسائل فرض کر کے اپنی آراء کا اظہار کرتے تھے، جس کی تفصیل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اس گروہ نے اپنی کتب میں بے شمار ایسے مسائل جمع کر دیے جو محض آراء وقیاسات پر ہی مبنی ہیں اور ان کی پشت پر دلائل قرآن وسنت نہیں ہیں۔ ان کی فقہی کتب کا یہ حال ہے کہ اپنے مفروضہ مسائل کے حل کے لیے موضوعات وغیرہ سے بھی دریغ نہیں کرتے اور ہر طرح کی رطب ویابس اور غبار آلود باتیں جمع کرتے چلے جاتے ہیں، دلائل کے صحیحہ سے انھیں سروکار نہیں۔ مولوی حسین حمد مدنی سالار دیوبندی اپنی تقریر ترمذی میں فرماتے ہیں: ''امام صاحب سے متون تو منقول ہیں دلائل منقول نہیں ہیں، لہذا دلائل کا تسلیم کرنا ہم پر ضروری نہیں، اس سے مذہب حنفی پر کوئی زد نہیں آسکتی اور جو دلائل مذہب حنفیہ کے مطابق ہوں گے ہم ان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں''۔ (۳۷)

لہذا ان اصحاب الرائے کو دلائل سے غرض نہیں۔ یہ فتاوی جات میں بھی اپنے امام سے منقول روایت فقیہ کو رواج دیتے اور لکھتے ہیں۔ جبکہ اہل حدیث کا طرز نگارش فتوی مرتب کرنے میں ان سے جدا اور الگ ہے۔ اہل حدیث مفتی حتی الوسع فتوی مرتب کرنے میں قرآن حکیم اور احادیث وسنن رسول کو مدنظر رکھتا ہے اور اپنے فتوی میں قرآن وسنت کے دلائل وبراہین کا اندراج کرتا ہے اور سلف صالحین کا یہی طریقہ کار رہا ہے۔

☆☆☆

(۳۷) تقریر ترمذی اردو صفحہ ۷۲، ناشر: کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افتاء کے بعض شرائط وآداب

مولانا عبدالسلام مدنی
تکریا، کسمہی، ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر، یوپی

اسلام میں جملہ دینی امور کے شرائط وآداب واضح طور پر بیان کردیے گئے، چونکہ 'افتاء' ایک اہم شرعی امر ہے اس لئے اس کے بھی واجبات وفرائض اور آداب کی تشریح وتوضیح کردی گئی ہے۔

افتاء کی تشریح:

'افتاء' اور 'فتوی' عربی لفظ ہے جس کا معنی ومفہوم شرعی حکم اور فیصلہ کے ہیں۔

لغۃً: کہا جاتا ہے: أفتى افتاء فلانا فى المسألة: أبان له الحكم فيها وأخرج له فيها فتوى، والمفتى: الفقيه الذى يعطى الفتوىٰ ويجيب عما ألقى عليه من المسائل المتعلقة بالشريعة. (المنجد)

یعنی فلاں کے لئے کسی مسئلہ میں مفتی نے شریعت کا حکم بیان کیا اور فتویٰ دیا، اور مفتی اس فقیہ کو کہتے ہیں جس سے دینی امور دریافت کئے جاتے ہیں اور وہ شرعی حکم بیان کرتے ہیں۔

قرآنی تعبیر:

سورہ نساء میں 'افتاء' سے مشتق دو صیغے وارد ہوئے ہیں: 'یستفتونک' اور 'یفتیکم' اور یہ دونوں صیغے دو آیتوں میں آئے ہیں۔

(۱) اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ﴿ويستفتونك في النساء قل الله يفتيكم فيهن﴾ الآية (النساء:۱٤٧) یعنی 'آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ خود اللہ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے۔ (آیت مذکورہ میں اس کے بعد یتیموں سے شادی کرنے سے متعلق آیت ۳ کی طرف اشارہ ہے)

(۲) اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ يستفتونك قل الله يفتيكم فى الكلالة﴾ (النساء: ۱۷٦) یعنی آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ (خود) تمہیں 'کلالۃ' کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔

'کلالۃ' سے مراد وہ میت ہے جس کا باپ ہو نہ بیٹا۔

'افتاء' اور 'فتویٰ' کے لغوی بیان اور دونوں آیتوں سے ان کی تشریح ہوجاتی ہے۔

افتاء کی شرط اولین:

افتاء، قضاء، تبلیغ دین اور خود عمل کرنے کے لئے اسلام میں شریعت کا علم شرط اولین ہے، امام بخاریؒ نے اپنی جامع

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ایک باب بایں الفاظ باندھا ہے: باب العلم قبل القول والعمل، لقول الله عز وجل: ﴿فاعلم أنه لا إله إلا الله واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات﴾ (محمد:۱۹) فبدأ بالعلم (بخاری ج۱، ص۱۶) یعنی کسی شرعی قول وعمل کے صحیح ہونے کے لئے علم شرط اولین ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿فاعلم أنه......الخ﴾ والی آیت مبارکہ میں 'فاعلم' کا لفظ پہلے ذکر فرمایا ہے، اس کے بعد استغفار ذنب کا حکم دیا ہے۔ (فتح الباری جلد۱، ۱۶۰)

اللہ تعالیٰ نے شریعت میں بغیر علم کے کچھ کہنے کو شرک سے بڑا گناہ بتلایا ہے۔ فرمایا: ﴿قل إنما حرم ربي الفواحش......وأن تقولوا على الله ما لا تعلمون﴾ (الأعراف:۳۳)

ترجمہ: 'آپ فرمایئے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو، اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو، اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی ہے، اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس کو تم جانتے نہیں'۔

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں: اس آیت کریمہ میں محرمات کے چار مراتب بیان کئے گئے ہیں، پہلے سب سے ہلکا 'فواحش'، پھر اس سے شدید حرمت والا 'اثم اور ظلم' پھر ان دونوں سے شدید تر حرمت والا 'شرک' اور پھر عظیم تر حرام دینی امور میں 'بلا علم' کچھ کہنا۔ (شرح العقیدۃ الواسطیۃ، ص۵۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شرعی مسائل کے بیان کرنے کے شرائط وآداب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يا أيها الناس! من علم شيئا فليقل به، ومن لم يعلم فليقل : الله أعلم......الخ. متفق عليه ، (أخرجه البخاري في الاستسقاء ومسلم في التوبة. مرعاة ج۱، ص ۳۵۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! جو انسان دینی بات کا علم رکھتا ہے وہ بیان کرے، اور نہ جانتا ہو (تو جواب میں) 'واللہ اعلم' کہے، اس لئے کہ یہ اسلوب علم شریعت کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ﴿قل ما أسئلكم من أجر وما أنا من المتكلفين﴾ (ص:۸۶) ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (دعوت وتبلیغ) پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف (۱) کرنے والوں میں سے ہوں''۔

(۱) ''یعنی اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کردوں جو اس نے نہ کہی ہو''۔

افتاء اور قضاء کی دوسری اہم شرط:

افتاء اور قضاء میں حلال اور حرام، جائز اور ناجائز کا حکم لگانا اور فیصلہ کرنا رہتا ہے، اس لئے حق وصواب جاننے کے لئے مفتی اور قاضی پر بڑی ذمہ داری آتی ہے کہ صحیح فتویٰ دے اور حق فیصلہ کرے، اس کے لئے اس کو شرعی دلائل معلوم کرنے کے خاطر جہد مسلسل سے کام لینا ہے، اسی وجہ سے حدیث پاک میں آیا ہے: إذا حكم الحاكم فاجتهد، فأصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد، فأخطأ فله أجر واحد. متفق عليه (رواه عبد الله بن عمرؓ وأبو هريرةؓ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی جب حاکم نے حکم لگانے میں انتہائی کدوکاوش کی اور حق وصواب پالیا تو اس کو دوہرا ثواب ملتا ہے (ایک اجتہاد کا اور دوسرا اصابت حق کا) اور جب اجتہاد کے باوجود خطا ہوگئی تو اسے ایک اجر ملتا ہے (اجتہاد کا) (بخاری ومسلم)

حدیث شریف میں عدم علم اور جہالت کے باوجود فیصلہ کرنے والے پر جہنمی ہونے کی وعید شدید وارد ہوئی ہے:

عن بريدة، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: القضاة ثلاثة: واحد فى الجنة، واثنان فى النار. فأما الذي في الجنة: فرجل عرف الحق فقضىٰ به، ورجل عرف الحق فجار فى الحكم فهو فى النار، ورجل قضىٰ للناس على جهل فهو فى النار. رواه أبوداؤد وابن ماجه، قال الشيخ الألبانيؒ : حديث صحيح. (مشكوٰة ج ٤، ص١١٠٣)

یعنی "فیصلہ کرنے والے (قضاۃ) تین قسم کے ہیں: ایک جنت میں اور دو جہنم میں۔ پس جس انسان نے حق کی معرفت حاصل کی پھر وہی فیصلہ کیا وہ جنت میں ہوگا، اور جس نے حق جان کر ظلم وجبر کا حکم صادر کیا، اور ایسے جو جہالت کے باوجود لوگوں کے مابین قضاء کرتا ہے، یہ دونوں جہنم میں ہوں گے" (اللہ کی پناہ) (ابوداؤد، ابن ماجہ، حدیث صحیح)

طریقہ استدلال:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ کیا تو دریافت فرمایا: كيف تقضى......؟ قال: اقضى بكتاب الله، قال: فإن لم تجد فى كتاب الله؟ قال: فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال: فإن لم تجد فى سنة رسول الله ؟ قال: اجتهد رائى ولا آلو. قال: فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم على صدره، وقال: الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لما يرضى به رسول الله. رواه الترمذى وأبوداؤد...... (التنقيح مع المشكوٰة، الربع٣/ ص ١٢١)

یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار کیا اے معاذ لوگوں کے مابین قضاء کیسے کروگے؟ جواب میں کہا کتاب اللہ کے ذریعہ۔ پھر آپ نے کہا کہ اگر کتاب اللہ سے فیصلہ نہ پاسکو تو؟ جواب دیا: سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ آپ نے فرمایا سنت میں اگر نہ پاؤ؟ کہا حتی الامکان کوشش کر کے قیاس واجتہاد سے فیصلہ کروں گا۔

راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اللہ پاک کے لئے سب تعریف ہے جس نے میرے قاصد کو ایسی توفیق عنایت فرمائی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی اور خوشی کا باعث ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد وغیرہ)

قال الشيخ الالبانى: إسناده ضعيف وإن احتجوا به. (مشكوٰة للألبانى ج ٤، ص ١١٠٣)

یعنی شیخ البانیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث معاذ بن جبلؓ کی سند ضعیف ہے مگر علمائے اصول نے اس سے حجت پکڑی ہے لیکن محدثین کرام جیسے امام بخاری، ترمذی اور ابن جوزی وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن الجوزیؒ ضعف بیان کرکے مزید لکھتے ھیں: وان کان الفقھاء کلھم یذکرونه فی کتبھم ویعتمدون علیه، وإن کا ن معناه صحیحا. (التنقیح الربع ۳/ ص ۱۲۱)
یعنی سب فقہاء اپنی کتابوں میں حدیث معاذ کو حجت بناتے اور اس پر اعتماد کرتے ہیں (مگر حدیث ضعیف ہے) اور اس کا معنی صحیح ہے۔

علامہ ابن القیمؒ حدیث معاذ ذکر کر کے لکھتے ہیں: اس کی سند میں 'عن اصحاب معاذ' یعنی شاگردان معاذ بغیر نام اور 'غیر مسمین' مذکور ہیں مگر ان سب کا علم، دین، فضل اور صدق میں جو مقام عالی ہے وہ کسی پر مخفی نہیں، بنا بریں 'غیر مسمین' ہونا حدیث میں قادح نہیں ہے۔

پھر علامہ نے اجتہادات صحابہ کرام ذکر کیا ہے جس سے مضمون حدیث کی تائید کر رہے ہیں۔

صاحب تحفۃ الاحوذیؒ نے علامہ ابن القیم کی بات کی تائید کی ہے، مگر صحت حدیث کے بارے میں 'عندی کلام' کہا ہے۔ یعنی حدیث معاذ کا معنی ثابت اور صحیح ہے مگر سند میں کلام ہے۔ (الملیح ص ۱۶۸ نقلا عن التحفۃ، ج ۳ ص ۵۵۹)

حجت سنت:

حجت حدیث کے بارے میں حدیث معاذؓ سے یہ شبہ نہ ہو کہ سنت کا مقام قرآن کے بعد دوسرا ہے بلکہ ثبوت حدیث کے بعد واجب العمل اور لزوم میں وہی حیثیت ہے جو قرآن کریم کی ہے۔ حدیث معاذؓ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسئلہ کی دلیل قرآن مجید میں ملے تو اس سے استدلال کیا جائے، اور چونکہ قرآن عزیز عام طور پر محتاج وضاحت ہے اور یہ توضیح وتشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی ہے اس لئے سنت سے اس کی تبیین کی جائے، ارشاد ربانی ہے: ﴿وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم ولعلهم يتفكرون﴾ (النحل: ٤٤)

ترجمہ: "یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں شاید کہ وہ غور وفکر کریں"۔

دوسری آیت کریمہ میں اللہ پاک نے 'اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' کا مقام بایں الفاظ بیان فرمایا ہے: ﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله ومن تولى فما أرسلناك عليهم حفيظا﴾ (النساء: ۸۰) یعنی "اس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو اطاعت کرے اسی نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرادی کی۔ اور جو منہ پھیرے تو ہم نے آپ کو کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا"۔

اور حضرت مقداد بن معدیکربؓ کی ایک مرفوع روایت ہے: ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه …… وإن ما حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم كما حرم الله. الحديث. رواه أبوداؤد، قال الشيخ الألبانيؒ: رواه بسند صحيح. (مشكوٰة ج ۱، ص ۵۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت مقدادؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگو! سنو میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن دیا گیا ہوں اور اسی کے ساتھ قرآن کا مثل دیا گیا ہے...... اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرام کردہ اشیاء ویسے ہی ہیں جیسے اللہ پاک نے حرام کیا ہے۔ (ابوداود، حدیث صحیح)

امام بیہقیؒ نے اس حدیث کی دو توجیہیں ذکر کی ہیں:

(۱) یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح سے وحی ظاہر متلو (یعنی قرآن شریف) سے نوازے گئے ہیں اسی طرح وحی باطن غیر متلو (یعنی احادیث مبارکہ) بھی دیئے گئے ہیں۔

(۲) توجیہ یہ کہ آپ وحی متلو قرآن کریم سے جیسے سرفراز ہوئے ویسے ہی اس کی تبیین وتشریح کا حق دیئے گئے ہیں کہ کسی حکم کو عام یا خاص کریں یا قرآن پاک سے زائد اشیاء کو آپ حلال اور حرام ٹھہرائیں "فيكون ذلك في وجوب الحكم ولزوم العمل به كالظاهر المتلو من القرآن"يعني أوتيت القرآن، ومواعظ، وامثالا تماثل القرآن فی کونها واجبة القبول اور انها فی المقدار. (مرعاة ج ١، ص ٢٥٩)

یعنی میں قرآن، احکام، مواعظ اور امثال دیا گیا ہوں جو واجب القبول ہونے میں قرآن کے مثل ہیں، یا ان کی مقدار قرآنی تعداد بیان کے برابر ہے۔ (مرعاۃ ج۱، ص۲۵۹)

اور علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں: المراد 'مثله' في وجوب الطاعة ولزوم العمل به.. انتهى. (مرعاۃ ج۱، ص٢٦٠)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حلال یا حرام کردہ اشیاء وجوب طاعت اور لزوم عمل میں اللہ کے ذکر کردہ حلال یا حرام کے مثل ہیں اور یہ بات جملہ اہل علم جانتے ہیں کہ صلاۃ، زکاۃ وغیرہ کا بیان صرف احادیث پاک میں ہے اور ان جملہ اشیاء کی فرضیت میں ادنیٰ فرق نہیں ہے۔

مفتی اور قاضی کے لئے ضروری ہے کہ طرق استدلال اور استخراج مسائل کے لئے محدثین کرام کی تبویب اور ترجمۃ الباب اپنے پیش نظر رکھیں، اہل علم کے مابین مشہور مقولہ ہے 'فقه البخاري في تراجمه' کہ امام بخاریؒ کی فقاہت ان کے تراجم باب سے آشکارہ ہے۔ بخاری شریف کے چند باب دیکھ کر پڑھا لکھا فرد ان اسالیب کو نوٹ کرسکتا ہے۔

امام بخاریؒ پہلے مناسب آیت ہوتی ہے تو اسے ذکر کرتے ہیں پھر مرفوع متصل روایت لانے سے قبل مناسب آثار صحابہ کرام ہوتا ہے تو بیان کرکے مرفوع روایت لاتے ہیں۔ آثار ذکر کرنے کے بعد ان کی نگاہ میں بہت سے فوائد ہوتے ہیں کہیں کہیں اس کا بھی اشارہ رہتا ہے کہ "ما أنا عليه وأصحابي اليوم" کہ جس پر میرا اور صحابہ کرام کا آج عمل ہے وہی لائق اعتبار اور نجات کا ذریعہ ہے، اس کا بیان ہوجائے اور ساتھ ساتھ کہیں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مرفوع روایت کا حکم منسوخ نہیں ہے وغیر ذلک۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام بخاریؒ رقمطراز ہیں: كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم : بني الإسلام على خمس، وهوقول وفعل، ويزيد وينقص. قال الله تعالىٰ :﴿ ليزدادوا إيمانا مع إيمانهم،......،......﴾والحب في الله والبغض في الله من الايمان،......،...... باب حلاوه الايمان، عن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ثلاث من كن فيه وجد حلاوة الإيمان.. الحديث. (بخاری ج ا،ص ۷)

امام بخاریؒ نے کتاب الایمان قائم کر کے اور 'بنی الاسلام' حدیث کے ٹکڑے کا باب باندھا ہے کہ ایمان اور اسلام شرعی طور پر ایک ہیں اور ایمان مرکب ہے بسیط نہیں اور ایمان کے اجزاء میں قول وفعل داخل ہیں اور ان میں کمی وبیشی ہوتی ہے تو ایمان میں بھی زیادتی اور کمی ہوتی ہے۔ پھر ایمان کی زیادتی کے دلائل میں کئی آیات ذکر کئے ہیں نیز حب وبغض فی اللہ ایمان میں سے ہے اور ان میں تفاوت ہوتا ہے اور حلاوت وشیرینی ایمان کی حاصل ہوتی ہے اور اس میں بھی زیادتی اور کمی ہوتی ہے یہ سب دلائل ایمان کی صحیح تشریح پیش کرتے ہوئے ذکر کئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ ہلکی سی جھلک ہے امام بخاری کے اسلوب استدلال کی۔ امام بخاری کی تبویب کہیں کہیں دقیق اور کبھی ادق تر ہوتی ہے۔

علمائے اسلام بخاری کی تبویب کے بعد امام نسائی کے تراجم الباب کا تذکرہ کرتے ہیں ان کے یہاں تنویع ابواب خوب ہے حدیث کے ہر اہم جزء پر الگ الگ باب باندھے ہیں جس سے استدلال کا اسلوب معلوم ہوتا ہے کہیں کہیں باریک استدلال بھی کیا ہے۔

کتاب الطلاق میں کئی استدلال اسی انداز کے ہیں۔ ایک باب باندھا ہے 'متى يقع طلاق الصبي' یعنی نابالغ بچہ طلاق دے تو پڑے گی کہ نہیں اور حدیث ذکر کی ہے: حدثني ابناء قريظة انهم عرضوا على رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم قريظة، فمن كان محتلما أو نبتت عانته قتل، ومن لم يكن محتلما أو لم تنبت عانته ترك. (النسائي،ج ٢ ص ٨٧)

حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ سے ہجرت کے بعد معاہدہ امن اور حفاظت مدینہ وغیرہ پر اتفاق کیا تھا مگر جنگ خندق انہیں یہودیوں کی غداری سے ہوئی، احزاب کو انہوں نے جنگ مدینہ پر آمادہ کیا اور عملی طور پر احزاب کا ساتھ دیا، اس بنا پر خندق سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقریظہ کا محاصرہ کر لیا وہ مجبور ہو کر بالآخر اپنی پسند سے حضرت سعد بن معاذؓ کو اپنا حکم بنالیا کہ وہ ہمارے بارے میں جو فیصلہ کریں گے ہم تسلیم کرلیں گے، حضرت سعدؓ نے فیصلہ کیا کہ ان کے بالغ مقاتلین مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور نابالغ بچوں کو قتل نہ کیا جائے بلکہ اسیر اور قیدی بنا لیا جائے اور یہی فیصلہ رب ثابت ہوا۔ اسی واقعہ سے متعلق 'ابناء قریظہ' کی روایت ہے کہ: 'یوم قریظہ کو ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کئے گئے جو بالغ یا زیر ناف بال والے تھے وہ قتل کر دیئے گئے اور جو بالغ یا زیر ناف بال والے نہیں تھے انہیں چھوڑ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا گیا (قتل نہیں کیا گیا) (نسائی، ج۲،ص۸۷)

امام نسائیؒ کا استدلال ہے کہ نابالغ کے کفر کا اعتبار نہ کرکے انہیں قتل نہیں کیا گیا تو بچہ کی طلاق جو کفر سے بہت کم تر ہے اس کا اعتبار بدرجہ اولیٰ نہیں ہوگا اور طلاق نہیں پڑے گی۔ واللہ اعلم

امام نسائیؒ کا ایک اور باب ہے: الحكم بالتشبيه و التمثيل، یعنی مشابہت اور قیاس سے حکم لگانا۔

اور حدیث ابن عباسؓ ذکر کی ہے: إن رجلا سأل النبي صلى الله عليه وسلم: ان أبي أدركه الحج وهو شيخ كبير لا يثبت...... أفأحج عنه؟ قال: أفرأيت لو كان عليه دين فقضيته اكان مجزئا؟ قال: نعم، قال: فحج عن أبيك. (النسائی، ج۲،ص۲۵۹)

یعنی ایک صحابیؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ میرے والد بڑے بوڑھے ہیں اور ان پر فریضۂ حج عائد ہوگیا ہے تو کیا میں ان کی جانب سے حج بدل کردوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تم اپنے والد کے واجبی قرض کو ادا کرتے تو ادا ہوجاتا تو یا نہیں؟ صحابی نے کہا ہاں ادا ہوجاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اپنے والد کی جانب سے حج کرو۔ (نسائی، ج۲،ص۲۵۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استدلال: اس ضمنی عنوان کے سلسلے میں ۲؍روایتیں ذکر کررہا ہوں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں ہم صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے تشہد میں کہتے تھے: السلام على فلان، وعلى فلان. یعنی جبرئیل، میکائیل وغیرہما کا نام لے کر سلامتی کی دعا کرتے تھے آپ نے منع کردیا اور سکھلایا: السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، فانه إذا قال ذلك أصاب كل عبد صالح في السماء و الأرض ...... متفق علیہ (مشکوٰۃ ج۱،ص۲۸۶)

یعنی سلامتی ہم پر ہو اور اللہ کے جملہ صالحین بندوں پر ہو۔ جب مصلی یہ دعا پڑھے گا تو زمین اور آسمان میں اللہ پاک کے جتنے نیک اور صالح بندے ہیں سب پر سلامتی کی دعا ہوجائے گی۔ (بخاری ومسلم)

(۲) عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الخيل لثلاثة، لرجل أجر ولرجل ستر وعلى رجل وزر...... وسئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الحمر فقال: ما أنزل على فيها شيء إلا هذه الآية الجامعة الفاذة ﴿فمن يعمل مثقال ذره خيرا يره و من يعمل مثقال ذرة شرا يره﴾ (الزلزلة :۷،۸)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گھوڑا کسی رکھنے والے کے لئے باعث اجر وثواب ہوتا ہے جبکہ اسے جہاد کے لئے رکھا ہو، اور کسی کے لئے سبب استغناء وبے نیازی ہوتا ہے کہ اپنی ضروریات میں مجھے غیر کا حاجتمند نہ بننا پڑے اور کسی کے لئے وجہ جرم ومعصیت ہوتا ہے جبکہ گھوڑے کو اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی یا ریاء ونمود اور فخر ومباحات کے مقصد سے رکھا ہو۔

اسی سیاق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا: گدھے کے بارے میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(کوئی خاص آیت نازل نہیں کی گئی ہے) مگر یہ آیت کریمہ جو بڑی جامع اور منفرد و بے نظیر ہے: ﴿فمن یعمل......الخ﴾ یعنی جو ذرہ برابر کوئی خیر کرے گا اس کا بدلہ وہ پا جائے گا۔

مذکورہ دونوں روایتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صیغہ عموم سے استدلال ہے۔آخری آیت میں صیغہ عموم والی آیت کو'الجامعۃ الفاذۃ' سے تعبیر فرمایا ہے۔

ابن مسعودؓ کا فتویٰ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کی قوم کے لوگوں نے ایک مسئلہ دریافت کیا کہ ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی، مہر متعین نہیں ہوا نہ ہی زوجین کا باہم اجتماع ہوا اور شوہر وفات پا گیا (عورت سے متعلق احکام جاننا چاہتے تھے)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سے آج تک اس سے شدید اور دشوار مسئلہ میں نہیں پوچھا گیا ہوں، کسی غیر سے فتویٰ لے لو۔قوم کے لوگ ایک ماہ تک بار بار آتے جاتے رہے آخر میں قوم کے لوگوں نے کہا آپ اس شہر میں اجلہ صحابہ کرام میں سے ہیں اور کسی غیر کو ہم یہاں نہیں پاتے ہیں آپ سے مسئلہ دریافت نہ کریں تو کس سے کریں؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنی انتہائی جہد وکوشش کے بعد رائے سے کہتا ہوں، اگر صواب و درست ہو تو صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی جانب سے ہے اور اگر خطا و غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس عورت کے لئے مہر مثل ہے (یعنی اس کے خاندان کی ہم مثل عورت کا مہر) نہ اس میں کمی نہ زیادتی اور عورت شوہر سے وراثت پائے گی اور وفات کی عدت ۴ ماہ ۱۰ دن گزارے گی۔

یہ فتویٰ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جہاں بیان کیا وہاں بنو اشجع کے لوگ موجود تھے ان سب لوگوں نے گواہی دی کہ ہماری قوم کی عورت جس کا نام بروع بنت واشق تھا اس کا قضیہ بھی ایسا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فیصلہ فرمایا تھا جو آپ نے کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے اجتہادی مسئلہ کی موافقت قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر انتہائی خوش ہوئے'اللہ اکبر' دونوں ہاتھ بلند کر کے باآواز کہا، اتنے خوش اسلام لانے کے موقع پر دیکھتے گئے تھے۔(قال الشیخ الالبانی" حدیث صحیح، نسائی ص ۵۱۹)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فتویٰ دینے میں دلیل نہ ہونے پر کتنا اپنے آپ کو بچا رہے ہیں اور قیاس آخری درجہ میں کر رہے ہیں۔رضی اللہ عنہ وعن جمیع الصحابۃ

اللهم إني أسألك علما نافعا، وعملا متقبلا، ورزقا طيبا واسعا وشفاء من كل داء، آمین ثم آمین۔☆

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عصر حاضر میں افتاء اور دارالافتاء کی اہمیت وضرورت

مولانا عبدالعزیز حقانی
جامعہ اصلاح المومنین، برہیٹ، صاحب گنج، جھارکھنڈ

آج اس ترقی یافتہ دور میں زندگی کے تقریباً ہر شعبہ میں نت نئے مختلف قسم کے مسائل ابھر کر ہمارے سامنے آرہے ہیں۔ آج سے نصف صدی قبل شاید ہی کسی کے وہم وگمان میں رہا ہو کہ یہ سب مسائل وجود پذیر ہونے والے ہیں۔ جوں جوں ترقیوں کی راہیں کھلیں سیکڑوں مسائل نے جنم لے لیا۔ بطور مشتے نمونہ از خروارے چند مسئلوں کا ذکر کرتا ہوں:

مکہ کی رؤیت ہلال پر پورے عالم اسلام کے لیے صوم رمضان، صوم عرفہ، صوم عاشوراء، عید الفطر اور عید قرباں مکہ کی تاریخ کے مطابق کرنے اور نہ کرنے کا مسئلہ۔ اسی طرح ٹی وی، ریڈیو اور موبائل سے سجدہ والی آیت پر سجدہ تلاوت کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ، نیز ٹیلی گراف، ٹیلیفون، انٹرنیٹ اور موبائل کے ذریعہ نکاح وطلاق، پٹرول سے وضوء، غسل اور کپڑا صاف کرنا یا نہ کرنا، ٹرین میں نماز پڑھنے کا مسئلہ، کارخانوں کے حصص اور شیئرز پر زکاۃ کا مسئلہ، بینک میں روپئے جمع رکھنے اور سودی رقم کے مصرف کا مسئلہ، بیمہ کرنا کیسا ہے؟ خون سے حرمت نسب ثابت ہوگی یا نہیں، بلڈ بینک کا مسئلہ، ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ متعدد کمپنیوں کی طرف سے کاروبار کے مختلف طریقے چل پڑے ہیں، اس میں حصہ دار بننا شرعاً کیسا ہے؟ غیر ملکی رقوم کی خرید وفروخت کا مسئلہ، وغیرہ وغیرہ، قدیم وجدید ان گنت وبے شمار مسائل ابھر کر سامنے آتے رہتے ہیں۔

ان انواع واقسام مسائل کو حل کرنے، اسلام کی صحیح رہنمائی کرنے، زندگی کو اسلامی اصول وآداب کے مطابق ڈھالنے، عقائد، عبادات، احکام معاشرت ومعیشت اور دیگر تمام معمولات زندگی کو اسلامی دستور اور خطوط پر استوار کرنے میں فتاوی کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں، کیونکہ زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی اصول وآداب کو ملحوظ رکھنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ سچے مسلمان کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر کام میں اسلامی حدود وقیود کی رعایت کرتا ہے۔ اگر اس سلسلہ میں ناآشنا اور ناواقف ہے تو معلومات حاصل کرنے کے لیے اہل علم (مفتی) کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور جانکاری حاصل کرنے کے بعد وہ عمل کرتا ہے، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ اہل علم سے پوچھ لو اگر خود تمہیں علم نہ ہو۔

اس کلام ربانی میں اپنے عموم کے اعتبار سے علماء کی طرف رجوع کرنے کی تاکید ہے۔ نیز اس میں یہ حکم ہے کہ علماء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ذریعہ سے نصوص شریعت معلوم کریں، کسی بھی چیز کو اپنے معمولات میں لانے سے پہلے اس کے متعلق جانکاری ضروری ہے کہ اس کے بارے میں شریعت مطہرہ کا فیصلہ کیا ہے؟ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری (ج۱،ص:۱۶) میں "باب العلم قبل القول و العمل" تحریر کیا ہے۔ یعنی کسی بات کے کہنے یا عمل کرنے سے پہلے علم کا ہونا ضروری اور لازمی ہے تاکہ قول وعمل غلط اور باطل نہ ہو، خواہ مسئلہ کی صورت میں ہو یا مشورہ کی شکل میں، دینی باتیں ہوں یا دنیوی امور۔ اسی طرح عمل عبادات میں ہو یا معاملات میں ہو، کتاب وسنت کی روشنی میں اس کے صحیح اور درست ہونے کا علم ضروری ہے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک سفر میں نکلے۔ ہم میں سے ایک آدمی کے سر پر پتھر لگا اور وہ زخمی ہوگیا۔ اسی حالت میں اسے احتلام کی نوبت پیش آگئی۔ اس نے اپنے رفقاء سفر سے دریافت کیا کہ آیا میرے لیے تیمّم کرنے کی گنجائش ہے؟ جواب ملا کہ جب تمہیں پانی کے استعمال کی طاقت ہے تو ہم تیرے لیے رخصت نہیں پاتے، اپنے ساتھیوں کے کہنے کی بنا پر اس نے غسل کرلیا اور فوت ہوگیا۔ جب ہم واپس ہوئے تو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے فوت ہونے کی اطلاع دی۔ (سارا واقعہ بیان کیا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں نے اسے قتل کردیا اللہ کی مار ہو ان پر، جب انھیں مسئلہ کی نوعیت کا علم نہیں تھا تو انھوں نے دریافت کیوں نہیں کیا؟ بے خبری اور عدم واقفیت کا علاج دریافت کرنا ہے۔ (سنن ابوداؤد،ص:۴۹)

اس حدیث سے یہ واضح ہوگیا کہ کوئی شخص بغیر علم کسی طرح کا کوئی مسئلہ بیان کرے اور نہ ہی اس پر عمل کرے، بلکہ جانکاری حاصل کرنے کے لیے اہل علم اور ماہر شریعت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ خصوصا منصب افتاء علمی حلقوں میں نہایت مشکل، دقیق اور اہم سمجھا جاتا ہے، کیونکہ فتوی عام ہوا کرتا ہے اور اس کا حکم صرف مسائل تک محدود نہیں ہوتا ہے بلکہ آئندہ جسے بھی مسئلہ کی یہی مخصوص صورت پیش آئے گی اس کے لیے وہی جواب ہوگا۔

فقہ کی ہزاروں متماثل جزئیات اور ان کے متعلقہ مسائل میں تھوڑے تھوڑے فرق اور نوعیت کے معمولی اختلاف سے حکم کا تفاوت محسوس کرنا اور الگ الگ حکم لگانا عمیق علم اور گہرا مطالعہ کا متقاضی ہے، جو ہر عالم بلکہ ہر مفتی کے بس کی بات نہیں ہے۔ ہاں! جن کا کتاب وسنت سے گہرا تعلق ہو اور ذہن وذکاء کے ساتھ استنباط مسائل اور استخراج جزئیات پر قادر ہو وہ مسائل کے تھوڑے تھوڑے فرق اور معمولی اختلاف سے حکم کے تفاوت کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلاف کرام اس منصب سے گریزاں رہتے تھے۔ اور فتوی دینے سے پرہیز کرتے تھے اہلیت فتوی کے باوجود دوسروں کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ بارہا میں نے دیکھا کہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے اختلافی مسائل پوچھے جاتے تو آپ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاف فرما دیتے مجھے کچھ معلوم نہیں۔امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے ابن عیینہ رحمہ اللہ جیسا عظیم المرتبت مفتی نہیں دیکھا مگر وہ بھی بعض مسائل میں ''مجھے معلوم نہیں'' بڑے ہی سہج انداز میں فرماتے۔اسی لیے خود امام صاحب بھی ''میں نہیں جانتا'' کہنے پر عار محسوس نہیں کرتے۔

ایک عرب نے امام مالک رحمہ اللہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:''میں نہیں جانتا''۔اس نے بڑے تعجب سے کہا: امام صاحب آپ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا۔آپ نے فرمایا: ہاں، ہاں! میں نہیں جانتا تو جا اوراوروں سے بھی یہ کہہ دے کہ مالک اس مسئلہ سے بے علم ہے۔امام عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد (احمد بن حنبل) سے اکثر مسائل میں سنا کرتا تھا کہ ''میں نہیں جانتا''۔

امام عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سوبیس صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا اور میں نے انہیں دیکھا کہ حدیث بیان کرنے والا اور فتوی دینے والا اس بات کا انتظار کرتا کہ میرے علاوہ کوئی اور حدیث بیان کرے اور فتوی دے۔ اسی طرح جب ان سے سوال ہوتا تو ان کی یہی چاہت ہوتی کہ کاش! کوئی اور بول دے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہم کے پاس معاویہ بن ابوعیاش بیٹھے ہوئے تھے۔اتنے میں محمد بن ایاس بن بکیر آئے اور مسئلہ پوچھا کہ بادیہ نشینوں میں سے کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، فرمایئے آپ کیا فتوی دیتے ہیں؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا ہمارا اس میں کوئی قول نہیں ہے، تم عبداللہ بن عباس اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ، میں انہیں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں۔تم ان سے دریافت کر کے پھر ہمیں بھی خبر کرنا کہ کیا جواب دیا، سائل وہاں پہنچا۔مسئلہ پوچھا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بھائی اس مسئلہ میں تم ہی فتوی دو، آپ نے فرمایا: پہلی طلاق میں تو وہ جدا ہوگئی اور تیسری طلاق نے اسے حرام کردیا، جب تک اور سے نکاح نہ کرلے۔پھر اس کے بعد وہ دوسرا خاوند مر جائے یا طلاق دے دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جو شخص ہر ایک مسئلہ میں فتوی دیتا ہے سمجھ لو وہ پاگل ہے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی یہی ہے۔سحنون بن سعید فرماتے ہیں: فتوی دینے میں دلیر وہی ہوتا ہے جو علم سے کورا ہو۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ تین قسم کے لوگ فتوی دیتے ہیں: وہ عالم جو قرآن مجید کے ناسخ ومنسوخ کا علم رکھتا ہو یا امیر جسے بغیر فتوی دیئے چارہ ہی نہیں، یا پھر احمق جو ادھر ادھر کی گھڑ گھڑا جو زبان پر چڑھا وہ بک دے۔ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے کی دو قسموں میں تو میں نہیں ہوں، اور تیسری قسم کا بننا میں پسند نہیں کرتا۔(اعلام الموقعین ج اص ۳۳-۳۴)

مذکورہ بالا بیانات سے یہ واضح ہوگیا کہ ہمارے اسلاف فتوی دینے سے غایت درجہ پرہیز کرتے اور احتیاط برتتے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔

افتاء کی شان واہمیت بہت زیادہ ہے۔خود اللہ تعالی نے فرمایا، ملاحظہ ہو: ﴿ويستفتونك في النساء قل الله يفتيكم فيهن وما يتلى عليكم في الكتاب" (۲/۱۲۷) اسی طرح فرمایا: ﴿يستفتونك قل الله يفتيكم في الكلالة﴾ (۲/۱۷۶)

افتاء کی عظمت ورفعت اور قدر ومنزلت کے لیے یہ کافی ہے کہ رب العالمین نے افتاء کی نسبت خود اپنی طرف کی ہے۔ امت مسلمہ کے سب سے پہلے مفتی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے آپ ﷺ کے بہت سارے فتاوے کو اعلام الموقعین جلد چہارم میں نقل فرمایا ہے، آپ کے فتاوی حکمت سے لبریز اور جامع ہوا کرتے تھے۔ یہ دولت ونعمت آپ کو رب العزت کی طرف سے ملی تھی۔

اسی اہمیت کے پیش نظر ائمۂ کرام نے افتاء کی شرائط متعین کردی ہیں تاکہ ہرکس وناکس افتاء کی جرأت نہ کرے، نیز حدیث میں بھی بے علم اور بے صلاحیت مفتی کے لیے بڑی وعید آئی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے نام سے وہ بات کہے جو میں نے نہیں کہی ہے وہ اپنی جگہ جہنم میں بنالے۔ (بخاری، ص ۲۰) کسی شخص کو بے علمی کے ساتھ فتوی دیا جائے اس کا گناہ اس پر ہوگا جس نے فتوی دیا، جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کا بھلا کسی اور چیز میں دیکھے پھر غلط اور خلاف مشورہ دے اس نے اس کی خیانت کی۔ (ابوداود ص ۵۱۵)

امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور دیگر ائمہ ومحدثین کرام رحمہم اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فتوی دینے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے، بلکہ بہت سی جگہوں میں "لا أدري" (مجھے معلوم نہیں) کہہ کر کام چلا لیتے۔ اور کبھی ایک مسئلہ کے بارے میں ہفتوں تک غور وفکر کرتے رہتے، خصوصا امام مالک رحمہ اللہ فتوی صادر کرنے میں بہت زیادہ ہی احتیاط برتتے تھے۔ فتوی دینے سے قبل کافی غور وفکر کرتے اور جنت وجہنم کا تصور کرکے جواب دیتے۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کبھی کبھی ان سے پچاسوں مسئلے پوچھ لیے جاتے مگر کسی کا بھی جواب نہیں دیتے تھے۔ وہ کہا کرتے کہ جب کسی سے سوال کیا جائے تو اسے چاہیے کہ جواب دینے سے پہلے جنت وجہنم کا تصور کرے۔ اور خوب اچھی طرح سوچ لے کہ اسے آخرت میں کیوں کر نجات ملے گی۔ (فتاوی ومسائل ابن الصلاح)

جب ہم اپنے اسلاف کرام، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام اور ماضی قریب کے علمائے دین اور مفتیان کرام رحمہم اللہ کے حالات تورع، تقوی اور احتیاط پر غور کرتے ہیں اور موجودہ دور کے مسائل اور ان کے بتلانے والوں اور حل کرنے والوں کی جرأت ودلیری کا موازنہ کرتے ہیں تو بعد المشرقین کا فرق پاتے ہیں۔ نصوص کے عموم وخصوص اور مطلق ومقید کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رعایت کیے بغیر فتوی بازی کرتے ہیں کہ یہ بدعت و ناجائز ہے۔ یہ حلال اور وہ حرام بڑی جسارت کے ساتھ بتا دیتے ہیں، إلا من عصمه الله. علماء کرام کے اختلاف کے ساتھ ساتھ عوام وخواص میں بھی اختلاف وتنازع اور جدال و جھگڑے اور مناظرہ تک کی نوبت آجاتی ہے۔اور ہماری جماعت کے اندر یہ بڑاالمیہ ہے۔

اس طرح خطاب عام کے بعد سوال وجواب کی مجلس منعقد کرتے ہیں۔اور چند منٹوں میں درجنوں سوالوں کے جواب دیئے جاتے ہیں، جو حضرات کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دیتے ہیں، تو یہ بہت ہی کارآمد اور نفع بخش طریقہ ہے کہ مختصر وقت میں بہت سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔لیکن اس طریقۂ کار کو انجام دینے کے لیے بے صلاحیت والے بھی مفتی اور مجیب بن جاتے ہیں۔اور بعض سوالوں کا جواب بے تحقیق دیتے ہیں، جبکہ ایک سوال کا جواب سلف صالحین رحمہم اللہ اہلیت وصلاحیت کے باوجود بڑی متانت، سنجیدگی اور غور وفکر کرنے کے بعد دیا کرتے تھے۔اور بہت سارے سوالوں کے جوابات "لا أدري" کے ساتھ دیا کرتے تھے۔اور کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے، بلکہ کہا کرتے تھے کہ اس میں کوئی عام اور شرم کی بات نہیں، کیونکہ فرشتوں نے "لا علم لنا" کہا ہے۔

اب جب کہ ہر کس وناکس فتوی بازی کرنے لگا ہے، اس کے سد باب یا اس میں کمی لانے کے لیے مرکزی جمعیت یا مرکزی ادارہ کی طرف سے ملک بھر میں مناسب اداروں کے اندر دارالافتاء کا قیام کیا جائے۔اور ایک مرکزی دارالافتاء تسلیم کرکے ہر ریاست میں دو یا تین اس کی شاخیں حسب ضرورت قائم کی جائیں، اور ساتھ ہی دارالافتاء اور مفتیان کرام کا اعلان بھی کر دیا جائے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ملک شام کے سفر میں بمقام جابیہ ایک بڑے مجمع میں اعلان فرمایا تھا: "من أراد القرآن فليأت أبيا، ومن أراد أن يسأل الفرائض فليأت زيدا، ومن أراد أن يسأل عن الفقه فليأت معاذا" یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہتا ہے تو اسے حضرت ابی بن کعب کے پاس اور جو فرائض سے متعلق پوچھنا چاہتا ہے اسے زید بن ثابت کے پاس اور جو فقہ سے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہے تو اسے حضرت معاذ بن جبل کے پاس جانا چاہیے۔(بحوالہ دارمی ملخص از الفاروق ص:۱۷۰)

اسی طرح مفتیان کرام سے یہ گزارش کی جائے کہ سلف صالحین کے طرز ومنہج پر ہر مسئلہ کا حل کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ہو۔اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جو لاینحل ہے تو ایسی صورت میں مرکزی دارالافتاء سے رابطہ کرنے کے بعد ہی فتوی دیا جائے، نیز جن اداروں میں مراجع ومصادر کی کمی ہے مرکزی ادارہ کی طرف سے اس کی تلافی کی جائے۔یا کم از کم اس کی رہنمائی ہو کہ ادارہ بسہولت فراہم کر سکے، اس کا اہتمام کیا جائے، تا کہ مزید اختلافات سے ملت اسلامیہ کے افراد کو بچایا جا سکے۔

☆☆☆

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حجیت عرف، دلائل وشرائط اور مفتیان کرام کے لیے اس کی اہمیت

مولانا عبدالمتین مدنی

عرف وعادات احکام شرعیہ کے دلائل میں سے ایک ہے۔ کتاب وسنت اور اقوال سلف میں اس کی حجیت کے دلائل وارد ہیں۔ استنباط احکام میں عرف وعادت کو حجت ودلیل بنانے کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

عرف کا لغوی معنی:

عرف: اس کی اصل (ع، ر، ف) ہے اور (ع رف) کا مادہ (عین پر پیش یا زبر یا زیر کے ساتھ) بنیادی طور پر تین معانی پر بولا جاتا ہے۔

۱- تتابع الشيء متصلا بعضه ببعض. کسی چیز کا پے در پے ایک دوسرے سے متصل ہونا۔

قرآن کریم میں اللہ نے فرمایا: ﴿والمرسلات عرفا﴾ (سورہ مرسلات:۱) پے در پے چلنے والی ہواؤں کی قسم۔

۲- السكون والطمأنينة۔ سکون واطمینان۔

قرآن کریم میں اللہ نے فرمایا: ﴿ويدخلهم الجنة عرفها لهم﴾ (سورہ محمد:۶) اور انھیں ایسی جنت میں داخل کرے گا جس سے ان کو انسیت ہوگی۔ ہر شخص کو اس سے سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے جس سے اسے انس رہتا ہے۔

اور اسی معنی میں معروف کا بھی لفظ ہے اس لیے کہ خیر وبھلائی سے نفس کو سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے۔

۳- العلو والارتفاع۔ بلندی، کہا جاتا ہے: "عُرف الرمل والجبل" ریت کا ٹیلہ اور پہاڑ کی چوٹی، ''معارف'' چہرہ کا فراز مثلا ناک وغیرہ، ''معارف الأرض'' زمین کا بالائی حصہ۔(۱)

عرف کا اصطلاحی معنی:

علمائے اصول فقہ کی تحریروں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عرف کی اصطلاحی تعریف سب سے پہلے مشہور حنفی عالم حافظ الدین النسفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''المستصفی'' میں کی ہے: "العرف: ما استقر في النفوس من جهة العقول، وتلقته الطبائع السليمة بالقبول"(۲) عرف وہ ہے جو عقل کی رہنمائی سے انسان کے نفس میں راسخ ہو جائے اور سلیم طبیعت اسے قبول کر لے۔

امام نسفی رحمہ اللہ کی اس تعریف کو علماء کی ایک بڑی تعداد نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، لیکن اہل تحقیق اسے جامع

(۱) مختار الصحاح: ۱۷۹-۱۸۰، لسان العرب: ۶/۱۴۳-۱۴۶، تاج العروس: ۲۴/۷۶-۷۷، المفردات للراغب: ۵۶۰-۵۶۲۔

(۲) العرف، حجیتہ وأثرہ فی فقہ المعاملات المالیۃ عند الحنابلۃ: ۹۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ومانع قرار نہیں دیتے۔

دوسری تعریف علامہ محمد طاہر بن عاشور رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے:

"العرف: ما يغلب على الناس من قول أو فعل أو ترك".(۱)

عرف اسے کہتے ہیں جس کا کہنا یا کرنا یا ترک کرنا لوگوں پر غالب ہو جائے یعنی ان کی عادت بن جائے۔

یہ تعریف گرچہ پہلی تعریف سے قدرے واضح ہے لیکن یہ بھی نقد سے محفوظ نہیں۔

تیسری تعریف جس کو معاصر محقق وفقیہ مصطفیٰ الزرقا نے تحریر کیا ہے:

"العرف: عادة جمهور قوم في قول أو فعل"(۲) عرف قول وفعل کے سلسلہ میں کسی قوم کی اکثریت کی عادت کو کہتے ہیں۔

دوسری اور تیسری تعریف کے درمیان بظاہر کوئی بڑا فرق معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ عرف کی تعریف شرعی اعتبار سے معتبر ومکمل ہو اس کے لیے اس تعریف میں اتنا اضافہ ضروری ہے: "فيما لا يصادم نصا أو قاعدة من قواعد الشرع" ایسی عادت جو نص یا شرعی قاعدہ کے خلاف نہ ہو۔(۳)

عادت کا لغوی معنیٰ:

عادت اس کی اصل (ع و د) ہے جس کا معنیٰ تثنية في الأمر (۴) یعنی دوبارہ کرنا ہے۔ امام راغب الاصفہانی تحریر فرماتے ہیں: والعادة: اسم لتكرير الفعل والانفعال حتى يصير ذلك سهلا تعاطيه كالطبع ولذلك قيل العادة طبيعة ثانية.(۵) جذبات وعمل کے تکرار کا نام ہے یہاں تک کہ اس کا انجام دینا اتنا آسان ہو جائے گویا یہی اس کی طبیعت ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ عادت انسان کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔

عادت کا اصطلاحی معنیٰ:

کتب اصول فقہ میں عادت کی متعدد تعریف مذکور ہے، لیکن درج ذیل تعریف کو بعض اہل علم نے پسند فرمایا ہے۔

العادة: هي الأمر المتكرر من غير علاقة عقلية.(٦) وہ بات جو کسی عقلی ربط کے بغیر بار بار پیش آئے اسے عادت کہتے ہیں۔

عرف وعادت کے درمیان نسبت:

عرف وعادت کے درمیان نسبت کے بارے میں علمائے اصول کی رائے مختلف ہے۔

(۱) سابق مصدر: ۹۸۔
(۲) المدخل الفقهي العام: ۲/۸۴۷۔
(۳) العرف، حجیۃ وأثرہ: ۱۰۴۔
(۴) تاج العروس: ۸/۲۵۲۔
(۵) المفردات: ۵۹۴۔
(۶) التقریر والتحبیر: ۱/۲۸۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علماء کی ایک جماعت دونوں کو ایک دوسرے کا ہم معنی قرار دیتی ہے۔عبدالوہاب خلاف تحریر فرماتے ہیں: العرف والعادة في لسان الشرعيين لفظان مترادفان، معناهما واحد.(۱) عرف وعادت علمائے شرع کی اصطلاح میں مترادف الفاظ ہیں اور دونوں کا معنی ایک ہے۔

جبکہ بعض علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ عرف قول کے ساتھ مخصوص ہے اور عادت کا اطلاق فعل پر ہوتا ہے، علمائے سلف وخلف کی تعبیرات کی روشنی میں یہ تقسیم درست نہیں۔

اس سلسلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ عادت عرف کے بالمقابل عام ہے،اس لیے کہ عادت اس عمل کو بھی شامل ہوتی ہے جو ماحول کی وجہ سے پیدا ہو کر عمومی شکل اختیار کر لیتی ہے اور کسی کی انفرادی عادت بھی ہوتی ہے (اس پر بھی عادت کا اطلاق ہوتا ہے) جبکہ عرف غالب افراد کی عادت کو کہتے ہیں۔

اس تقسیم سے معلوم ہوا کہ عادت عرف کے مقابلہ میں عام ہے اور عرف خاص ہے۔

ہر عرف کو عادت کہا جا سکتا ہے جبکہ ہر عادت کو عرف نہیں،اس لیے کہ وہ انفرادی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی بھی۔

اگر چہ عرف وعادت کے درمیان فرق کے سلسلہ میں بعض علماء نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے لیکن فقہاء نے اپنے غالب استعمال میں دونوں کو ایک دوسرے کا مترادف قرار دیا ہے۔(۲)

عرف کی شرعی حیثیت اور اس کی حجیت کے دلائل:

عرف وعادت نص اور اجماع کی طرح مستقل دلیل نہیں ہے۔بلکہ وہ قیاس کی طرح حکم کو ظاہر کرنے والا ہے۔اسی لیے دلائل شرعیہ میں عرف کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔

عبدالوہاب خلاف تحریر فرماتے ہیں: "العرف: عند التحقيق ليس دليلا شرعيا مستقلا"(۳) تحقیق کے وقت یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عرف مستقل شرعی دلیل نہیں ہے۔

علامہ ابوسنہ تحریر فرماتے ہیں: "إن العرف في هذه النصوص ليس دليلا على الحقيقة، وإنما هو دليل ظاهر فقط وبإمعان النظر يرى على الدوام مردودا إلى دليل آخر من الأدلة الصحيحة".(۴)

ان نصوص میں عرف حقیقت میں دلیل نہیں ہے، بلکہ وہ صرف ایک ظاہری دلیل ہے۔اور غور وفکر کرنے کے بعد ہمیشہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ عرف کو ادلہ صحیحہ میں سے کسی دوسری دلیل کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ عرف مستقل دلیل شرعی نہیں بلکہ دلیل کے مثل یا ظاہری دلیل ہے۔اور مستقل دلیل وہ ہے جس سے حکم ثابت ہوتا ہے۔

---

(۱) مصادر التشریع الاسلامی فیما لا نص فیہ:۱۴۵۔

(۲) تفصیل ملاحظہ فرمائیں: العرف،حجیۃ:۱۱۵-۱۱۸۔

(۳) علم اصول الفقہ:۸۹،مصادر التشریع فیما لا نص فیہ:۱۴۹۔

(۴) العرف،حجیۃ......۲۲۷ بحوالہ العرف والعادۃ:۳۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البتہ علماء عرف کی بنیاد پر جدید احکام کے اجراء کو جائز قرار دیتے ہیں جب عرف کے اعتبار کے شرائط پورے ہوں گو عرف شریعت میں عفو واباحت کے دائرہ اور اس کی حیثیت میں ہے، اس کی تفصیل مثالوں کے ساتھ اصول فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

قرآن وحدیث میں حجیت کے دلائل:

عرف کی حجیت پر جن جزئی دلائل سے استدلال کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱- قوله تعالى: ﴿خذ العفو وامر بالعرف وأعرض عن الجاهلين﴾ (سورہ اعراف:۱۹۹)

عفو کو اختیار کیجئے بھلائی کا حکم دیجیے اور نادانوں سے اعراض کیجئے۔

اس آیت کریمہ سے علماء کی ایک جماعت نے عرف کی حجیت پر استدلال کیا ہے۔

امام ابن قتیبہ تحریر فرماتے ہیں: "وفي الأمر بالعرف تقوى الله وصلة الأرحام وصون اللسان عن الكذب وغض الطرف عن المحرمات، قال وانما سمي هذا وشبه عرفا ومعروفا لأن كل نفس تعرفه وكل قلب يطمئن اليه".(۱)

عرف کے حکم سے اللہ کا تقوی، صلہ رحمی، زبان کو جھوٹ سے بچانا اور نگاہ کو محرمات سے پست رکھنا مراد ہے اور اس کا یہ نام اور اسے عرف ومعروف سے اس لیے مشابہ قرار دیا گیا کیونکہ ہر نفس اسے جانتا اور ہر دل اس سے مانوس ہے۔

گھر کے ساز وسامان کے بارے میں اگر میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ عرف کی بنیاد پر کیا جائے گا۔ امام قرافی تحریر فرماتے ہیں:......عرف جس کی تائید کرے اسی قول کو اختیار کیا جائے۔ اور ہماری دلیل اللہ کا فرمان: خذ العفو وامر بالعرف ...... فكل ما شهدت به العادة قضى به بظاهر هذه الآية الا أن يكون هناك بينة.(۲)

عرف وعادت جس کی تائید کرے اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ اس آیت کے ظاہری حکم کی بنیاد پر سوائے اس کے کہ اس مسئلہ میں کوئی واضح دلیل موجود ہو۔

۲- ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن.

جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

یہ اس حدیث کا حصہ ہے جس کو امام احمد نے اپنی مسند (۳) اور امام حاکم نے مستدرک (۴) میں ذکر کیا ہے۔

اس کے بارے میں اصحاب تحقیق کا کہنا ہے کہ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں، البتہ اس کا موقوف ہونا صحیح سند کے ساتھ

(۱) تاویل مشکل القرآن:۴-۵۔ (۲) الفروق:۳/۱۴۹۔
(۳) مسند احمد:۱/۳۷۹۔ (۴) مستدرک حاکم:۴/۲۸، ح:۴۵۲۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثابت ہے اور یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے۔ اس اثر سے عرف کی حجیت پر اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ اگر مسلمان کسی چیز کو اچھا سمجھیں تو وہ چیز اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہوگی اور جب وہ اچھی ہوگی تو باطل نہ ہوگی۔ اس لیے کہ کوئی باطل چیز اللہ کے نزدیک اچھی نہیں ہوسکتی تو اگر کوئی عرف وعادت ایسی ہو جسے مسلمان اچھا سمجھیں تو اسے حق اور معتبر مانا جائے گا۔(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ اثر اس مسئلہ پر بطور دلیل کمزور نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو بات اس میں ذکر کی گئی ہے وہ عقل ورائے سے نہیں کہی جاسکتی۔ گویا یہ اگر چہ سند کے اعتبار سے مرفوع نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے مرفوع کے حکم میں ہے اور یہ بھی حجت ہے۔

۳- عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال حجم رسول الله ﷺ أبو طيبة فأمر له رسول الله ﷺ بصاع من تمر وأمر أهله أن يخففوا من خراجه.(۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوطیبہ نے اللہ کے رسول کو پچھنا لگایا تو آپ نے انھیں ایک صاع کھجور دینے کا اور ان کے موالی کو ان کا خراج کم کرنے کا حکم دیا۔

اس حدیث سے اس پر استدلال کیا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے ابوطیبہ کی اجرت پہلے سے طے نہ کی بلکہ عرف وعادت کے مطابق ان کو اجرت دے دی۔(۳)

۴- عن عروة البارقي أن النبي ﷺ أعطاه دينارا ليشتري به أضحية أو شاة فاشترى به شاتين فباع أحدهما بدينار فأتاه بشاة ودينار فدعا له بالبركة في بيعه فكان لو اشترى ترابا لربح فيه.(۴)

حضرت عروہ البارقی رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول نے ایک دینار قربانی کا جانور یا بکری خریدنے کے لیے دیا، انھوں نے ایک دینار میں دو بکری خریدی اور ایک کو ایک دینار میں فروخت کر دیا اور اللہ کے رسول کے پاس ایک بکری اور ایک دینار لے کر آئے۔ اللہ کے رسول نے ان کے خرید وفروخت میں برکت کی دعا فرمادی۔ اس دعا کا یہ اثر تھا کہ وہ اگر مٹی خریدتے تو اس میں بھی ان کو نفع ہوتا۔

اس حدیث سے بھی عرف کے معتبر ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ حضرت عروہ البارقی نے اپنے اس تصرف کے لیے اللہ کے رسول سے اجازت نہ لی، کیونکہ اس زمانہ میں یہ عرف رائج تھا کہ وکیل اپنے موکل کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے اس کی مخالفت کرسکتا ہے۔ اس لیے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے یہ تصرف کیا اور اللہ کے رسول نے اس پر تحسین فرمائی۔

(۱) العرف، حجتہ......:۱۹۱، بحوالہ: العرف والعادۃ:۲۴۔
(۲) صحیح البخاری مع الفتح:۵۷۸/۴، ح:۲۲۷۷۔
(۳) فتح الباری:۵۸۰/۴۔
(۴) صحیح البخاری مع الفتح:۷۷۲/۶، ح:۳۶۴۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵- عن أنس بن مالك قال لما أراد النبي ﷺ أن يكتب إلى الروم قيل له انهم لن يقرؤوا كتابك إذا لم يكن مختوما فاتخذ خاتما من فضة ونقشه "محمد رسول الله".(۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب اللہ کے رسول نے شاہ روم کو خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کو بتلایا گیا کہ وہ آپ کے خط کو اس وقت تک نہیں پڑھیں گے جب تک کہ وہ مہر بند نہ ہو تو آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنائی جس پر ''محمد رسول اللہ'' نقش تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اہل روم کے عرف کی رعایت کرتے ہوئے انگوٹھی بنائی جبکہ عربوں میں مرد انگوٹھی نہیں پہنتے تھے۔

گویا یہ عمل بھی عرف وعادت کو معتبر ماننے کی دلیل ہے۔ان کے علاوہ سیرت طیبہ کے اور بھی واقعات ہیں جن سے علماء نے اعتبار عرف پر استدلال کیا ہے۔

عرف کی حجیت کے بارے میں آثار سلف:

قرآن وحدیث کی طرح سلف سے بھی بکثرت ایسے اقوال اور فیصلے وارد ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عرف وعادت کو معتبر مانا ہے۔امام سیوطی تحریر فرماتے ہیں: اعلم ان اعتبار العادة والعرف رجع اليه في الفقه في مسائل لا تعد كثرة. (۲) جان لو کہ فقہ کے ایسے مسائل جن میں عرف وعادت کا اعتبار کیا گیا ہے کثرت کی وجہ سے ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔

بطور نمونہ میں چند کو ذکر کررہا ہوں:

۱- عن ابن سيرين ان ناسا من الغزالين اختصموا الى شريح في شيء كان بينهم فقالوا ان سنتنا بيننا كذا وكذا فقال سنتكم بينكم.(۳)

امام ابن سیرین سے روایت ہے کہ غزالیوں کے کچھ لوگ قاضی شریح کے پاس اپنا ایک جھگڑا لے کر آئے اور کہا کہ ہمارے درمیان اس کا یہ طریقہ رائج ہے آپ نے فرمایا: تمہارا طریقہ (عرف) ہی تمہارے درمیان جاری رہے گا۔

۲- اشترى الحسن من عبد الله بن مرداس حمارا فقال بكم؟ قال دانقين فركبه ثم جاء ه مرة أخرى فقال الحمار الحمار فركبه ولم يشارطه فبعث اليه بنصف درهم.(۴)

امام حسن بصری نے عبداللہ بن مرداس سے ایک گدھا خریدا، قیمت پوچھی تو کہا دو دانق،حسن بصری اس پر بیٹھے، پھر دوبارہ ان کے پاس آئے اور کہا کہ گدھا لاؤ، گدھا لاؤ پھر اس پر سوار ہو گئے اور قیمت طے نہ کی اور عبداللہ کے پاس آدھا درہم

(۱) صحیح البخاری مع الفتح: ۶/۱۳۲، ح:۱۳۲۔ (۲) الاشباہ والنظائر: ۱۱۱۔
(۳) فتح الباری: ۴/۵۱۳۔ (۴) صحیح البخاری مع الفتح: ۴/۵۱۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھیج دیا۔ گویا عرف کا اعتبار کرتے ہوئے سابقہ قیمت کا اعتبار کیا اور از راہ احسان اس میں اضافہ کر دیا۔

۳- امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کے کتاب البیوع میں ایک باب قائم کیا:

باب من أجرى أمر الأمصار على ما يتعارفون بينهم في البيوع والاجارة والمكيال والوزن(۱)

قال ابن المنير وغيره مقصوده بهذه الترجمة اثبات الاعتماد على العرف.(۲)

یہ باب ان کے بارے میں جنھوں نے بیع وشراء، مزدوری وکرایہ داری اور ناپ تول کے معاملات کو رائج عرف کے مطابق جاری ونافذ کیا۔

امام ابن المنیر وغیرہ تحریر فرماتے ہیں: اس باب کے قائم کرنے سے امام بخاری کا مقصد عرف وعادت پر اعتماد کو ثابت کرنا ہے۔

۴- قال الإمام الطبري: إن الحكم بين المسلمين في معاملاتهم وأخذهم واعطائهم على المتعارف المستعمل بينهم.(۳)

مسلمانوں کے معاملات اور ان کے لین دین کے بارے میں فیصلے ان کے درمیان رائج عرف کے مطابق ہوں گے۔

مذاہب اربعہ میں سے ہر ایک نے عرف کو حجت واصل شرعی قرار دیا ہے اور بہت سارے معاملات کے فیصلے اسی عرف کی بنیاد پر کیے گئے ہیں اور افتاء وقضا کے میدان میں عرف کو نظر انداز کرنے والوں کو گمراہ اور گمراہ کرنے والا قرار دیا ہے۔

مقالہ کے صفحات اس کے متحمل نہیں کہ مذاہب اربعہ کے علماء کے اقوال کو نقل کیا جائے۔

حجیت عرف کے شروط:

فقہاء کا قول: إن العادة محكّمة. یعنی عرف وعادت شرعاً معمول بہا ہے۔ اس سے مراد وہ عرف وعادت ہے جس میں اس کے اعتبار کی شرائط اور اس پر عمل کے ضوابط پورے ہوں، اگر ان شرائط وضوابط میں سے ایک بھی ناقص رہ جائے تو عرف کو احکام شرعیہ کی دلیل وحجت بنانا درست نہ ہوگا۔

۱- أن يكون العرف مطردا أو غالبا.(۴)

یعنی یہ عرف معاشرہ میں عام طور سے جاری وساری ہو یا اکثریت کے درمیان، چاہے یہ عرف کسی ایک شہر یا ملک میں ہو یا ایک پیشہ سے جڑے ہوئے لوگوں کے درمیان، اس طور پر کہ پیش آنے والے امور اسی عرف کے مطابق انجام پائیں، اسے ترک یا نظر انداز نہ کیا گیا ہو۔ مثال کے طور پر کسی علاقہ میں مہر نکاح کی فوری یا تاخیر سے ادائیگی کے سلسلہ میں کوئی عرف

(۱) صحیح البخاری مع الفتح: ۵۱۲/۴۔ (۲) فتح الباری: ۵۱۳/۴۔

(۳) العرف حجیتہ......: ۲۰۷، بحوالہ تہذیب الآثار، مسند علی بن ابی طالب: ۲۵۱۔

(۴) العرف حجیتہ......۲۳۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رائج ہے۔ اب اگر قاضی نکاح نے اس کی وضاحت نہ کی تو اسے اسی رائج عرف کی طرف لوٹا دیا جائے گا، اس کے خلاف شاذ ونادر واقعات کو حجت نہیں بنایا جائے گا، اس لیے کہ اعتبار غالب اکثریت کا کیا جاتا ہے۔ العبرة للغالب الشائع لا للنادر. (۱) یعنی اعتبار عام وغالب کا ہوتا ہے نادر وکم واقع ہونے والا کا نہیں۔

نوٹ: اطرد اور غلبہ کے شرط سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عرف پورے ملک میں عام ورائج ہو، بلکہ عرف عام اور عرف خاص دونوں اپنی جگہ مسلم ومعتبر ہے۔ علامہ ابن عابدین تحریر فرماتے ہیں: ان حکم العرف یثبت علی أهله عاما أو خاصا فالعرف العام فی سائر البلاد یثبت حکمه علی أهل سائر البلاد والخاص في بلدة واحدة یثبت حکمه علی تلك البلدة أیضا. (۲) عرف کا حکم ان لوگوں پر لاگو ہوگا جن کے درمیان وہ عرف رائج ہو، چاہے وہ عام ہوں یا خاص، پس وہ عرف جو پورے ملک میں رائج ہو اس کا حکم پورے ملک والوں پر نافذ ہوگا اور وہ عرف جو کسی ایک علاقہ میں ہو اس کا حکم اس علاقہ والوں پر۔

۲- أن یکون العرف المراد تحکیمه فی التصرفات قائما عند انشائها. (۳)

کسی بھی قول وعمل کے صادر ہونے کے وقت جو عرف وعادت اس کے بارے میں اس وقت رائج ہے اسی کا اعتبار کیا جائے گا اور اسی کو معمول بہ مانا جائے گا نہ کہ اس عرف وعادت کو جو پہلے رائج تھی پھر اس میں تبدیلی واقع ہوگئی اور نہ ہی اسے جو اس قول وفعل کے صدور کے بعد رائج ہوئی بلکہ اعتبار انشاء قول وفعل کے وقت رائج عرف وعادت کا ہوگا۔

امام سیوطی تحریر فرماتے ہیں: العرف الذي تحمل علیه الألفاظ إنما هو المقارن السابق دون المتأخر. (۴) یعنی اسی عرف پر الفاظ کو محمول کیا جائے گا جو پہلے سے اب تک رائج چلا آرہا ہے نہ کہ وہ جو بعد میں رائج ہوا۔

یہ شرط اقوال وافعال دونوں کو شامل ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں عرف لفظی وعرف عملی دونوں برابر ہیں۔

پس اگر عرف عام میں کسی لفظ کا کوئی مراد رائج ہے تو اس لفظ سے اس رائج عرف کو مراد لیا جائے گا نہ کہ اسے جو مراد کے طور پر پہلے عرف عام میں رائج تھا اور بعد میں بدل گیا اور نہ ہی وہ جو بعد میں عرف بن گیا بولنے کے وقت وہ عرف میں رائج نہ تھا۔

اسی طرح عرف عملی بھی مثلاً اگر بیع وشراء میں کوئی عرف رائج ہے یا مہر کی ادائیگی میں کوئی عرف رائج ہے تو تصرف کے وقت اس رائج عرف کا ہی اعتبار ہوگا۔

اوقاف، وصیتیں، ہبہ، بیع وشراء اور ان جیسے مسائل کے دستاویزات کی تشریح میں یہ شرط بہت اہمیت کی حامل ہے اور اسی کی بنیاد پر عدالتوں میں فیصلے کیے جائیں گے۔

---

(۱) شرح القواعد الفقهیہ: ۲۳۵۔ (۲) نشر العرف (رسائل ابن عابدین: ۱۳۲/۲)

(۳) العرف حجیة......۲۳۹۔ (۴) الاشباہ والنظائر: ۱۱۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳- أن لا يعارض العرف تصريح بخلافه.(۱)

عرف وعادت کو معتبر ماننے کی تیسری شرط یہ ہے کہ کوئی ایسی صراحت نہ ہو جو عرف عام کے خلاف ہو اور اس کے معارض ہو۔

پس اگر کسی معاملہ کے طے کرنے کے وقت اس معاملہ کے اطراف خاموشی اختیار کریں تو ان کی خاموشی کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ وہ اس سلسلہ میں رائج عرف سے اتفاق رکھتے ہیں اور اسی کے مطابق اس معاملہ کا اجراء وتنفیذ چاہتے ہیں لیکن معاملہ طے کرنے کے دوران یہ رائج عرف کے خلاف کسی بات پر اتفاق کر لیں تو اعتبار ان کی اس صراحت کا ہوگا جس پر یہ عرف عام کے خلاف متفق ہیں اس لیے کہ لفظ کی دلالت عرف پر مقدم ہے۔

علماء اصول فقہ لکھتے ہیں: لا عبرة بالدلالة في مقابلة التصريح.(۲)

صراحت کے مقابلہ میں دلالت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

مثال کے طور پر اگر عرف عام میں یہ ہے کہ سامان بیچنے والا خود خریدنے والے تک سامان کو پہنچائے گا یا کسی کے ذریعہ، اب اگر دونوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ سامان لانے کی بھی ذمہ داری خریدنے والے کی ہوگی تو اعتبار اسی صراحت کا ہوگا نہ کہ عرف کا۔

اس شرط کی روشنی میں اصولیوں کا یہ قاعدہ "المعروف عرفا كالمشروط شرطا" عرف جو رائج ہے اس کی اہمیت شرط لگائی گئی بات کی طرح ہے یا "المعروف بين التجار كالمشروط بينهم" تاجروں کے درمیان رائج عرف کی اہمیت باہم شرط لگائی گئی بات کی طرح ہے۔

یہ دونوں قاعدے ان صورتوں میں معتبر ہوں گے جن میں عرف کے خلاف کوئی تصریح نہ ہو، اس لیے کہ تصریح کے مقابلہ میں دلالت لفظ کا کوئی اعتبار نہیں۔

۴- ألا يعارض العرف نص شرعي أو أصل قطعي في الشريعة بحيث يكون العمل بالعرف تعطيلا له.(۳)

چوتھی اور سب سے اہم شرط یہ ہے کہ عرف وعادت کسی نص شرعی یا اصل شرعی یقینی کے خلاف نہ ہو کہ عرف پر عمل کرنے کی وجہ سے اس کا ترک یا اس کی مخالفت لازم آئے۔ اس لیے کہ عرف عام احکام شرعیہ کے اصولوں میں سے ایک ظاہری اصل ہے لیکن اس پر عمل اس وقت ہوگا جب یہ درپیش مسئلہ میں کتاب وسنت کے کسی نص یا کسی متفقہ شرعی قاعدہ کے خلاف نہ ہو اور اگر خلاف ہو تو کتاب وسنت کا نص یا قاعدہ شرعیہ ہی حجت ودلیل ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً ایسی ہی چیزیں عرف بنتی ہیں جو

(۱) العرف حجیتہ......۲۴۱۔ (۲) شرح القواعد الفقہیہ: ۱۴۱۔

(۳) العرف حجیتہ......۲۴۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عام لوگوں کو پسند اور ان کے خواہشات نفس سے میل کھاتی ہیں۔ اسی لیے لوگوں کے درمیان ایسی بہت سی چیزیں رائج ہیں جو شرعاً حرام ہیں جیسے سودی لین دین، جوا، منشیات، موسیقی، اسراف و بے پردگی وغیرہ۔ یہ رائج عرفِ خلاف شرع ہے، عمل کے اعتبار سے حق کو پامال اور حرام کو مباح قرار دینے والا اس لیے کوئی بھی کلمہ گو اس کے اعتبار یا اس پر عمل کا قائل کیسے ہوسکتا ہے بلکہ شرعاً اس کو ترک کرنا ہی واجب ہے ورنہ مرور ایام کے ساتھ احکام شریعت پامال اور اس کے معالم مٹتے چلے جائیں گے، اور ایسے عرف کو معتبر ماننے کے نتیجہ میں نصوص شرعیہ کو ترک کرنا اور خواہشات نفس کی پیروی کرنا لازم آئے گا۔

اللہ کا دین مفاسد ومنکرات کی ترویج واشاعت کے لیے نہیں بلکہ ان کا قلع قمع کرنے اور انسانی معاشرہ کو ان سے پاک کرنے کے لیے آیا ہے، اگر چہ ان کے کرنے اور اپنانے والے اکثریت میں ہی کیوں نہ ہوں۔ امام سرخسی فرماتے ہیں: كل عرف ورد النص بخلافه لا يعتبر، وانما يعتبر فيما لا نص فيه.(۱) نص کے خلاف لوگوں کے تعامل کا کوئی اعتبار نہیں، اعتبار ایسے تعامل کا ہوگا جس کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں۔

وہ عرف جسے دلائل شرعیہ کے مخالف شمار نہیں کیا جاتا دو طرح کے ہیں:

۱- ایسے رائج امور جو سرے سے شرع کے خلاف نہ ہوں مثلاً تجارتی لین دین کے طریقے، سیاسی پالیسیاں، عدالتوں کی کارروائی کے طور طریقے، معاشرتی اصلاحات جو شریعت کے مزاج کے موافق اور انسانی ضرورتوں کو پوری کرنے والے ہوں اور اصلاح وحسن تدبیر کے لحاظ سے جن کا اختیار کرنا ضرورت بن جائے۔

۲- عرف اور شرعی دلائل میں بظاہر تعارض واقع ہو، لیکن ان کے درمیان اہل علم کے نزدیک تطبیق کی معتبر صورتوں میں سے کسی صورت سے، تطبیق دینا یا نص شرعی کی تشریح عرف کی روشنی میں کرنا ممکن ہو تو ایسی صورت میں عرف کو معتبر ماننے اور اس پر عمل کرنے کے امکان پر غور کیا جاسکتا ہے۔

علامہ ابوسنہ تحریر فرماتے ہیں: إنما يعتبر في هذه الحالة لأن حاصل الأمر تعارض دليلين من أدلة الشرع فيتخلص من هذا التعارض بالتخصيص إن كان النص عاما والتقييد إن كان مطلقا والمصير إلى الاستحسان إن كان قياسا، ليس في هذا التخلص إبطال للنص بالعرف ولا قضاء عليه به بل هو أعمال للدليلين بقدر الإمكان.(۲)

اس حالت میں عرف معتبر ہوگا، اس لیے کہ اس صورت میں دو شرعی دلیلوں کے درمیان تعارض واقع ہو رہا ہے جس کو رفع کرنے کے لیے عرف کے ذریعہ اگر نص عام ہے تو تخصیص، اگر مطلق ہے تو تقیید اور اگر قیاس ہے تو استحسان کو اختیار کرلیا جائے اور اس تطبیق سے عرف کے ذریعہ نص کو باطل کرنا یا ترک کرنا لازم نہیں آتا، بلکہ حتی الامکان دونوں دلیلوں پر ایک ساتھ عمل کرنے کی یہ بہترین صورت ہے۔

(۱) المبسوط:۱۲/۱۹۶، ۱۰/۱۴۶۔ (۲) العرف حجیۃ......۲۴۴-۲۴۵ بحوال العرف والعادۃ:۶۳-۶۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتی کے لیے اعتبار عرف وعادت کی اہمیت:

دور حاضر میں مشترک معاشرت اور تہذیبوں کے اختلاط نے بعض پیچیدہ مسائل کو جنم دیا ہے اور بسا اوقات مفتیان کرام کو بھی اس قسم کے سوالوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس لیے ان حالات میں وقت کے تقاضوں اور لوگوں کے مصالح اور رائج عرف سے صرف نظر کر کے صرف نصوص کی روشنی میں ہی فتاوی صادر کرنا شریعت کی منشا اور منہج سلف کے خلاف ہے۔

علامہ ابن عابدین تحریر فرماتے ہیں: مفتی یا قاضی کا ظاہر نص پر جمود اور عرف وعادت اور واضح قرائن کو نظر انداز کرنا، لوگوں کے احوال سے ناواقف ہونا، اس سے بہت سے حقوق کی پامالی اور لوگوں پر ظلم لازم آتا ہے۔(۱)

امام قرافی لکھتے ہیں: اگر کسی مفتی کے پاس کوئی مستفتی آتا ہے اور مفتی کو اس کے وطن کا علم نہیں تو مفتی کو چاہیے کہ فتوی سے پہلے اس کے وطن کے بارے میں پوچھ لے۔آگے تحریر فرماتے ہیں: وهذا أمر معين واجب لا يختلف فيه العلماء وان العادتين متى كانتا ليستا سواء ان حكمهما ليس سواء.(۲)

یہ مفتی کے لیے ضروری و واجب ہے، اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں، اس لیے جب دو عادتیں ایک جیسی نہیں تو ان کے بارے میں حکم بھی ایک جیسا نہیں ہوگا۔مزید فرماتے ہیں: وہ احکام جن کا دارومدار عرف وعادت پر ہے ان کو خلاف عادت جاری کرنا، اجماع کی مخالفت اور دین سے ناواقفیت ہے بلکہ وہ تمام شرعی احکام جو عرف وعادت کے تابع ہیں عرف وعادت کے بدلنے سے وہ بھی بدل جائیں گے۔اگر ہم نے ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کیا جس کی عادات ہمارے ملک سے مختلف ہیں یا ہمارے پاس دوسرے شہر کا آدمی آیا جس کی عادات ہمارے شہر سے مختلف ہیں تو ہم اس کے شہر کی عرف وعادت کے مطابق ہی اسے فتوی دیں گے۔(۳)

امام قرافی نے اپنی ایک دوسری کتاب میں تحریر فرمایا کہ اس قاعدہ کی رعایت کرنا ضروری ہے اور اس سے آپ یہ جان لیں گے کہ بہت سے مفتیان جوائمہ کے فتوی کو بلاتفریق ورعایت تمام ممالک پر یکساں جاری کر دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، ان کا یہ عمل اجماع کے خلاف ہے، وہ نافرمان اور اللہ کے نزدیک گنہگار ہیں اور جہل کی وجہ سے معذور بھی نہیں۔اس لیے کہ فتوی کے اہل نہ ہونے کے باوجود وہ اس میدان میں آگئے اور نہ ہی وہ فتاوی کے اصول وشروط اور اس کے حالتوں کے اختلاف سے واقف ہیں۔(۴)

امام ابن القیم اپنی مایہ ناز کتاب اعلام الموقعین میں امام قرافی کی ان تحریروں کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: یہ حاصل فقہ وبصیرت ہے کیونکہ جو شخص صرف تحریروں کی بنیاد پر لوگوں کے عرف وعادت، زمانہ، علاقہ اور احوال وقرائن کی

(۱)شرح عقود رسم المفتی (رسائل ابن عابدین:۱/۴۷) (۲)الاحکام فی تمییز الفتاوی عن الاحکام:۱۱۸۔

(۳)سابق مصدر:۱۱۱-۱۱۲۔ (۴)الفروق:۱/۴۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رعایت کے بغیر فتویٰ دیتا ہے تو وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے اور دین کے بارے میں اس کا جرم اس ڈاکٹر سے بڑا ہے جو کتابوں میں لکھی ہوئی دوائیاں تمام مریضوں کو علاقہ، عمر اور مزاج وطبیعت کی رعایت کے بغیر یکساں طور پر دیتا ہے۔ یہ جاہل ڈاکٹر اور جاہل مفتی لوگوں کے دین اور بدن کو بہت زیادہ نقصان پہنچانے والے ہیں۔(۱)

اس مقالہ کا اختتام امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے کرتا ہوں جو مفتیان کرام کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔

فرمایا: منصب افتا پر فائز ہونے والوں کو پانچ صفات کا حامل ہونا چاہیے:

۱- اخلاص نیت اس لیے اگر اس عمل میں اس کی نیت خالص نہ ہوگی تو نہ وہ عالمانہ شان کا حامل ہوگا اور نہ ہی اس کی باتوں میں کوئی اثر ووزن رہے گا۔

۲- صاحب علم، بردبار اور باوقار ہو۔

۳- علم وعمل کے اعتبار پختہ اور اس منصب کا اہل ہو۔

۴- بااثر وبے نیاز ہو ورنہ لوگ اس پر حاوی ہو جائیں گے۔

۵- لوگوں کے احوال وعادات سے واقف ہو۔(۲)

امام ابن القیم نے ان باتوں کی تفصیل سے شرح کی ہے۔

پانچویں صفت کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ينبغي له أن يكون فقيها في معرفة مكر الناس وخداعهم واحتيالهم وعوائدهم وعرفياتهم فان الفتوى تتغير بتغير الزمان والمكان والعوائد والأحوال وذلك كله من دين الله.(۳)

ضروری ہے کہ فقیہ لوگوں کے مکر وفریب اور عادت وعرف کو جانتا ہو۔ اس لیے کہ فتویٰ زمان ومکان، احوال اور عرف وعادت کے بدلنے سے بدل جاتا ہے اور اس کی رعایت کرنا اللہ کے دین کی منشا ومطلوب ہے۔

☆☆☆

(۱) اعلام الموقعین: ۳/۸۹۔ (۲) سابق مصدر: ۴/۱۹۹۔

(۳) سابق مصدر: ۴/۲۰۴-۲۰۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افتاء واجماع

مولانا علی حسین سلفی
استاذ ومفتی جامعہ سلفیہ، بنارس

اہل اسلام کے نزدیک اسلام کے دو بنیادی اصول ہیں: (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ ﷺ۔ اس پر تمام اہل علم اور ارباب تحقیق کا اجماع ہے، اور کیوں نہ ہو، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا﴾ (الحشر: ۷) یعنی جو تمہیں نبی (ﷺ) دے دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔ یہ آیت کریمہ وحی متلو اور اس میں عموم وخصوص اور اطلاق وتقیید سب کو محیط ہے۔ عبارة النص، اشارة النص، اقتضاء النص اور دلالة النص کو بھی شامل ہے۔ نبی کریم ﷺ کے جملہ اقوال وافعال اور تقریرات کو بھی متضمن ہے۔ غرضیکہ آیت کریمہ کا یہ مفہوم ان تمام امور کو محیط ہے، یعنی قرآن کریم اور احادیث صحیحہ ہمارے لیے حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ ہیں، جن سے اہل علم وفضل استدلال واحتجاج کرتے ہوئے آرہے ہیں۔ اور تا قیامت ان سے استدلال واستنباط اور استخراج کرتے رہیں گے، خواہ مسئلہ عقیدہ کا ہو یا فروع کا۔

نبی کریم ﷺ نے مذکورہ آیت کریمہ کی تشریح میں فرمایا: "تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما: كتاب الله وسنة نبيه" (موطأ امام مالک، جامع ماجاء فی أمر المدینۃ، باب النہی عن القول فی القدر ص۳۶۲، طبع ہند، ونحوہ فی مستدرک الحاکم: ۹۳/۱، وصحیح الجامع الصغیر: ۲۹۳۷) یعنی میں نے تم میں دو (اہم) چیزیں چھوڑی ہیں: (۱) اللہ تعالی کی کتاب (۲) نبی کی سنت۔ جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہوگے کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے۔ یعنی کتاب وسنت صحیحہ دونوں حجت ہیں۔ ارباب علم وفقہ کا اس بات پر اجماع ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دونوں یکساں حجت ہیں یا بالترتیب؟ یعنی پہلے قرآن عزیز پھر حدیث نبوی، لیکن اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ہمارے نزدیک دونوں باعتبار حجت یکساں ہیں کیونکہ دونوں اللہ تعالی کے فرمان ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ قرآن کریم وحی متلو ہے اور احادیث صحیحہ غیر متلو ہیں۔ اور جو لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ قرآن شریف تو اللہ تعالی کا کلام ہے اور حدیث شریف نبی ﷺ کا ذاتی خیال وہ خاطی ہیں، أعاذنا الله منه.

ان ہی دونوں پر تمام اصول وادلہ کا دارومدار ہے، خواہ اجماع ہو کہ قیاس صحیح، خواہ استحسان ہو کہ استصحاب، خواہ مصالح مرسلہ ہو کہ سد الذرائع، خواہ عرف ہو کہ پہلی شریعتوں کے احکام، افتاء کا تعلق ان تمام ادلہ واصول سے ہے لیکن عنوان کا تقاضا ہے کہ ہم صرف افتاء واجماع اور ان کے متعلقہ مباحث پر اپنی بحث وگفتگو کو محدود ومرکوز رکھیں، بہرحال افتاء واجماع سے متعلق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چند منتشر مگر اہم بحثیں آپ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں، وبالله التوفيق ومنه العون.

افتاء کی لغوی تعریف:

الإفتاء في اللغة: الإبانة، يقال: أفتاه في الأمر إذا أبانه له، وأفتى الرجل في السؤال، إذا أجابه فيه، وتقول أفتيت فلانا رؤيا رآها إذا عبرتها له. (الفتيا ومناهج الافتاء ص۸) یعنی افتاء کا لغوی معنی ظاہر کرنے کے ہیں، جیسے أفتاه في الأمر کا معنی اس نے اس کے لیے معاملہ کو ظاہر کر دیا، اسی طرح أفتى الرجل في السؤال کا معنی اس نے اس کے سوال کا جواب دیا اور أفتيت فلانا رؤيا رآها کا معنی اس نے اس کے خواب کی تعبیر بتائی۔

متذکرہ بالا تینوں میں افتاء کا معنی ظاہر کرنے کے ہیں۔

افتاء کی اصطلاحی تعریف:

الإفتاء عند الفقهاء هو: الإخبار بحكم الله تعالى من دليل شرعي لمن سأل عنه في أمر نازل. (الافتاء ص۹) افتاء کا اصطلاحی مفہوم فقہاء کرام کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالی کے حکم سے دلیل شرعی کے ساتھ اس شخص کو باخبر کرنا جو کسی واقع شدہ امر کے بارے میں سوال کر رہا ہو۔ یہ تعریف امام شاطبی رحمہ اللہ کی تعریف سے ملتی جلتی ہے اور یہی تعریف زیادہ صحیح ہے۔

شیخ محمود شلوت نے اپنے الفتاوی کے معنی میں اس تعریف پر صرف اس قدر اضافہ کیا ہے: "أو غير نازل" اور علامہ تھانوی اور علامہ شوکانی رحمہما اللہ نے افتاء کی تعریف اس طرح کی ہے: الإفتاء هو: الاجتهاد، كما في الفتيا (ص ۱۰)۔ لیکن یہ دونوں تعریفیں صحیح نہیں ہیں اس لیے کہ غیر واقع شدہ امر کے بارے میں سوال کرنا اور اس کا جواب دینا افتاء کی تعریف میں نہیں آنا چاہیے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کو فرضی سوال ناپسند تھے۔ اور اسی طرح اس میں وقت کا بھی ضیاع ہے۔ اور تیسری تعریف اس لیے صحیح نہیں کہ افتاء کا اجتہاد کے ثمرہ ونتیجہ سے باخبر کرنا ہے نہ کہ اجتہاد کرنا، لہذا دوسری اور تیسری تعریف زیادہ صحیح نہیں ہے۔ (الفتیا ص۱۰) پہلی تعریف زیادہ صحیح ہے۔

افتاء واجتہاد کا تلازم یا باہمی ربط:

افتاء کی اصطلاحی تعریف سے یہ بات بالکل عیاں اور واشگاف ہوگئی کہ افتاء درحقیقت اجتہاد کا ثمرہ ونتیجہ ہے اور اجتہاد اس کی اصل ہے، اور اصل وفرع کی وضعی ترتیب کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے اجتہاد اور اس کے متعلقہ اور اہم مباحث پھر اس کی فرع (افتاء) اور اس کے ضروری مباحث پر گفتگو کی جائے۔ اس لیے میں پہلے اجتہاد اور اس کے متعلقہ مباحث تحریر کر رہا ہوں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتہاد کی لغوی واصطلاحی تعریف:

لغوی اعتبار سے اجتہاد کسی کام کو سرانجام دینے میں بھرپور محنت ومشقت کو کہتے ہیں اور اصطلاحی اعتبار سے علماء اجتہاد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں: "بذل المجتهد وسعه في طلب العلم بالأحكام الشرعية بطريق الاستنباط". (الوجیز ص (۴۰۱)، الموافقات للشاطبی: (۴/۵۷)، المستصفی للغزالی: (۲/۱۰۳) یعنی شرعی احکام کے علم کی جستجو وتلاش میں ایک مجتہد کا استنباط احکام کے طریق سے اپنی بھرپور کوشش کرنا۔

اجتہاد کی شرطیں:

۱-مجتہد عقیدے کے اعتبار سے صحیح ہو، کسی شخص یا گروہ کی تقلید میں جکڑا ہوا نہ ہو۔

۲-عربی زبان اس قدر سمجھ سکتا ہو کہ اسے عربی عبارتوں کے الفاظ، کلام کے مختلف اسلوب جاننے میں مشکل پیش نہ آئے۔

۳-اسے قرآن مجید کا علم ہو یعنی اسباب نزول، ناسخ منسوخ اور علم تفسیر وغیرہ کا ماہر ہو۔

۴-سنت کا علم بھی رکھتا ہو، یعنی صحیح ضعیف کا علم، علم رجال، علم اصول حدیث اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ۔

۵-اسے علم ہونا چاہیے کہ کن مسائل میں اجماع ہو چکا ہے اور کن میں اختلاف ہے۔

۶-مقاصد شریعت، احکام کی علتوں اور نصوص کی حکمتوں کا علم رکھتا ہو۔

۷-علم اصول فقہ اور مآخذ شریعت سے احکام مستنبط کرنے کے طریقے جانتا ہو۔

۸-اس میں اجتہاد کی فطری استعداد بھی موجود ہو۔

(ارشاد الفحول ص (۲۵۰-۲۵۲)، فقہ الحدیث: (۱/۹۵)

کن مسائل میں اجتہاد ہوسکتا ہے؟

جن مسائل کے متعلق شریعت میں قطعی الثبوت دلائل موجود ہوں ان میں اجتہاد کی گنجائش نہیں مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ، اجتہاد صرف ان مسائل میں کیا جاسکتا ہے جن کے متعلق دلائل ظنی الدلالت ہوں یا جن کے متعلق سرے سے کوئی نص موجود نہ ہو۔

اجتہاد کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں:

اگرچہ بعض فقہا یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے ائمہ کے گزر جانے کے ساتھ ہی اجتہاد کا دروازہ بھی بند ہو چکا ہے، لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے بلکہ اجتہاد کسی بھی زمانے یا وقت میں کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس کا تعلق کسی شخص میں شروط اجتہاد موجود ہونے اور مسائل پیدا ہونے کے ساتھ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چونکہ یہ دونوں چیزیں قیامت تک رہیں گی (یعنی کہ ایسے لوگوں کا ایک گروہ جو دین پر ہمیشہ قائم رہے گا اور وقت بدلنے کے ساتھ نئے نئے مسائل کا رونما ہونا) اس لیے اجتہاد کی بھی تا قیامت ضرورت پیش آتی رہے گی۔

اجتہاد میں تبدیلی:

اجتہاد بحث ونظر اور شرعی احکام کے استنباط کے لیے سخت کوشش کرنے پر منحصر ہے، اب اگر کوئی از حد محنت کے بعد کسی نتیجے پر پہنچے تو اسے چاہیے کہ اس پر عمل کرے اور اسی کے مطابق فتوی دے، لیکن اگر بعد میں اسے کوئی اور رائے (اپنی رائے سے) کتاب وسنت کے زیادہ قریب معلوم ہو تو پھر وہ اپنی پہلی رائے پر نہیں بلکہ دوسری رائے پر عمل کرے گا اور اسی پر فتوی دے گا، تاہم ایک ہی مجتہد کے ایک وقت میں دو متضاد اقوال ہونا کسی طور پر جائز نہیں، اگر مجتہد زیادہ ہوں اور پھر ان کے اقوال میں اختلاف ہو تو لوگوں کو اختیار ہوگا کہ وہ جس رائے کو کتاب وسنت کے زیادہ قریب پائیں اس پر عمل کریں۔ ایسی صورت میں ہرگز نہیں ہوگا کہ ہر ایک کی رائے برحق ہو، کیونکہ اجتہاد مختلف ہونے سے حق زیادہ نہیں ہو جاتے، بلکہ حق کسی ایک کے ساتھ ہی ہوگا جسے تحقیق کے ذریعہ حاصل کرنا لوگوں پر لازم ہے۔

اجتہاد کا اجر وثواب:

حضرت عمرو بن عاص ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "إذا حکم الحاکم فاجتهد ثم أصاب فله أجران وإذا حکم فاجتهد ثم أخطأ فله أجره" (اگر حاکم کسی فیصلے کے لیے اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد صحیح ہو تو اسے دو اجر ملیں گے اور اگر وہ کسی فیصلے کے لیے اجتہاد کرے پھر اجتہاد میں غلطی کرے تو اسے (پھر بھی صرف اجتہاد کا) ایک اجر ملے گا۔

اجتہاد کا طریقہ کار:

مجتہد کو چاہیے کہ کسی بھی مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لیے سب سے پہلے کتاب وسنت میں دیکھے، اگر ان میں اسے مطلوبہ مسئلہ مل جائے تو کسی اور طرف رخ نہ کرے، اگر نہ ملے تو اسے کتاب وسنت کے ظواہر اور منطوق ومفہوم میں تلاش کرے، اگر ان میں بھی نہ ملے تو نبی ﷺ کے اقوال اور امت کے لیے آپ ﷺ کی چھوڑی ہوئی تقریرات پر نظر ڈالے، پھر اگر اجماع کو حجت سمجھتا ہے تو اس کی طرف آئے اور پھر قیاس (اور دیگر ذیلی ماخذ) کی طرف رجوع کرے۔ (اجتہاد اور اس سے متعلقہ بحثیں فقہ الحدیث (ص ۹۵-۹۶) اور ارشاد الفحول (۲۵۰-۲۶۴) سے ماخوذ ہیں)

افتاء سے متعلق چند ضروری باتیں:

امور بالا مذکورہ کا جس طرح اجتہاد سے تعلق ہے اسی طرح افتاء سے بھی ہے، کیونکہ افتاء کا تصور بغیر اجتہاد کے ناممکن ہے۔ اس لیے کہ اجتہاد خاص اور افتاء عام ہے اور خاص کا دخول وشمول عام میں ضروری ہے، لیکن کچھ امور ایسے ہیں جن کا تعلق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف افتاء سے ہے، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ان کو بھی زیور تحریر میں لائیں۔

الف- جواز فتوی کے لیے کچھ شرطوں کا ذکر:

۱- یہ ہے کہ مفتی حکم شرعی کو یقینی یا ظن راجح (غالب) کے طور پر جانتا ہو ورنہ اسے توقف کرنا ہی ضروری ہوگا۔

۲- یہ ہے کہ سوال کو بخوبی سمجھے تا کہ اس پر حکم لگانے پر قادر ہو سکے، اس لیے کہ کسی چیز پر حکم لگانا فرع ہے اور اس شئی کا تصور اصل ہے۔

۳- اگر صاحب استفتاء کا کلام مبہم اور غیر واضح ہو تو مفتی صاحب کو چاہیے کہ اس سے پوچھے، اور اگر تفصیل کی ضرورت پڑے تو تفصیل طلب کرے، یا خود ہی جواب میں تفصیل بیان کرے۔

۴- بوقت افتاء مفتی کا دل پرسکون و مطمئن ہو، تا کہ تصویر مسئلہ کو بخوبی سمجھ سکے اور اس کو شرعی دلائل پر باقاعدہ منطبق کر سکے، حالت غیظ وغضب، فکر وغم، اکتاہٹ، جھنجھلاہٹ کے وقت فتوی نہ دیا کرے۔

ب- فتوی کے وجوب کے لیے چند شرطیں:

۱- جس کے بارے میں پوچھا گیا ہو وہ وقوع پذیر ہو، اس لیے کہ اگر وہ واقع نہ ہوا ہو تو اس کا فتوی دینا واجب نہیں، اس لیے کہ اس کی ضرورت ہی نہیں، ہاں اگر سائل کا مقصد صرف تعلیم ہو تو ایسی صورت میں علم کا چھپانا جائز نہیں، بلکہ سائل کے سوال کا جواب بہر صورت ضروری ہے۔

۲- مفتی صاحب کو سائل کے حال سے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا مقصد تعنت پسندی اور رخصتوں کی تلاش و جستجو جیسے برے مقاصد ہوں، اگر سائل کے حال سے ان باتوں کا اندازہ لگ جائے تو فتوی دینا ضروری نہیں۔

۳- فتوی پر وہ مفسدہ مرتب نہ ہو جو فتوی سے بھی زیادہ ضرر رساں ہو، اگر ایسا ہے تو فتوی سے سکوت و توقف ضروری ہے، تا کہ دو مفسدہ میں سے خفیف ترین مفسدہ کے ذریعہ دو مفسدہ میں سے شدید ترین مفسدہ کو دور کیا جا سکے۔

(ھمم الاصول من علم الاصول لابن عثیمین من رسائل الدعوۃ السلفیۃ: (۳۶۸/۲)

افتاء سے اجماع تک:

یہ بخوبی معلوم ہے کہ افتاء واجماع دونوں میں ادلہ سے بحث ہوتی ہے، اور مشہور ادلہ چار ہیں: (۱) کتاب (۲) سنت رسول اللہ (۳) اجماع (۴) قیاس۔ یہاں مقصود بالذات صرف اجماع ہے، اس لیے اجماع اور اس سے متعلقہ بحثیں رقمطراز کی جارہی ہیں:

۱- اجماع کی لغوی واصطلاحی تعریف:

لغوی اعتبار سے تو اجماع عزم، پختہ ارادہ اور کسی بات پر متفق ہونے کو کہتے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"فاجمعوا أمركم وشركاء كم" (یونس:۷۱) تم اپنا معاملہ اپنے شرکاء سے پختہ طور پر طے کرلو۔ اور حدیث میں ہے: "لا صيام لمن لم يجمع الصيام قبل الفجر" (صحیح نسائی: (۲۲۰۳، ۲۲۰۴)، کتاب الصیام، باب ذکر اختلاف الناقلین لخبر حفصۃ فی ذلک) اس شخص کا روزہ نہیں ہوگا جو فجر سے پہلے ہی روزہ رکھنے کی نیت نہ کرے۔

اصطلاحی اعتبار سے اجماع کی تعریف یہ کی جاتی ہے: "هو اتفاق المجتهدين في عصر من العصور على حكم شرعي بعد وفاة النبي ﷺ" (ارشاد الفحول (ص ۷۱) البحر المحیط للزرکشی (۴/ ۴۳۵) الاحکام للآمدی (۱/۱۷۹) المستصفی للغزالی (۱/۱۷۳) اجماع سے مراد نبی ﷺ کی وفات کے بعد کسی دور میں امت اسلامیہ کے تمام مجتہدین کا کسی دلیل کے ساتھ کسی شرعی حکم پر متفق ہو جانا ہے۔

اجماع کی شرائط:

مندرجہ ذیل امور کا جب تحقق ہوگا تو اجماع کا ثبوت ہوگا ورنہ نہیں۔

۱-مطلوبہ مسئلہ پر متفق ہونے والے افراد مجتہد ہوں ورنہ اجماع معتبر نہ ہوگا۔

۲-مجتہدین کے اتفاق سے مراد تمام مجتہدین کا اتفاق ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ صرف ایک شہر والے یا ایک بستی والے کے علماء ہی کسی مسئلہ پر جمع ہوں، کیونکہ ایک کی مخالفت بھی اجماع کے منعقد ہونے میں رکاوٹ ہے۔

۳-تمام مجتہد مسلمان ہوں۔

۴-جس کسی مسئلہ پر تمام مجتہد متفق ہو جائیں تو پھر ضروری ہے کہ اتفاقی فیصلہ عمل میں آجائے، علاوہ ازیں یہ شرط نہیں ہے کہ تمام مجتہدین کی موت بھی اس اتفاق پر ہی ہو۔

۵-اجماع کے لیے ضروری ہے کہ کسی شرعی حکم پر اتفاق ہو، نہ کہ طب، ریاضی یا لغت سے متعلق کسی مسئلہ پر ہو۔

۶-صرف وہی اجماع قابل قبول ہوگا جو نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ہوا ہو۔

۷-اجماع کے لیے کسی شرعی دلیل کا ہونا بھی ضروری ہے جس پر متفق ہوئے ہوں۔ محض اپنی خواہش پر کیا جانے والا اجماع معتبر نہیں ہوگا۔ (فقہ الحدیث: (۱/۵۹)

اجماع کی حجیت:

جمہور علماء کے نزدیک اجماع حجت ہے۔ اور وہ حجیت اجماع کے جو دلائل پیش کرتے ہیں ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

۱-ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساء ت مصيرا﴾ (النساء:۱۱۵) اور جس نے ہدایت واضح ہو جانے کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد رسول کی نافرمانی کی اور مومنین کے راستے کے علاوہ کسی دوسرے راستے کی پیروی کی تو اسے ہم اسی طرف لے جائیں گے جدھر وہ خود ہو گیا اور اسے جہنم میں داخل کریں گے جو بہت بری جائے قرار ہے۔

۲-حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إن أمتي لا تجتمع على ضلالة" بلاشبہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ (أبوداود (۴۲۵۳) ابن ماجہ (۳۹۵۰) کتاب الفتن، باب السواد الأعظم، طبرانی کبیر (۲۴۴۰)

۳-حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق" میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔ (بخاری (۷۴۵۹) کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی: إنما قولنا لشيء إذا أردناه (النحل:۴۰) مسلم (۱۹۲۱) احمد (۵/۲۷۸)

(مزید دیکھئے: الاصول من علم الاصول من رسائل الدعوۃ السلفیۃ ص ۳۵۶،
اور الاجماع فی الشریعۃ الاسلامیۃ لعلی عبدالرزاق ص ۲۵)

اجماع کی اقسام اور اس کے احکام:

(۱) اجماع صریح: اس سے مراد وہ اجماع ہے کہ تمام مجتہدین علماء کسی مسئلہ پر اس طرح متفق ہوں کہ وہ اس کے متعلق صراحت سے اظہار کریں خواہ قول سے کریں یا افتاء سے کریں۔ یہ اجماع بالاتفاق حجت ہے۔

(۲) اجماع قطعی: قطعی وہ اجماع ہے جس کا وقوع پذیر ہونا امت کی طرف سے یقینی طور پر معلوم ہو جیسے پانچوں نمازوں کے وجوب اور زنا کاری کی حرمت پر اجماع، اس طرح کے اجماع کے ثبوت و حجیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے، اگر اس کا مخالف جاہل نہ ہو تو اسے کافر قرار دیا جائے گا۔

(۳) اجماع ظنی: ظنی وہ اجماع ہے جس کا علم تتبع واستقراء سے معلوم ہو، اس کے امکان ثبوت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن اس بارے میں سب سے راجح موقف وہ ہے جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے العقیدۃ الواسطیۃ میں اختیار فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اجماع وہ ہے جو سلف صالحین کے کردار و عمل کو منضبط کر سکے اس لیے کہ ان کے بعد اختلاف زیادہ ہو گیا اور امت منتشر ہو گئی۔ (الاصول من علم الوصول من رسائل الدعوۃ السلفیۃ ص ۳۵۶)

(۴) اجماع سکوتی: اس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ پیش کیا جائے تو چند اہل اجتہاد علماء تو اس پر متفق ہو جائیں لیکن دیگر مجتہدین اس پر خاموشی اختیار کریں اور کوئی اعتراض نہ کریں۔ یہ اجماع احناف کے نزدیک حجت ہے، جبکہ امام مالک اور امام شافعی اسے اجماع تسلیم نہیں کرتے۔ (فقہ الحدیث: (۱/۶۰)، ارشاد الفحول: (ص ۸۴-۸۵)

☆☆☆

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتہاد
ضرورت اوراہمیت

محمد أسلم المبارکفوری

اجتہاد کی لغوی تعریف :

اجتہاد کا لغوی مادہ (ج ھ د) ہے جس کے معنی ہیں: قوت وطاقت ۔ یہ لفظ جیم کوفتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ آتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ فتحہ کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وأقسموا بالله جهد أيمانهم﴾ (المائدہ:۵۳) انہوں نے بہت زور لگا کر قسم کھائی۔

اجتہاد کا لغوی مفہوم ہے: کسی پُر مشقت کام میں پوری طاقت صرف کرنا۔ ابن منظور افریقی اجتہاد کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جَہد اور جُہد کے معنی طاقت کے ہیں۔ آپ کہتے ہیں: اجهد جهدك اپنی پوری طاقت لگادو۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جہد-جیم کے فتحہ کے ساتھ- بمعنی: مشقت، اور جہد (جیم کے ضمہ کے ساتھ) بمعنی: طاقت کے ہیں۔ اجتہاد اور تجاہد پوری طاقت صرف کرنے کا نام ہے(۱)۔ یہ لفظ جہاں بھی استعمال ہوا ہے اس کا مطلب ہے ذہنی اور عقلی کاوشوں کا بھرپور استعمال کرکے غیر منصوص مسائل میں تفصیلی دلائل سے شرعی حکم کی تخریج واستنباط کی صلاحیت رکھنا۔

اصول فقہ کے مصنفین نے اجتہاد کے لغوی معنی کو کچھ زیادہ ہی وضاحت اور انضباط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اجتہاد کسی کام میں پوری کوشش صرف کرنے اور طاقت لگانے کا نام ہے۔ اجتہاد کا استعمال اسی کام کے لیے ہوتا ہے جس میں محنت ومشقت ہو۔ اجتهد في حمل حجر الرحى یعنی چکی کا پتھر اٹھانے میں پوری کوشش کی۔ یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ رائی کا دانہ اٹھانے میں پوری کوشش کی (۲)۔

اجتہاد کی اصطلاحی تعریف :

اس فن کی کتابوں میں اجتہاد کی مختلف تعریفیں پائی جاتی ہیں۔ یہ تعریفیں اگرچہ الفاظ میں مختلف ہیں مگر ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ میں ان سب تعریفوں کو نہ بیان کرکے صرف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی بیان کردہ تعریف پر اکتفا کرتا ہوں جو فقہاء اور اصولی حضرات کی تعریفات سے نسبتاً زیادہ واضح ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: علماء کے کلام سے اجتہاد کی حقیقت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اجتہاد فروعی شرعی احکام کو شریعت کے تفصیلی دلائل سے اخذ کرنے میں پوری طاقت وتوانائی صرف کرنے

(۱) لسان العرب (۱۳۳/۳) (۲) المستصفی (۳۴۲/۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا نام ہے۔ یہ تفصیلی دلائل بنیادی طور پر چار ہیں: کتاب، سنت، اجماع اور قیاس (۱)۔

اجتہاد کی حجیت :

اجتہاد شرعی ماخذ اور اہم ترین اصل ہے، جو فقہ اسلامی کی اساس اور بنیاد ہے۔ اسلامی فقہ پر سرسری نگاہ ڈالنے سے پتہ لگتا ہے کہ فقہائے اسلام نے اجتہاد کو تشریع اسلامی کا ایک مصدر قرار دیا ہے۔ اس کے شرعی ماخذ ہونے کے متعدد دلائل ہیں۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر آیات قرآنی میں غور وفکر کرنے کے ساتھ ساتھ انفس وآفاق میں تدبر وتفکر پر ابھارا گیا ہے۔ اور یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ جو بات خود معلوم نہ ہو اسے اپنے سے زیادہ علم والے سے معلوم کر لینی چاہیے۔

اس تفکر وتدبر کی مزید وضاحت حدیث معاذ میں ملتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں قاضی بنا کر یمن بھیجا تو آپ نے ان سے فرمایا:

كيف تقضى ؟ کیسے فیصلہ کرو گے؟

انہوں نے جواب دیا:

أقضى بكتاب الله میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

آپ نے فرمایا: اگر کتاب اللہ میں کسی مسئلہ کا حکم موجود نہ ہو تو پھر کیا کرو گے؟

جواب دیا: أقضى بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

آپ نے فرمایا: اگر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی وہ حکم نہ ملے تو کیا کرو گے؟

معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أجتهد برأئي اپنی رائے اور بصیرت سے اجتہاد کروں گا۔

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو حق شناسی کی توفیق بخشی (۲)۔

تمام فقہاء اور علمائے اصول اجتہاد کے ثبوت میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کو پیش کرتے ہیں جو اکثر محدثین اور شراح حدیث کے یہاں ضعیف اور ناقابل استدلال ہے۔ اور بعض محدثین کے یہاں قابل استدلال (۳)۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ اس حدیث پر حاشیہ لگاتے ہوئے رقم طراز ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ان احکام میں جن میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نص نہ ملے اجتہاد کرنے پر باقی رکھا (۴)۔

(۱) عقد الجید فی أحکام الاجتہاد والتقلید (ص:۳) (۲) ابوداود (۳۵۹۲) ترمذی (۱۳۲۷) دارمی (۱/۱۷۰)

(۳) تفسیر ابن کثیر (۱/۱۷) سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۸۸۱) ضعیف الترمذی (۲۲۴) مشکاۃ المصابیح بتحقیق الالبانی (۳۷۳۷)

(۴) اعلام الموقعین (۱/۱۵۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہا اور علمائے اصول کی عام شاہراہ سے ہٹ کر امام شافعی رحمہ اللہ (۱) نے اجتہاد پر براہ راست قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ومن حيث خرجت فول وجهك شطر المسجد الحرام وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره﴾ (البقرۃ:۱۵۰) اور جس جگہ سے آپ نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔ اور جہاں کہیں تم ہو اپنے چہرے اسی طرف کیا کرو۔

ان کا طریقہ استدلال یہ ہے کہ سفر کی حالت میں جب قبلہ کا صحیح تعین نہ ہو اور قبلہ کی جہت معلوم کرنا دشوار ہو تو غور وفکر اور تدبر سے کام لے کر اور دیگر علامات وقرائن دیکھ کر قبلہ کا تعین کرلو۔ اور اس طرف نماز پڑھ لو اسی کا نام اجتہاد ہے (۲)۔

مزید برآں امام موصوف نے اجتہاد کے جواز پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا:" اذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب ، فله أجران. واذا حكم فاجتهد ثم أخطأ ، فله أجر " (۳)

اگر حاکم نے کسی معاملہ میں فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کیا اور اپنے اجتہاد میں درستگی اور صواب کو پالیا تو اسے دو اجر ملے گا (ایک جدوجہد کا اور دوسرا صحیح نتیجہ تک پہنچنے کا) اور اگر اس سے اجتہاد میں غلطی ہوئی تو اسے ایک اجر ملے گا (یہ اس محنت کا اجر ہے جو اس نے تلاش حق میں صرف کی ہے)

اس حدیث سے صراحۃ ثابت ہوا کہ حاکم کے لیے غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کرنا جائز ہے۔ اور اشارۃ علماء کے لیے اجتہاد کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا: یہ اس شخص کے لیے ہے جو اجتہاد کے تمام آلات وذرائع کا جامع، اصول اجتہاد سے واقف اور قیاس کی تمام اقسام کا عالم ہو۔ اور جو شخص اجتہاد کا اہل نہ ہو وہ تو جان بوجھ کر اس مسئلہ میں الجھتا ہے۔ لہذا غلطی کی صورت میں اسے معذور نہیں قرار دیا جائے گا۔ بلکہ وہ گنہگار ہوگا (۴)۔

اجتہاد کے جواز پر یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جس کا مطلب یہ ہے:

دو صحابی سفر میں نکلے۔ ان دونوں کے ساتھ پانی نہ تھا۔ جب نماز کا وقت آیا تو ان دونوں نے پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمّم کرکے نماز ادا کرلی۔ نماز کا وقت ابھی باقی تھا کہ پانی مل گیا۔ ایک صحابی نے وضو کرکے اپنی نماز دہرا لی۔ دوسرے صحابی نے دہرانے کو ضروری نہ سمجھا۔ سفر سے واپسی پر ان دونوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ جس صحابی نے اپنی نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

أصبت السنة وأجزأتك صلاتك .

(۱) الرسالہ (ص:۱۱۲-۱۱۳) (۲) الرسالہ (ص:۱۱۲-۱۱۳)
(۳) متفق علیہ: بخاری: (۷۳۵۲) مسلم (۱۵-۱۷۱۶) (۴) معالم السنن (۱۶۰/۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تم نے سنت کے مطابق کیا' اور تمہاری نماز ہوگئی۔ اور دوسرے صحابی سے فرمایا:

لك الأجر مرتين .

تمہیں دوہرا اجر ملے گا(۱)۔

ظاہر ہے کہ دونوں صحابی کا یہ عمل اجتہاد پر مبنی تھا۔ کسی کے پاس کوئی نص شرعی نہ تھا۔

غزوہ بنوقریظہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حکم دینا کہ ہر آدمی بنوقریظہ میں نماز عصر ادا کرے۔ کچھ صحابہ نے اپنے اجتہاد سے راستہ ہی میں عصر کی نماز پڑھ لیا اور کچھ نے وہاں پہنچ کر ادا کیا(۲) لیکن اس اجتہاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی سرزنش نہیں کی۔

جس طرح احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی متعدد مثالیں ملتی ہیں اسی طرح عہد رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اجتہاد کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ صحابہ کرام کے درمیان استنباط احکام میں اختلاف تو ہوا لیکن بہت کم۔ اور جو اختلاف ہوا اس میں انہیں صرف حق مطلوب تھا۔ نہ کہ تعصب اور تنگ نظری۔

علماء میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد کیا ہے یا نہیں؟ صحیح بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجتہاد کا صدور ہوا ہے' جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

(۱) غزوہ تبوک سے پچھڑنے والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجازت دینا قبل اس کے کہ یہ واضح ہو جائے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا؟

(۲) بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دینا

(۳) کھجور کے درخت میں تابیر کرنے سے منع کرنا

اجتہاد کا دائرہ:

جن مسائل کے متعلق شریعت میں قطعی الثبوت نصوص موجود ہیں' وہ محل اجتہاد نہیں ہیں اور نہ ہی ان میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ جیسے عبادات میں قیاس نہیں ہے اسی طرح نص شرعی کے ہوتے ہوئے اجتہاد نہیں ہے(۳)۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم﴾ (الاحزاب:۳۶) کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

لہذا ہر وہ اجتہاد جو کسی نص شرعی سے متصادم ہو وہ شرعا مردود ہے۔

(۱) ابوداود:۳۳۸ یہ حدیث صحیح ہے۔ (۲) مسلم:۶۹-۱۷۷۰۔

(۳) اعلام الموقعین ۲/۱۹۹، ۲۸۵، ۳/۲۲۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتہاد کے محل صرف وہ مسائل ہیں جن کے متعلق سرے سے نص ہی نہ ہوں یا وہ دلائل ظنی ہوں، یا ان مسائل میں فقہاء باہم مختلف ہوں' جیسا کہ علامہ شیرازی کا خیال ہے(۱)۔
اس لیے علماء اصول نے اجتہادی مسائل کی تحدید کردی ہے۔اجتہادی مسائل کی تحدید اس لیے بھی ضروری ہے کہ مجتہد غیر اجتہادی مسائل میں اجتہاد کر کے اپنے آپ کو گنہ گار نہ بنائے اور نہ ہی نصوص شرعیہ کو منہدم کرنے کی کوشش کرے۔
امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: پنج وقتہ نمازوں اور زکاۃ کی فرضیت شریعت کے وہ روشن مسائل ہیں جن پر امت کا اتفاق ہے۔ان کے بارے میں قطعی دلائل موجود ہیں۔ان سے اختلاف کرنے والا گنہگار ہوگا۔اس لیے یہ اجتہاد کے محل نہیں ہیں۔(۲)

اجتہاد کی ضروری شرطیں:

چونکہ احکام شرعیہ میں اجتہاد اللہ رب العالمین کی طرف سے ایک تحفہ ہے اسی وجہ سے مجتہد کے لیے کچھ ایسی شرائط ہیں جو اسے درجہ اجتہاد تک پہنچا سکیں۔چونکہ اجتہاد ایک نازک کام ہے۔اسے وہی انجام دے سکتا ہے جو غیر معمولی قوت حافظہ، ذہانت وذکاوت، علمی تبحر، فنی مہارت، فقہی بصیرت اور فہم وفراست کے ساتھ ساتھ درج ذیل شرطوں سے متصف ہو۔

(۱) مجتہد صحیح العقیدہ ہو اور کسی تقلیدی روش پر قائم نہ ہو۔

(۲) عربی زبان وادب پر عبور اور قدرت رکھتا ہو۔اور عربی عبارتوں کے الفاظ وکلام کے مختلف اسلوبوں کا جانکار ہو اور ان کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

(۳) قرآن مجید کا علم ہو۔اسباب نزول، ناسخ ومنسوخ اور علم تفسیر وغیرہ کا ماہر ہو۔

(۴) حدیث اور حدیث کے متعلقہ علوم کا علم رکھتا ہو۔مثلا: صحیح، ضعیف وغیرہ

(۵) اجماعی اور اختلافی مسائل کا عالم ہو۔

(۶) مقاصد شریعت، علت احکام اور شرعی نصوص ودلائل کی حکمتوں کا علم رکھتا ہو۔

(۷) مآخذ شریعت سے احکام استنباط کرنے پر قادر ہو۔

(۸) علم اصول فقہ سے واقف ہو۔اس لیے کہ یہ فن وہ ستون ہے جس پر اجتہاد کی بنیاد قائم ہے۔

اجتہاد کا طریقہ کار:

کسی بھی مسئلہ کا حکم تلاش کرنے کے لیے سب سے پہلے مجتہد کو چاہیے کہ قرآن وحدیث میں تلاش کرے۔ان میں مطلوبہ مسئلہ مل جائے تو اسی پر عمل کرے۔اگر نہ ملے تو ان کے منطوق ومفہوم میں تلاش کرے۔اگر ان میں بھی نہ ملے تو مجتہدین امت کے اجماع کو اپنی جستجو کا مرکز بنائے۔بعدہ قیاس کی طرف رجوع کرے(۳)۔

(۱) اللمع فی اصول الفقہ (ص:۱۳۰) (۲) المستصفی (ص:۳۴۸)
(۳) ارشاد الفحول (ص:۲۵۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتہاد کی حاجت اور ضرورت:

اجتہاد وقت کی ضرورت ہے۔ ہر زمانہ میں اس کا وجود رہا ہے۔

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے مفتی اول حضرت مولانا محمد ادریس صاحب آزادرحمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اجتہاد کا دروازہ اسلام نے کھلا رکھا ہے۔ اور نصوص قرآنی اور حدیثی سے مسائل مستنبط ہوتے رہیں گے''۔

ڈاکٹر حسن احمد مرعی اجتہاد کی ضرورت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ضرورت اس کی داعی ہے۔ ہم جن حالات میں زندگی گذار رہے ہیں ان میں ہم جامد اور ساکن نہیں رہ سکتے۔ زندگی پوری حرکت ہے۔ ہر دم رواں اور پیہم دواں ہے۔ ان میں سے بہت سی باتوں کا گذشتہ زمانہ میں وجود نہیں تھا تو کیا علما زندگی کی نئی مشکلات کے سامنے ہاتھ دھرے کھڑے رہیں گے؟ یا انہیں لازما اجتہاد کرنا چاہیے تاکہ پیش آمدہ معاملات اور واقعات کا حکم لوگوں کے لیے بیان کریں؟

میں سمجھتا ہوں کہ ہر دانش مند اجتہاد کو فرض کفایہ قرار دے گا تاکہ لوگ اس زندگی میں جن اعمال میں مصروف رہتے ہیں ان کے احکام ان کو معلوم ہو جائیں۔ اور ہماری زندگیاں دین کے رکاب میں چل سکیں۔ اگر ہمیں یقین ہے کہ یہ زمانہ مجتہد سے خالی ہے تو پھر عالم اسلامی کے فقہاء کے یہ اجتماعات کس غرض سے منعقد کیے جاتے ہیں؟ (۱)

اجتہاد کے بارے میں علماء اہل حدیث کا موقف:

علماء اہل حدیث کا موقف یہ ہے کہ زندگی کے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ فرض کفایہ ہے۔ اہل علم اور صاحب تقوی اسلاف کرام نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ان مسائل پر شرعی اصول وضوابط کو بروئے کام لاتے ہوئے احکام کی تلاش وجستجو کا نہایت اہم فریضہ انجام دیا ہے۔ یہ ہر دور کی ضرورت اور حاجت ہے اور اسلام کی ابدیت کا تقاضہ بھی۔ صرف انہی مسائل میں اجتہاد کی گنجائش ہے جن میں کتاب وسنت سے واضح ہدایات نہیں ہیں۔ اور جن مسائل میں کتاب وسنت سے واضح دلائل اور قطعی الثبوت نصوص ہیں ان میں اجتہاد کی اجازت نہیں۔ اہل حدیث علماء کے فتاوے اور تحریروں میں جابجا اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

اجتہاد کا کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شروع ہو گیا تھا۔ بعد میں اس کے باقاعدہ اصول وضوابط وضع ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نصوص کے نہ پانے کی صورت میں اجتہاد کیا (۲)۔ تابعین کے زمانہ میں خاص مدینہ میں فقہائے سبعہ کے نام سے ایک نامور گروہ موجود تھا، جن کے پاس فقہاء صحابہ کے فتاوے اور علوم تھے (۳)۔

علماء اہل حدیث کا موقف یہ بھی ہے کہ اجتہاد صحیح مذہب کی بنیاد پر جزء ہونے اور تقسیم ہونے کو قبول کرتا ہے۔ ایک آدمی ایک مسئلہ میں مجتہد ہو تو اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ دوسرے مسئلہ میں بھی مجتہد ہو (۴)۔ ☆☆

---

(۱) الاجتہاد فی الشریعۃ الاسلامیۃ (ص:۸۹) (۲) سنن نسائی (۱۲۲/۶) بسند صحیح

(۳) دوام حدیث (۱۹۶/۱-۱۹۷) (۴) اصول فقہ مؤلفہ شاہ اسماعیل شہید (ص:۱۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علماء اہل حدیث کی اہم کتب فتاویٰ
تعارف اور خصوصیات

مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی
استاذ ومفتی جامعہ دارالسلام عمرآباد

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الكريم. وبعد!

اللہ رب العزت کا احسان ہے کہ اس نے ایک ایسی جماعت کو برپا کیا جن کے شب وروز قال الله اورقال الرسول کی صداؤں میں بسر ہوئے ہیں۔کتاب وسنت کے دلائل وبراہین کی ضیاپاشیوں سے امت کو صحیح منہج سلف کی طرف لے چلنے میں صدیاں بیت گئی ہیں۔اورلوگوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم دینے میں شب وروز مصروف اور ہمہ تن گوش رہنے والی یہ جماعت کتاب وسنت کی بالادستی کو ہر وقت ہر جگہ تسلیم کیا کرتی ہے جب کہ ایک گروہ ائمہ کرام کی قیاس آرائیوں اور فقہی موشگافیوں کو حرز جان بنانے میں مصروف رہا کرتا ہے کتاب وسنت کے نصوص کو سمجھ کر استدلال واستنباط کا طریقہ علماء اہل حدیث کا تھا اور وہ لوگ اسی نہج پر فتوی دیا کرتے تھے۔قرآن وحدیث کی بے جا تاویل وتوجیہ کو حددرجہ ناپسند کیا کرتے تھے۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اپنے دور کے اہل علم کے نہج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''اشتغالهم في علم الحديث قليل قديما وحديثا''الانصاف یعنی ان (علماء) کا علم حدیث کے ساتھ ماضی اورحال میں اشتغال کم رہا ہے۔اس کی وجہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ''ذلک انه لم يكن عندهم من الاحاديث والآثار مايقدرون به على استنباط الفقه على الاحوال حتى اختارها اهل الحديث'' (حجة الله البالغة: ۱۵۲/۲) یعنی ان کے پاس احادیث وآثار کا اتنا ذخیرہ نہیں تھا جس میں وہ فقہی استنباط واستخراج کی طاقت ان اصولوں پر رکھیں جنہیں اہل الحدیث نے منتخب کیا۔

علماء اہل حدیث کا اصول یہ تھا کہ جس فقہ کی بنیاد کتاب وسنت پر نہ ہو وہ قابل عمل نہیں ہوسکتی۔اللہ تعالی کا اہل حدیث پر احسان عظیم ہے کہ اس نے انہیں کتاب وسنت کا صحیح فہم عطا کیا اور فقہ اسلامی یعنی قرآن وحدیث کی صحیح بصیرت عنایت فرمائی۔اورانہوں نے قیاس آرائیوں اوراقوال الرجال پر اپنی اساس وبنیاد قائم کرنے کے بجائے قرآن وحدیث کی نصوص پر بنیاد قائم کی اور جس مسئلہ پر کوئی شرعی دلیل نہیں ملتی اُسے نظرانداز کردیتے۔

کتاب وسنت کی نصوص کے دائرہ میں رہتے ہوئے مسائل کا استنباط اوراستخراج کرنا بے دلیل باتوں کو تسلیم نہ کرنا ایسے امتیازی اوصاف صرف علماء اہل حدیث کے رہے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علماء اہل حدیث میں دینداری، تقویٰ، خدا پرستی، خشوع وخضوع اور عجز وانکساری زیادہ تھی ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہتے تھے۔ کسی بھی مسئلہ کے استنباط میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے۔ اور انہیں آپ ﷺ کا فرمان ہر لمحہ یاد رہتا تھا۔ من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار ''جس شخص نے جان بوجھ کر کوئی جھوٹی بات میری طرف منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ آگ (دوزخ) بنالے (صحیح ابوداؤد: 3102)

اہل حدیث وہ لوگ تھے جو ہر مسئلہ میں فیصلہ کرتے وقت نصوص شرعیہ تک محدود رہتے اگر انہیں ان میں کسی مسئلہ میں کوئی نص نہ ملتی تو توقف وسکوت اختیار کر لیتے اور رائے وقیاس سے حتی المقدور اجتناب کرتے یہی وجہ ہے کہ ان کے پاس اس قدر مسائل واحکام مدون نہ ہوسکے۔ جتنے اہل الرای کے پاس مدون ہوگئے۔

علماء اہل حدیث نے برصغیر ہند میں قرآن وحدیث پر مبنی دلائل کی روشنی میں فتوی نویسی کو رواج دیا اس ذوق کو عام کیا ورنہ عام طور پر فقہی حوالوں پر مبنی فتوؤں کا رواج تھا۔ لیکن بڑا المیہ یہ تھا کہ ان حضرات علماء نے کوئی خاص ریکارڈ نہ رکھا اور نہ ہی ان کی وفات کے بعد ان کے اخلاف نے ان کے ذخیرۂ علمی کو جمع کیا، نتیجۃً بہت سی علمی وقیمتی تحریرات ودستاویزات ضائع ہوکر رہ گئیں۔ جیسا کہ شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کے متعلق ان کے ایک شاگرد رشید مولانا عبدالحیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، کی کتاب ''نزھۃ الخواطر'' میں مذکور ہے کہ ان کے وہ فتاوے متفرق ہیں جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جو شمار سے باہر ہیں اگر وہ جمع کیے جاتے تو کئی ضخیم جلدیں بنتیں۔ (نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر: ۵/۸)

برصغیر ہندوپاک میں علماء اہل حدیث نے قرآن وحدیث کی جس قدر خدمت کی وہ محتاج تعارف نہیں ہے۔ مذہب اسلام کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جس میں ان کے نقوش تاباں نہ ہو۔ ان شعبوں میں سے ایک شعبہ دارالافتاء کا بھی ہے۔ شاہ صاحب کی تحریک سے قبل لوگ اپنے مسائل کے حل کے لیے فقہ سے سرموتجاوز نہ کرتے تھے۔ بعد میں شاہ صاحب کے زیر اثر پروان چڑھنے والے اہل حدیث کی تحریک نے حجیت واستناد کے طور پر کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کا تعارف پیش کیا۔ چنانچہ پہلی بار برصغیر میں استفتاء کے جوابات براہ راست کتاب وسنت کے دلائل سے پیش کئے گئے۔ بعد کی نسلوں نے ان فتاوے کو جمع کیا اس سلسلہ کا قابل قدر مجموعہ فتاوی نذیریہ ہے جو شیخ الحدیث حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے فتاوے اور ان کی تصدیقات پر مشتمل ہے اور آخری دور کا مجموعہ فتاوی ثنائیہ ہے جو شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے فتاوے اور مولانا شرف الدینؒ کی تعلیقات پر مشتمل ہے۔

ان مجموعات کے علاوہ کچھ دیگر علماء اہل حدیث ایسے بھی ہیں جن کے فتاوے ہنوز جمع نہیں کئے گئے اور یہ گراں قدر گوہر پارے جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ ان منتشر فتاوے کو ایک لڑی میں پرونے کی ایک مخلصانہ کوشش مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی نے کی ہے۔

مولانائے موصوف نے مسائل زکوۃ پر اکابر علماء اہل حدیث کے فتاوے جمع کئے اس سلسلہ کے میں مجموعہ ہائے فتاوی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثلاً فتاوی نواب صدیق حسن خان، فتاوی نذیریہ، فتاوی غزنویہ، فتاوی مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری، فتاوی ثنائیہ، فتاوی ستاریہ، فتاوی سید داؤد غزنوی، فتاوی عمر پوری، فتاوی عزیزیہ، فتاوی مفید الاحناف، فتاوی عبیداللہ رحمانی، فتاوی عبدالجبار غزنوی، وغیرہم کے فتاوے قابل ذکر ہیں۔

علماء اہل حدیث کے فتاوے کی چند اہم خصوصیات

(۱) کتاب وسنت کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے ہر مسئلہ کا حل قرآن وحدیث میں تلاش کرنا قرآن وحدیث کے ساتھ اجماع امت کو بطور دلیل قبول کرنا۔

(۲) قیاس آرائیوں اور فقہی موشگافیوں اور اقوال الرجال کو حرز جان بنانے کے بجائے نصوص صحیحہ کی تلاش جاری رکھنا اس لئے کہ اقوال الرجال کو دینی امور کے لئے مأخذ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

(۳) جس مسئلہ میں شرعی دلیل نہ ملے اس مسئلہ کے حل کے لیے نصوص صحیحہ کی بصیرت کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرنا اور صحابہ کرام کے فتاوے کی طرف رجوع کرنا اور دلیل کی بنیاد پر قبول کرنا۔

(۴) جس فقہ کی بنیاد صحیح حدیثوں پر نہ ہو وہ قابل قبول نہیں ہوسکتی۔

(۵) علماء اہل حدیث کے فتاوے مدلل ہوا کرتے تھے وہ عدم تقلید کے قائل تھے۔ ضرورتاً فقہی اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے تردید بھی کرتے تو دلیل کی روشنی میں مثلاً مولانا محمد احمد صاحب مئوی نے اباطیل وہابیہ لکھا جس کا جواب مولانا محمد یوسف صاحب فیض آبادی نے اباطیل لہابیہ لکھا۔

(۶) المعاصرۃ اصل المنافرہ کے تحت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا سلامت اللہؒ، مولانا محمد بشیر صاحبؒ، مولانا الٰہی بخشؒ، مولانا محمد یوسف صاحب فیض آبادیؒ، وغیرہم ہمعصر ہونے کی وجہ سے فروعی مسائل میں اختلاف ہوا کرتا تھا جیسا کہ علماء دارالعلوم دیوبند نے وہابیوں کے خلاف فتاوے صادر فرمائے۔ اس کے جواب میں مذکورہ علماء نے جوابی فتوے صادر فرمائے۔

(۷) تمام گوشوں پر کتاب وسنت کی روشنی میں دلائل وبراہین کے ساتھ پیش افتادہ مسائل اور سوالات کے حل اور جوابات مہیا کردیئے جاتے۔ قبل از وقت فرضی مسائل گھڑنا اور اس کے جوابات تیار کرنا ناپسند کیا کرتے تھے۔

(۸) مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فتاوے کے زرین اصول وقواعد مرتب فرمائے اور یہ واضح کیا کہ فتوی درحقیقت حکم مسئلہ کی توضیح ہے۔ حلال یا حرام مکروہ یا مباح، جائز یا جائز وغیر کو بتانا ہے اور فتاوی کی تنفیذ دارالقضاء یا عدالت سے ہوگی۔ فیصلہ کا نفاذ حکومت کے کارندوں سے ہوگا۔

(۹) مسلک اہل حدیث کا بنیادی اصول صرف کتاب وسنت کی پیروی ہے رائے قیاس واجتہاد واجماع سب کتاب وسنت کے تابع ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۰) معاصر فرقوں اور تحریکوں کی جانب سے سلفی فکر وتحریک پر ہونے والے مختلف النوع حملوں کی دفاع کی سنجیدہ کوشش کرنا۔

(۱۱) ان فتاوی کی امتیازی شان یہ بھی ہے کہ طرز نگارش شگفتہ وادیبانہ ہے نہ کہ خشک اور تقشفانہ۔ جس کی مثال فتاوی سلفیہ (داڑھی کے مسئلہ میں تجمل وغیرہ) میں موجود ہے۔

(۱۲) شرعی حدود میں رہتے ہوئے زمان ومکان کے حالات وظروف کی مکمل رعایت کرنا۔

(۱۳) دینی وعلمی مسائل کو شگفتگی وخوش اسلوبی کے ساتھ بیان کرنا۔

(۱۴) عصر حاضر کے جدید ذہنوں کو حق وصواب کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرنا۔

(۱۵) مسئلہ کا حل جاننے کے لئے ا۔ قرآن کریم کی طرف رجوع کیا جائے ۲۔ مطلوبہ حکم قرآن میں نہ ملے تو سنت رسول جو قرآن کی توضیح اور تشریح ہے کی طرف رجوع کیا جائے ۳۔ اگر سنت میں وہ حکم نہ ملے تو اجماع کی طرف رجوع کیا جائے۔ اگر اجماع نہ ہو تو قیاس صحیح کی طرف رجوع کیا جائے۔

مذکورہ بالا ترتیب کے دلائل سنن ابی داود ۳۵۹۲ اور مسند احمد ۵/ ۲۳۰ کی روایت سے ثابت ہے۔

نوٹ: علامہ البانی نے اس سند کی تضعیف کی ہے جب کہ امام ابن قیم رحمہم اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (اعلام الموقعین ۱/ ۲۰۲ اور ابن تیمیہ اور ابن کثیر رحمهم الله نے اس کی سند کو جید کہا ہے دقائق التفسير ۱/ ۱۱۰ و تفسير ابن كثير ۱/ ۴)

کتب فتاوی علماء اہل حدیث کا مختصر تعارف

ا۔ فتاوی عزیزیہ

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے چار ہونہار صاحب زادے تھے شاہ عبد العزیز محدثؒ دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۴۹ھ شاہ عبد الغنی محدث دہلویؒ ۱۲۲۷ھ اور شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ ۱۲۴۲ھ

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بڑے فرزند تھے جب آپ ۱۵ سال کے ہوئے تو آپ نے جملہ علوم عقلیہ اور نقلیہ سے فراغت حاصل کر لی اور تدریسی ذمہ داریاں سنبھال لیں اور جب آپ ۱۷ سال کے ہوئے تو حجۃ اللہ فی الہند امام شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی وفات پا گئے تو شاہ صاحب کے مسند تدریس وخلافت آپ کو تفویض کر دی گئیں۔

مولانائے موصوف فکر ولی اللہی کے ترجمان تھے اور شاہ صاحب کی علمی وتحریک فقہ الحدیث کے علمبردار تھے تقلید جامد اور تقلید شخصی کے قائل نہ تھے بلکہ جو قول کتاب وسنت سے قریب ہو اس قبول کرنے میں کوئی تأمل نہ فرماتے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آج ہندوستان کے جملہ سلاسل محدثین کامنتہا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ عن شاہ ولی اللہؒ ہے بیرون ملک میں بھی اگر کسی اہم فتوی پر آپ کی مہر ثبت ہے تو پھر اس میں قیل وقال کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی تھی۔

فتاوی عزیزی ۲ جلدیں: از مولانا عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بزبان فارسی مطبوع ومدلل تھی۔ ہر مسئلہ کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کیا جاتا تھا۔فتاوی کی دونوں جلدیں آپ کے تبحر علمی کا نچوڑ اور دینی معلومات کا وقیع سرمایہ ہیں۔ خاندان شاہ ولی اللہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس خاندان کو حدیث اور علم حدیث کی خدمت کا خوب موقع ملا اورانہوں نے ثابت کردیا کہ حجیت صرف کتاب وسنت کے لئے ہے باقی مصادر کتاب وسنت کے تابع ہیں نہ کہ متبوع۔

۲۔فتاوی نذیریہ

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سلسلہ فکر کے گل سر سبد **حضرت شیخ العرب والعجم سید نذیر حسین محدث دھلوی** (متوفی ۱۳۲۰ھ موافق ۱۹۰۲م) نوراللہ مرقدہ کے فتاوی دوضخیم جلدوں میں مطبوع ومیسر ہیں یہ فتاوی حضرت موصوف کے دوخصوصی شاگردان رشید حضرت العلام محمد شمس الحق محدث عظیم آبادیؒ (۱۳۲۹ھ موافق ۱۹۱۱م اور مولانا محمد عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ کی مساعی جمیلہ اور حضرت مولانا محمد شرف الدین دہلویؒ (۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۱م) کی تصحیح وتعلیقات سے حضرت اقدس کی نبیرگان کے اہتمام سے ۱۳۳۳ھ موافق ۱۹۱۴م میں دہلی میں شائع ہوے۔

فتاوی نذیریہ میں آمدہ فارسی وعربی زبان کی عبارتوں کے اردو ترجمہ کا کام ۱۳۸۷ھ موافق ۱۹۶۷م میں شروع کیا گیا چارسال کی محنت شاقہ کے بعد پوری کتاب بحمداللہ تین جلدوں میں زیورطبع سے آراستہ ہوئی عموماعربی وفارسی عبارتوں کے اردو ترجمے حاشیہ میں کردیئے گئے۔

(نذیراحمد سبحانی مینیجر اہل حدیث اکاڈمی لاہور ۱۳۹۰ھ)

مولانا عبدالعزیز صاحب اعظمی عمریؒ استاذ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئوی رقمطراز ہیں

ہندوپاک میں علماء اہل حدیث کی علمی خدمات بیشمار ہیں افسوس کہ ان کا علمی ذخیرہ زیورطبع سے آراستہ نہ ہوسکا ان کا اکثر حصہ ضائع ہوگیا شیخ العرب والعجم سیدنذیرحسین محدث دہلوی کے فتاوی کے بارے میں ان کے پوتے مولانا سید عبد السلام اورسید ابوالحسن لکھتے ہیں کہ اگر یہ سب فتاوی دستیاب ہوتے تو یقیناً فتاوی عالمگیری سے چہار چند یا اس سے بھی زیادہ ہوجاتے ۔(مقدمہ فتاوی نذیریہ)

۳۔فتاوی برکاتیہ

شیخ الحدیث حضرت الاستاذ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد اسماعیل صاحب رحمہ اللہ ایک خالص علمی شخصیت ہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو پاکستان کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ کے شیخ الحدیث اور مہتمم اعلی بھی تھے اس جامعہ کی بنیاد سرتاج اہل حدیث حضرت مولانا سید داؤد غزنوی نے رکھی تھی اور محدث زمان مفتی علامہ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے سرپرستی فرمائی

فتاوی برکاتیہ کے نام سے مولانا محمد یحی صاحب طاہر نے مختلف فتاوی کو جمع کر کے اشاعت کا اہتمام کیا حضرت الاستاذ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد اسماعیل صاحب رحمہ اللہ کے خاص شاگردوں میں سے خطیب الاسلام شہید مولانا احسان الہی ظہیر مولانا محمد علی صاحب مولانا محمد فاروق صاحب راشدی سابق مدیر صراط مستقیم برطانیہ وغیرہم شامل ہیں۔

فتاوی برکاتیہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے یا ایک منفرد مجموعہ ہے جس میں مختصر و مدلل فتاوی جمع کئے گئے ہیں جو کہ اہل علم اور آپ کے شاگردوں کے لئے نیز عامۃ الناس کے لئے ایک نادر تحفہ ہے جامعہ اسلامیہ کے دارالافتاء میں لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا سائلین کو اسی وقت فتوی دے دیا جاتا تھا حضرت الاستاذ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد اسماعیل صاحب رحمہ اللہ نے اپنے اہل خانہ کو یہ تاکید فرمادی تھی اگر کوئی سائل آئے اور میں سو رہا ہوں تو بھی جگا دینا پتہ نہیں کہ سائل کتنی دور سے آیا ہو ؟اور کس قدر پریشان ہو؟ آپ بروقت حاضر ہوا کرتے اور فتوی صادر فرمادیا کرتے تھے تاکہ سائل مایوس نہ ہو جائے۔آپ ہمیشہ(وأما السائل فلا تنهر) پر عمل پیرا ہوا کرتے۔

۴۔فتاوی ستاریہ

مولانا عبدالوہاب صاحب صدریؒ دہلوی متوفی ۱۳۵۱ھ (یہ مدرسہ صدر بازار دہلی میں واقع تھا) بڑے متشدد اہل حدیث عالم تھے۔مولانائے موصوف نے اپنے ہم عصر علماء اہل حدیث سے خصوصا دو مسلکوں میں شدید اختلاف کیا (۱) اجتماعی نظام زکوۃ کو واجب قرار دیا کرتے تھے امیر جماعت ہی زکوۃ کو مستحقین زکاۃ میں تقسیم کریں گے (۲) امارت کو لازم سمجھتے ہوئے حدیث رسول ﷺ سے استدلال کرتے کہ (جس کی گردن میں امارت کا طوق نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا) (مسلم ۱۸۵۱)

مولانا عبدالوہاب صاحب صدریؒ تقسیم ہند سے قبل تک یہیں مقیم تھے پھر اس کے بعد حجاز ہجرت کر گئے مولانا کے بھائی نے مولانائے محترم کی ہجرت کے بعد مدرسہ دارالحدیث قائم کیا جس کی شاخ مدینہ منورہ میں بھی موجود ہے جس سے امت کے نونہال مستفید ہو رہے ہیں۔

مولانا بیسویں صدی سے قبل کے ایک بڑے جید متدین متشرع اہل حدیث عالم تھے۔مولانا نے 1917 یا 1918 میں غرباء اہل حدیث کے نام سے ایک جمعیت قائم کی تھی۔مولانا کے بعد مولانا کے فرزند ارجمند مولانا عبدالستار صاحب صدری مذکورہ جمعیت کے امیر بنے۔تقسیم ھند کے بعد وہ پاکستان ہجرت فرما گئے۔

مولانا عبدالستار صاحب صدریؒ نے تفسیر ستاری لکھی۔قرآن کا ترجمہ کیا۔اور آپ کے فتاوی ستاریہ فتاوی کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام سے مشہور ومعروف ومطبوع ہیں۔

۵۔فتاوی ثنائیہ

فتاوی ثنائیہ جس میں شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ کے ۴۴ سالہ فتاوی کو اس طرح فقہی ترتیب کیساتھ مرتب کردیا گیا ہے کہ جس میں عبادات ومعاملات کا کوئی اہم مسئلہ باقی نہیں رہا فتاوی ثنائیہ کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اردو فتاوی میں یہ جامع اور صحیح ترین مجموعہ ہے جس کا انداز صاف ستھرا اور اسلوب سادہ اور عام فہم ہے اس بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ فتاوی ثنائیہ عام وخاص دونوں کے لئے یکساں مفید ہے اور اس کے ہوتے ہوئے آدمی بہت سی کتب سے مستغنی ہوجاتا ہے۔(از: مولانا احسان الٰہی ظہیر لاہور ۱۹ جنوری ۱۹۷۲ م محشی بحواشی شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی

مرتبہ: حضرت مولانا محمد داؤد صاحب راز مکتبہ ترجمان ۴۱۱۶ اردو بازار اہل حدیث منزل جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶

فتاوی ثنائیہ مختصر ومدلل ہوا کرتے تھے۔متنازع فیہ مسائل میں مثلاً آمین بالجھر ،رفع الیدین ،تقلید وغیرہ کے مسائل میں جانبین کی جانب سے بڑی بڑی کتابیں لکھی جاتی تھیں۔مگر مولانا ثناءاللہ صاحب امرتسریؒ ان مسائل کا جواب مدلل ومختصر دیا کرتے تھے۔

فتاویٰ ثنائیہ جسے مولانا داؤدؒ (متوفی ۲/۱۲/۱۹۸۱) نے جمع کیا اور ترتیب دیا اس کی ترتیب وتبویب فقہی انداز سے کیا درحقیقت یہ فتاوی آپ کے مشہور زمانہ اخبار اہل حدیث میں موتیوں کے مانند بکھرے پڑے تھے جسے مولانا داؤد دراز نے ان بکھرے موتیوں کو ایک لڑی میں پرونے کا فریضہ انجام دیا مگر یہ کتاب مولانا ثناءاللہ صاحب کی زندگی میں شائع نہ ہوسکی۔

۶۔فتاوی عبیداللہ مبارکپوریؒ ۲ جلد

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب مبارکپوری جو مدرسہ رحمانیہ دلی کے قابل فخر استاذ تھے جن کے تین لائق وفائق فرزند تھے مولانا ابوالحسن عبیداللہ رحمانیؒ مبارکپوری متوفی ۱۹۹۴م صاحب مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری جو مدرسہ رحمانیہ کے فارغ التحصیل تھے اور ڈاکٹر محمد عزیر صاحب مبارکپوری۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ شرح جامع الترمذی کی تکمیل سے قبل مکفوف البصر ہوگئے تھے شرح کی تکمیل کے لئے ایک لائق وفائق عالم کی ضرورت محسوس کی گئی جو فنون حدیث سے خاص مناسبت رکھتا ہو مولانائے موصوف شارح ترمذی نے صاحب ترجمہ مولانا عبیداللہ مبارکپوری کو منتخب فرمایا تو مولانا نے آپ کی خدمت میں حاضری دی اور دو سال تک بطور معاون رہ کر شرح ترمذی کی آخری دو جلدوں کی تکمیل کی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبید اللہ مبارکپوریؒ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۷ء تک دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے شیخ الحدیث رہے مولانائے موصوف ہی کے فتاوی فتاوی شیخ الحدیث مبارکپوری کے نام سے مشہور و معروف و متداول ہیں جس کا اجراء مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے اجلاس عام پاکوڑ میں ہوا۔

۷۔مولانا شرف الدین محدث دہلویؒ کے فتاوی

مولانا شرف الدین محدث دہلویؒ دہلی کے مشہور و معروف مدرسۂ اہل حدیث مدرسہ سعیدیہ کے استاذ و شیخ الحدیث تھے ۱۹۴۶ء میں قیام پاکستان کے بعد مولانا موصوف نے بہت ساری تکالیف برداشت کی بالآخر آپ نے پاکستان کی جانب ہجرت کی۔

مولانائے موصوف نے علم حدیث میں مہارت پیدا کی معاصر علماء کرام آپ کے علم و فضل کے معترف تھے۔آپ مولانا سید نذیر حسین صاحب کے شاگرد رشید تھے۔مولانا شرف الدین صاحب کے فتوے فتاوی ثنائیہ میں نقل کئے گیے ہیں۔

۸۔فتاوی غزنویہ

۱-مولانا عبد الجبار غزنویؒ ایک جلیل القدر جید مشہور و معروف عالم باعمل ولی کامل راسخ فی العلم اور نادر الوجود شخصیت کے مالک تھے جن کے علم و فتاوی سے اس دور کے عوام و خواص مستفید ہوا کرتے تھے مولانائے موصوف کی دینداری و دیانت داری سے متاثر ہو کے بہت سے خطا کاروں نے راہ راست پر چلنے کا عزم مصمم کیا بہت ساری اصلاحات بھی ہوئیں آپ کی شہرت وصواب دیدگی اور علم وفضل سے متاثر ہو کر بہت سے عوام وخواص نے آپ سے بیعت کی اہل حدیث خاندانوں کے پیرو مرشد گردانے جاتے تھے۔

مولانائے محترم فتوی دیتے وقت مذہب معین کے قائل نہ تھے بلکہ جس امام کا قول کتاب وسنت کے قریب ہوتا وہ اسی سے ضرور استفادکرتے ائمہ مجتہدین سے ہمیشہ حسن ظن رکھتے اور ائمہ کرام کا بڑے احترام سے ذکر کرتے ویسے علماء کرام شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ حافظ ابن قیمؒ امام اہل سنت احمد بن حنبلؒ سے زیادہ متاثر تھے آپ کے تلامذہ اور روحانی استفادہ کرنے والوں کا حلقہ خاصا وسیع تھا۔۱۲۳۱ھ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کے روز آپ اس دنیا فانی سے رحلت فرمائے۔ غفر الله له وللمسلمین۔

بانی جامعہ دارالسلام عمرآباد کاکا عمرؒ (اول) نے آپ کے فیوض برکات سے استفادہ کیا،وعظ ونصیحت کی مجلسوں میں شرکت کی بلکہ آپ ہی کے مفید مشوروں سے جامعہ کا سنگ بنیاد ۱۹۲۴ء میں رکھا، الحمدللہ آج یہ جامعہ پھل دار درخت اور ثمر آور ہے جس کی آواز دنیا کے کونے کونے تک پہنچ رہی ہے جس کا مسلک اعتدال ہر ایک کی دل کی آواز ہے اللہ رب العزت نظر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بد سے اس کی حفاظت فرمائے اس کے بلند مقاصد کی تکمیل ہو۔آمین

۲=مولانا داؤد غزنویؒ بن مولانا عبدالجبار غزنویؒ سے استاذ محترم مولانا ابولبیان حماد صاحب عمری حفظہ اللہ کی ۱۹۴۵ء میں بہت ساری ملاقاتیں ہوئیں اور استاذ محترم علمی طور پر آپ سے فیض بھی حاصل کر چکے ہیں مولانا داؤد غزنوی بھی وقت کے ایک بڑے عالم محدث ومفتی وخطیب تھے عیدین کے خطبات آپ کے ہی ذمہ تھے جن خطبات میں استاذ محترم مولانا ابولبیان حماد صاحب عمری شریک رہا کرتے تھے۔

۹۔فتاویٰ مولانا عبدالجبارؒ عمرپوری

مولانا عبدالجبارؒ عمرپوری جو کلکتہ میں مقیم تھے امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے تھے وقت کے جلیل القدر عالم و مفتی بھی تھے۔مولانا موصوف حلیم الطبع شریف النفس عظیم المرتبت اور فنافی اللہ شخصیت کے مالک تھے ان کے فیضان سے عمرپور ہی نہیں بلکہ برصغیر کے دور دراز علاقے میں اللہ تعالیٰ کے بیشمار بندوں کو توحید وسنت کی دولت عظمیٰ ملی۔یہ علمی مجموعہ تمام ملت اسلامیہ کے لئے شمع ہدایت کا کام دیتا رہے گا۔ان شاءاللہ

۱۰۔فتاویٰ نواب صدیق حسن خانؒ بھوپالی

ابوالطیب صدیق بن حسن بن علی الحسینی القنوجی البخاری (۱۲۴۸ھ۔ ۱۳۰۷ھ) ایک جلیل القدر عالم محدث ومفتی متدین ومتشرع اہل حدیث تھے جنہوں نے ریاست بھوپال میں کئی مدارس اہل حدیث کی بنیاد رکھی اور ان کی سرپرستی فرماتے رہے بلکہ ملک کے نامور علماء اہل حدیث کو جمع کیا مسلک اہل حدیث کے فروغ کے لئے مادی ومعنوی قربانیاں پیش فرمائی آپ عالم باعمل فقیہ ومفتی بھی تھے مولانائے موصوف نے بہت ساری کتابیں لکھیں ان تصنیفات میں سے ذخر المحتي في آداب المفتي بہت ہی مشہور ومعروف ہے۔

نواب صدیق حسنؒ نے مولانا محمد بشیر فاروقیؒ کو عہدہ افسری مدارس ریاست سے نوزا اس دور میں حدیث وتفسیر کا درس جاری رہا مسائل مستفتی بھا پر مولانا بشیر صاحب مجتہدانہ انداز سے فتاویٰ صادر فرماتے رہے نیز قاضی مکہ احمد بن زینی دحلان شافعی المسلک الدرالسنیة في الردعلى الوهابية کے نام سے کتاب لکھی تو مولانا محمد بشیر سہسوانی نے اس کا جواب صيانة الانسان عن وسوسة دحلان لکھا (مولانا محمد بشیر صاحب سہسوانی کے فتاویٰ نواب صاحب کے مطبع سے شائع ہوئے) مولانا نواب صدیق حسن صاحبؒ نے ریاست بھوپال کے نواب بنائے جانے کے بعد مشہور علماء اہل حدیث کو اپنی ریاست میں جمع کیا جیسے مولانا سلامت اللہ صاحب مولانا محمد بشیر صاحب سہسوانی وغیرہم۔

مولانا محمد بشیر صاحب سہسوانیؒ ریاست بھوپال سے دلی تشریف لائے اور مسجد حوض والی (نئی سڑک) میں ۱۶ سال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک درس حدیث وتفسیر واشاعت افتاءفرماتے رہے۔مولانائے موصوف ۱۳۲۶ھ ۲۹ جمادی الاولی مطابق ۲۹ جون ۱۹۰۸ء وفات پائے۔

۱۱۔فتاوی مولانا حسن یمنی بھوپالی ؒ

مولانا حسن یمنی ساکن بھوپال نے فتاوی صادر فرمائے جو خاص کر عربی زبان میں لکھے گئے تھے وہ مشہور ومتداول ومطبوع تھے۔

۱۲۔فتاوی مولانا عبدالجبار صاحب محدث کھنڈیلوی ؒ

مولانا عبدالجبار صاحب محدث کھنڈیلوی جو غرباءاہل حدیث کی طرف میلان رکھتے تھے جیپور میں مقیم تھے آپ بھی بحیثیت مفتی فتاوی صادر فرماتے رہے وقت کے عوام وخواص مولانا کے فتاوی سے مستفید ہوتے رہے ۔

۱۳۔فتاوی حسین بن محسن انصاری بھوپالی ؒ

نواب صدیق حسن صاحب کے دور میں بلکہ نواب صاحب سے قبل بھی مولانا کا ہندوستان آنا جانا ہوا کرتا تھا جب نواب صاحب نے ریاست کی ذمہ داری سنبھالی تو مولانائے موصوف کو بڑے اعزاز کے ساتھ ریاست بھوپال تشریف لانے کی دعوت دی اور بھوپال کے مدارس کے نگران اعلی مقرر کیئے گئے ۔مولانا کے فتاوی بزبان عربی نور العین کے نام سے مشہور ومتداول بھی ہیں۔

نواب صدیق حسنؒ نے آپ کے بارے میں فرمایا ہے کہ شیخ حسین بن محسن انصاری حدیث میں ہمارے استاد ہیں طلبہ کے لئے بڑی غنیمت اورراحلین کے لئے عظیم نعمت ہیں۔(ابجد العلوم ص ۸۸۶)

استاذ الاساتذۃ حضرت العلام شیخ الحدیث مولانا ظہیر الدین اثری رحمانی حفظہ اللہ سابق ناظم جامعہ دارالسلام عمرآباد کی سند حدیث شیخ حسین بن محسن سے جاملتی ہے مولانا حسین بن محسن انصاری کے مشہور شاگردوں میں مولانا عبید الرحمٰن مبارکپوری اور مولانا سلامت اللہ جیراجپوری وغیرہ شامل ہیں۔

۱۴۔فتاوی فیض الرحمٰن فیض ؒ

مولانا فیض الرحمٰن فیض مئوویؒ جلیل القدر محدث وفقیہ تھے مشہور زمانہ عالم مولانا احمد صاحب مئوی کے(حفید مکرم) پوتے تھے جامعہ فیض عام مئو کے استاذ ومفتی بھی تھے جب کہ آپ کے برادر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مئووی ناظم جامعہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے یہ ایک حسن اتفاق تھا کہ اس خانوادہ کی خصوصیت تھی کہ دادا پوتے اور بھائی سب کے سب جامعہ فیض عام کے مخلص خادم تھے .تقبل الله منهم

۱۵۔اسلامی فتاوی (مولانا عبدالسلام صاحب بستوی سلفیؒ ۱۳۲۷ھ-۱۳۹۴ھ)

فتوی عبد السلام بستوی سلفی المسمی به اسلامي فتاوی , مرتبه : حضرت مولانا مفتی عبدالسلام صاحب بستوی سلفي شيخ الحديث مدرسه رياض العلوم (اردو بازار دہلی ٦) ماہنامہ الاسلام دہلی کے مدیر اور کئی علمی و تحقیقی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔

مولانا عبدالسلام صاحب بستویؒ امام و خطیب شیخ الحدیث اور مفتی بھی تھے آپ کے فتاوی بھی سلفی علماء کے فتاوی کی طرح مختصر و مدلل اور عام و خواص کے لئے یکساں طور پر مفید ہوا کرتے تھے اور فتاوی کی زبان بڑی شائستہ ہوا کرتی تھی شیخ الحدیث ایک شعلہ بار خطیب ایک باکمال مقرر اور بلند پایہ مفتی ہی نہیں بلکہ ایک عظیم مولف بھی تھے علمی اور اعتقادی حیثیت سے سلف صالحین کے ہم مشرب و ہم مسلک تھے۔

آپ نے وقت کے مروجہ بدعات کے خلاف بانگ دہل کھل کر فتاوی صادر فرمائے جیسے میلاد النبی شب معراج گیارہویں بارہویں جیسے رسومات کے خلاف کتاب وسنت اور صحابہ وتابعین وتبع تابعین اور ائمہ عظام کے اقوال کی روشنی میں مدلل فتاوی دیا کرتے تھے۔ فجزاه الله خيرا الجزاء

مسلک آپ کا اعتدال تھا۔آپ فرماتے تھے: (اصولی حیثیت سے ائمہ اربعہ کو حق سمجھتا ہوں اور ان کا احترام کرتا ہوں ان میں جس کا قول زیادہ صحیح اور کتاب وسنت کے موافق پاتا ہوں اسے بسر وچشم قبول کرتا ہوں اور اس پر فتوی دیتا ہوں (بحوالہ:اسلامی خطبات ۱/۵)

۱۶۔فتاوی سلفیہ

متحدہ ہندوستان کی بلند پایہ ہستیوں میں ممتاز عالم باعمل شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ بیک وقت مفسر محدث فقیہ مفتی مؤرخ ادیب معلم خطیب وکامیاب سیاست دان کی حیثیت سے مشہور ومعروف تھے قرآن وحدیث کی روشنی میں پیچیدہ مسائل حل کرنے میں بڑی بصیرت حاصل تھی ۔مولانا کی مشہور تصنیفات میں جماعت اہل حدیث کا مد وجزر ہے جس میں جماعت کا تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے مولانا کی وفات بیسویں صدی کے اواخر میں ہوئی۔

مولانا کی علمی ودینی خدمات میں تحقیقی فتاوی بھی شامل ہیں جنہیں جریدہ الاعتصام ,لاہور سے وقتا فوقتا شائع کئے جاتے تھے انہی فتاوی کو جمع کرکے فتاوی سلفیہ کے نام سے لاہور سے شائع کیا گیا جب اس کے کچھ نسخے ہندوستان پہنچے تو اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے شائقین کے لئے مکتبہ ترجمان دلی نے ۱۹۹۱ء میں دوبارہ اسے شائع کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔
فتاوی سلفیہ کی ترتیب اگر فقہی ہوتی تو اس پر چہار چاند لگ جاتے امید ہے کہ مستقبل قریب میں اس کی جدید ایڈیشنوں میں اس کا خیال رکھا جائے گا۔ان شاء اللہ۔

۱۷۔فتاوی مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ متوفی ۱۹۵۶ء

مولانا ابراہیم سیالکوٹی مولاناثناء اللہ امرتسری(رحمهما الله جميعا)کے معاصر وہم مسلک وہم مشرب تھے دونوں ہی صاحب فتاوی بھی تھے۔

۱۸۔فتاوی محمد اسحاق بھٹی لاہوری

محمد اسحاق بھٹی ایک مشہور ومعروف اہل حدیث عالم ومفتی اور کامیاب مضمون نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں جن کا شمار وقت کے سلگتے موضوعات پر قلم اٹھانے والوں میں ہوتا ہے۔مولانا کے بیشتر علمی وتحقیقی اور تاریخی ودینی مقالات مندرجہ ذیل مجلات الاعتصام, توحید,منہاج اور اہلحدیث لاہور میں شائع ہوچکے ہیں مولانا کی تصنیفات میں فقہاءہند(۹ جلد)ارمغان حنیف نقوش اولین نقوش عظمت رفتہ اور بنات الاسلام وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۱۹۔فتاوی محمد حسین بٹالویؒ

مولانا محمد حسین بٹالوی بھی ایک مشہور ومعروف محدث ومفتی تھے نیز آپ کی خدمات جلیلہ میں سے مایہ ناز علمی وتحقیقی خدمت جس سے اہل علم مستفید ہورہے ہیں وہ منح الباری فی ترجیح صحیح البخاری ہے جزاہ اللہ خیرا

۲۰۔فتاوی صادق سیالکوٹی پاکستانیؒ

مولانا صادق سیالکوٹی مشہور ومعروف محدث ومفتی اور فقیہ تھے,

۲۱۔فتاوی شیخ الحدیث

(شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ عبدالواجد عمری رحمانی رحمہ اللہ پیارم پیٹی)

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ عبدالواجد عمری رحمانی رحمہ اللہ پیارم پیٹی (ضلع ویلور تمل نادو) سابق استاذ ومفتی وناظم جامعہ دارالسلام عمرآباد وسابق امیر جمعیت اہل حدیث (تمل نادو جنوبی ہندوستان) متوفی ۸۹/۴/۴ام نور اللہ مرقدہ کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیثیت ایک مفتی کی بھی تھی بیس سال نظامت کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے بھی فتوی تحریر فرماتے رہے نظامت سے سبکدوشی کے بعد بھی یہ خدمت انجام دیتے رہے

یہ فتاوی (۱۹۵۳م سے ۱۹۷۸م تک) مختلف مسائل پر صادر کئے گئے ہیں ہزاروں کی تعداد میں ہیں پورے کے پورے بھی محفوظ ہیں,

آپ حدیث اور فقہ کے کامل اور کامیاب استاذ تھے علم میں گہرائی تھی ,نگاہ میں باریک بینی ,لوگوں کے درمیان رہے اور ان کے مسائل کو قریب سے دیکھا اور انہیں نیک نیتی کے ساتھ حل کرنے کی مکمل کوشش فرمائی ,فتاوی میں جمہور علماء اہل حدیث کے فکر کی نمائندگی فرمائی۔

جامعہ دارالسلام عمرآباد میں درس حدیث کی مدت ۵۰ برس اور درس بخاری شریف کی مدت چالیس برس تھی درس کے دوران مولانا کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ مشق کے طور پر منتہی جماعتوں کے طلبہ سے فتوے لکھواتے تصحیح اور تصویب فرماتے۔

مذکورہ فتاوی کی ترتیب مولانا محمد منیر الدین صاحب عمری کی ہے ,اور تخریج احادیث وترتیب میں راقم الحروف نے تعاون کیا ہے ,الحمدللہ یہ فتاوی مئی ۲۰۱۳م سے دستیاب ہے ,خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل پتہ سے حاصل کرسکتے ہیں

ادارہ تحقیقات اسلامی جامعہ دارالسلام عمرآباد ,۶۳۵۸۰۸ تمل ناڈو,

۲۲۔فتاوی محمدیہ

مولانا عبدالغنی سیفی عمریؒ خاندانی لحاظ سے سیفی مسلک کے اعتبار سے سلفی اور جامعہ دارالسلام عمرآباد سے فراغت کے ناتے عمری تھے جامعہ محمدیہ رائیدرگ کے شیخ الحدیث ومفتی بھی تھے تیس سالہ تدریسی خدمات کے بعد جامعہ محمدیہ کی نظامت انہیں سونپی گئی آپ ۱۹۷۶م سے ۱۹۸۸م تک بحیثیت ناظم خدمت انجام دیتے رہے۔

جامعہ میں آپ کی ایک حیثیت مفتی کی بھی تھی حضرت بانی جامعہ مولانا سید اسماعیل صاحب علیہ الرحمہ نے یہ خدمت انہیں سونپی تھی وہ رہنمائی فرماتے اسلاف کے فتووں کے مجموعوں کی نشاندہی کرتے مولانا استفتاء کے جواب تیار کرتے مولانا سید اسماعیل صاحب مرحوم بانی جامعہ تصدیق فرماتے اساتذہ کے توثیق دستخط لیتے مولانا فرماتے ہیں کہ یہ دفتر فتاوی محمدیہ کے نام سے موجود ہے یہ فتاوی ۱۹۶۵م سے ۲۰۰۱م تک ۳۵۔۳۶ برس کے دوران لکھے گئے تھے۔

نوٹ : مولانا مرحوم کے وارثین (مولانا عبدالمالک صاحب سیفی عمری استاذ جامعہ دارالسلام عمرآباد اور ان کے برادران) مولانا کے اس علمی ورثہ کو چھپوا کر شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔وما ذلک علی اللہ بعزیز .

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتیانِ فتاوے

۱ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۳۹ھ
۲ مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ متوفی ۱۳۲۰ھ
۳ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنویؒ
۴ حضرت والد جاہ نواب جاہ صدیق حسن خاںؒ بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ
۵ مولانا عبدالجبار غزنوی عرف امام صاحبؒ متوفی ۱۹۱۳م
۶ مولانا ابومحمد عبدالوہابؒ پنجابی نزیل دہلی
۷ شیخ الاسلام مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسریؒ متوفی ۱۹۴۸م
۸ مولانا ابوالطیب محمد شمس الحق ڈیانویؒ شارح ابوداؤد متوفی ۱۳۲۹ھ
۹ خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین دہلویؒ
۱۰ سید عبدالسلام دہلویؒ متوفی ۱۳۳۵ھ
۱۱ مولانا ابوسعید محمد شرف الدین محدث دہلوی متوفی ۱۹۶۱م
۱۲ مولانا ابو یحیٰ محمد شاہ جہانپوریؒ متوفی ۱۳۳۸ھ
۱۳ حضرت مولانا محمد یونس محدث دہلوی کراچی متوفی ۱۳۸۸ھ
۱۴ حضرت مولانا عبدالکریم پنجابیؒ
۱۵ محمد مسعود نقشبندی دہلویؒ
۳۵ مولانا عبدالسلام بستویؒ متوفی ۱۳۹۴ھ
۳۶ مولانا محمد علی فیروز پوریؒ
۳۷ مولانا سید عبدالحفیظ دہلویؒ متوفی ۱۳۳۹ھ
۳۸ مولانا عبدالرؤف مبارکپوریؒ متوفی ۱۳۵۴ھ
۳۹ مولانا ابومحمد عبدالستار المعروف امام صاحبؒ
۴۰ مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ
۴۱ مولانا سید سلیمان ندویؒ
۴۲ مولانا عبدالحق صاحبؒ
۴۳ مولانا عبدالقادر صاحبؒ
۴۴ مولانا محمد اسماعیل علی گڑھی متوفیؒ ۱۳۱۱ھ
۴۵ مولانا محمد بن عبداللہ مدراسیؒ
۴۶ ابوالبرکات محمد عبدالحی تقی عرف صدرالدین احمد حیدرآبادیؒ
۴۷ مولانا محمد طاہر سلفیؒ
۴۸ مولانا عبداللطیفؒ
۴۹ مولانا منصورالرحمٰنؒ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۶ حضرت مولانا عبدالحق ملتانیؒ

۱۷ ابوالمجد عبدالصمد بہاریؒ

۱۸ ابوظفر محمد عمار یسویؒ

۱۹ سید شریف حسین محدث دہلویؒ متوفی ۱۳۰۴ھ

۲۰ محمد اسد علیؒ

۲۱ حسبنا اللہ عین حفیظ اللہ دہلوی متوفی ۱۳۰۹ھ

۲۲ محمد عبیداللہؒ متوفی ۱۳۵۶ھ

۲۳ میر احمد پشاوریؒ

۲۴ مولانا عبدالرؤف البہاریؒ

۲۵ مولانا محمد یسین رحیم آبادیؒ

۲۶ مولانا عبدالمجید سوہدرویؒ متوفی ۱۳۷۹ھ

۲۷ حافظ محمد عبد اللہ صاحب روپڑی متوفی ۱۳۸۴ھ

۲۸ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لاہور

۲۹ مولانا عزیز زبیدی وار برٹن شیخوپورہ

۳۰ مولانا عبدالغفور رمضان پوری بہاریؒ

۳۱ مولانا ابوحفص عثمانی ڈیرہ غازیخاں سلمہٗ

۵۰ مولانا عثمان شاجہاں پوریؒ استاذ ومفتی جامعہ دارالسلام عمرآباد

۵۱ مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی اوکاڑہؒ

۵۲ مولانا عبدالجبار عمر پوریؒ متوفی ۱۳۳۴ھ

۵۳ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہؒ

۵۴ مولانا محمد صاحب جونا گڈھیؒ

۵۵ سید محمد داؤد غزنویؒ متوفی ۱۹۶۳ م

۵۶ مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی جامعہ سلفیہ بنارس

۵۷ مولانا مفتی رئیس احمد صاحب ندوی جامعہ سلفیہ بنارس

۵۸ سید ابوالحسنؒ بن سید عبدالحی ناظم ندوۃ العلماء متوفی ۱۳۹۰ مطابق ۱۹۷۰ء

۵۹ مناظر اسلام حافظ عبدالقادر روپڑی لاہور

۶۰ مولانا حافظ محمد اسحاق لاہور شیخ الحدیث مدرسہ غزنویہ

۶۱ مولانا عبدالوہاب آرویؒ سابق مفتی جامعہ دار السلام عمرآباد

۶۲ مولانا فیض الرحمٰن صاحب. دار الحدیث الاثریۃ مئو

۶۳ مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب مئوی مدرسہ فیض عام مئو

۶۴ مولانا خرم علی بلہوری لکھنؤ متوفی ۱۲۶۰ھ

۶۵ مولانا محمد بشیر صاحب سہسوانیؒ متوفی ۱۳۲۶ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۲ مولانا عبدالقہار دارالسلام کراچی

۳۳ مولانا عبدالجلیل سامرودیؒ

۳۴ مولانا ابوعبداللہ محمد ادریسؒ

۶۶ حضرت مولانا شیخ الحدیث حافظ عبدالواجد عمری رحمانی

۶۷ حضرت مولانا عبدالغنیؒ سیفی عمری

۶۸ مولانا عبدالصمد عمری سابق استاذ ومفتی جامعہ دارالسلام عمرآباد

فتاوی علماء اہل حدیث کی نشرواشاعت میں معاون ادارے:

برصغیر میں مطابع دوقسم کے تھے اولا خالص کاروبار کی روشنی میں قائم کیئے گئے ثانیا وہ مطابع جن کے مالکوں کے پیش نظر کاروبار کے ساتھ کتاب وسنت کوفروغ دینا اور تعلیمات نبوی کو عام کرنا اور مسلک اہلحدیث کوتقویت پہنچانا تھا تاکہ قیمتی سے قیمتی سے لٹریچر شائع کر کے ملک میں پھیلایا جاسکے۔بحمدللہ اس باب میں کاروباری اہلحدیث حضرات نے اپنی دینی ذمہ داری کو بڑی خوش اسلوبی سے بھرپور طور پرادا کیا اسی کا نتیجہ تھا کہ اہل حدیث علماء کی تحریریں محفوظ ہوگئیں اوراہل حدیث علماء کی تصنیفات وتالیفات اوران کے قلمی شاہ پارے عوام تک پہنچتے رہے۔

سب سے پہلا مطبع امام شوکانی بردواں میں قائم ہوااس کےعلاوہ دیگر مطابع کا تذکرہ مندرجہ ذیل ہے

۱۔جماعت اہل حدیث۔پاکستان

ا۔جماعت اہل حدیث پاکستان نے فتاوی نذیریہ کو نئے طرز کے ساتھ عمدہ کتابت وطباعت کے ساتھ شائع کیا۔

۲۔انہوں نے دوسرا مفید کام یہ انجام دیا کہ ہندوپاک کے مشاہیر علماء اہل حدیث کی منتشر فتاوی کو یکجا کر کے شائع کردیا چاہے وہ قلمی ہوں یا مطبوعہ نایاب ہوں یا سہل الحصول اب تک غالبا فتاوی علماء اہل حدیث کے نام سے دس جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔

۲۔مولانا ثناءاللہ امرتسری اکیڈمی۔دہلی

ہندوستان کا وہ واحد مکتبہ ہے جو فتاوی علماء اہل حدیث کی اشاعت کا خاص خیال رکھتا ہے مذکورہ مکتبہ فتاوی علماء اہل حدیث پاکستان کا پہلا حصہ شائع کرچکا ہے مولانا محمد ارقم صاحب نیپالی کی کوشش ہے کہ ہندوستان میں جوقلمی فتوے یا مطبوعہ نایاب فتوی ہوں حاصل کرکے اس مجموعہ میں شامل کیا جائے۔

۳۔مکتبہ ترجمان ۔۴۱۱۶اردوبازاراہل حدیث منزل جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶

مذکورہ مکتبہ نے فتاوی ثنائیہ کودوجلدوں میں ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔

۴۔ مکتبہ الفہیم۔مئو ۵۔کتب خانہ مسعودیہ اردوبازار سے اسلامی فتاوی (مولانا عبدالسلام بستوی) شائع ہوا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔مطبع انصاری ۷۔مطبع احمدی ۸۔مطبع فاروقی دہلی ۹۔مطبع انوار الاسلام امرتسر ۱۰۔مطبع سلفی دربھنگہ ۱۱۔الہلال پریس کلکتہ ۱۲۔آزاد پریس دہلی ۱۳۔حمید پریس دربھنگہ ۱۳۔کتب خانہ ابوالکلام آزاد ۱۴۔کتب خانہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد ۱۵۔ادارۃ البحوث الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ، بنارس ۱۶۔کتب خانہ دارالسلام لاہور ۱۷۔کتب خانہ جامعہ ستاریہ کراچی ۱۸۔کتب خانہ حافظ احسان الٰہی ظہیر ۱۹۔کتب خانہ سید محمد داؤد غزنوی ۲۰۔کتب خانہ جامعہ العلوم الاثریہ جہلم ۲۱۔کتب خانہ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن۔

☆☆☆

مصادر ومراجع:

۱۔تذکرہ واجدی مولانا ثناءاللہ عمری یم اے

۲۔ماہنامہ راہ اعتدال جولائی ۲۰۰۹م

۳۔فتاوی ثنائیہ مکتبہ ترجمان دہلی

۴۔فتاوی نذیریہ ادارہ نورالایمان ۱۴۲۱ھ اجمیری گیٹ دلی

۵۔فتاوی اہل حدیث خورد المعروف بہ فتاوی برکاتیہ ترتیب : نولانا محمد علی طاہر
الحمد پبلیکیشنز ۲۷۳۹ بیناریان اسٹریٹ جی بی روڈ دلی

۶۔فتاوی علماء اہل حدیث ترتیب ابوالحسنات علی محمد سعیدی
مکتبہ ثناءاللہ امرتسری اکیڈمی دلی ۶

۷۔اسلامی خطبات مولانا عبدالسلام بستوی

۸۔تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں مولانا قاضی محمد اسلم

۹۔تراجم علماء اہل حدیث ہند ابو یحیی امام خان نوشہروی

۱۰ .شاہ عبد العزیز محدث دھلوی..... ڈاکٹر ثریا ڈار

۱۱۔حضرت مولانا شیخ الحدیث ظہیر الدین اثری رحمانی سابق ناظم جامعہ دارالسلام عمر آباد اور استاذ محترم مولانا ابوالبیان حماد صاحب عمری سرپرست ماہنامہ 'راہ اعتدال' جامعہ دارالسلام عمر آباد، واستاذ محترم مولانا حافظ حفیظ الرحمٰن صاحب اعظمی عمری مدنی سابق ناظم جامعہ دارالسلام عمر آباد سے بہت سارے علماء اہل حدیث ومفتیان فتاوے کے بارے میں استفادہ کیا گیا.

حفظھم اللہ وجزاھم خیراً

وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم والحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتیان جامعہ سلفیہ: ایک تعارف

۱-مولانا محمد ادریس آزاد صاحب رحمانی ۲-مولانا شمس الحق صاحب سلفی
۳-مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارک پوری ۴-مولانا محمد رئیس صاحب ندوی
۵-مولانا عابد حسن صاحب رحمانی

تحریر: محمد اسلم مبارک پوری

(۱) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی املوی: عہد ساز شخصیت
۱۹۱۶-۱۹۷۸ء

یوں تو یہ عالم رنگ و بو بے شمار نوابغ روزگار اور اصحاب علم وکمالات ہستیوں سے ہمیشہ منور رہا ہے اور بہت سی عبقری شخصیات نے اپنے وجود اور اپنے علم وفن سے عالم فانی کی عطر بیزی کی ہے، لیکن ایسی ہستیاں بہت کم دیکھنے میں آئی ہیں جو تاریخ ساز اور عہد آفریں ہوں اور جن کے فکر ونظر کی گہرائی اور نصوص شرعیہ میں تبحر علمی اور ان کے کمالات وصفات کی جامعیت اپنے اندر دور رس اثرات رکھتی ہوں، اور ان کے عظیم کارناموں اور عمدہ کارکردگیوں اور روشن خدمات کی وجہ سے تاریخ کے اوراق اسے اپنے حمائل میں محفوظ رکھے ہوں۔ انہی عظیم الشان اور نبیل المرتبت شخصیات میں سے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب آزادی رحمانی بھی ہیں، آپ ضلع اعظم گڑھ کے مردم خیز قصبہ مبارک پور سے مشرق جانب ایک میل کے فاصلے پر واقع موضع املو میں، ۲۰/جنوری ۱۹۱۶ء مطابق ۲۵/صفر ۱۳۳۴ھ میں ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد کا نام عبدالعزیز تھا، پورا نسب نامہ اس طرح ہے: محمد ادریس بن عبدالعزیز بن محمد صدیق بن نور محمد بن چندن بن ایمن۔

ابتدائی تعلیم مقامی اہل علم سے حضرۃ الشیخ محمد عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری اور مولانا عبدالسلام مبارک پوری رحمہما اللہ کے تاسیس کردہ علمی گہوارہ مدرسہ عربیہ دار التعلیم پورہ صوفی مبارک پور میں ہوئی۔ اور اسی اثنا میں اول الذکر سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن میں داخل ہوئے۔ یہاں آپ کو مولانا احمد بن حسام الدین (وفات: ۱۳۶۷ھ) کی تعلیم وتربیت سے مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ حضرت مولانا احمد بن حسام الدین صاحب ان برگزیدہ اعاظم رجال میں سے ہیں جن کی وجہ سے مئو میں علم وفن کو زندگی ملی۔ یہاں آپ ۱۹۳۳ء تک حصول علم میں منہمک رہے۔ ان کے علاوہ مولانا عبداللہ شائق مئوی (وفات ۱۹۷۱ء)، مولانا محمد احمد مئوی (وفات ۱۹۸۲ء)، مولانا عبدالرحمٰن نحوی (وفات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۶۴ء) سے کسب فیض کیا۔

۱۹۳۴ء میں برصغیر کی ممتاز دانش گاہ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں عربی جماعت کی صف ثالث میں داخلہ لیا، اور چھ سال تک یہاں کے جہابذہ علم وفن سے خوشہ چینی کی۔ اور ابتداء سے انتہاء تک اپنی دینی تعلیم کا بیشتر حصہ یہیں مکمل کرنے کے بعد ۱۹۳۹ء میں سند فراغت حاصل کی۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۳ سال تھی۔ دارالحدیث رحمانیہ میں اس وقت جید علماء درس وتدریس کے لیے اکٹھا تھے۔ استاذ الاساتذہ احمد اللہ قرشی پرتاپ گڑھی شیخ الحدیث مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی (وفات ۱۳۶۲ھ)، جامع المعقول والمنقول نذیر احمد املوی مبارک پوری (وفات ۱۹۶۵ء)، شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارک پوری (وفات ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء)، ادیب شہیر عبداللہ ندوی جیسی جیسی گراں مایہ اور نابغہ روزگار شخصیت مسند درس وتدریس کی زینت تھیں۔ ان کے زیر سایہ تربیت پانے والا ہر جوہر فضل وکمال کی جن بلندیوں تک نہ پہنچ جائے وہ تھوڑا ہے۔

دارالحدیث رحمانیہ میں طالب علمی کے دوران مختلف مضامین قلم بند فرمائے۔ بعض عربی تراجم کیے جو دارالحدیث رحمانیہ کے موقر رسالہ (محدث) کی زینت بنے۔ رسالہ کا آخری کالم ''روح الاخبار'' جو کافی معلوماتی اور دل چسپ ہوا کرتا تھا، آپ ہی کے قلم سے ترتیب دیا جاتا تھا۔ طالب علمی کے دوران عربی فارسی الہ آباد بورڈ کے ''مولوی'' اور ''عالم'' کے امتحانات میں شریک رہے۔

دارالحدیث رحمانیہ سے فراغت کے بعد دو سال تک تجارت کو ذریعۂ معاش بنایا۔ پھر اپنے مشفق استاد گرامی جامع المعقول والمنقول علامہ نذیر احمد املوی کے اشارے پر ۱۹۴۲ء میں ایک دینی مکتب کی بنیاد رکھی۔ اور اس کی آبیاری میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ اور زندگی بھر کسی نہ کسی صورت میں اس مدرسہ سے منسلک رہے۔

۱۹۵۰ء میں مدرسہ عربیہ دارالتعلیم پورہ صوفی مبارک پور میں عربی تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ قرب وجوار میں دعوت وتبلیغ کو اپنی مصروفیات میں شامل کیا۔ مذکورہ مدرسہ میں دو سال رہ کر اگست ۱۹۵۲ء میں ڈاکٹر سید عبدالحفیظ صاحب سلفی کی دعوت پر احمدیہ سلفیہ دربھنگہ بہار میں تدریس کے لیے تشریف لے گئے اور وہاں بحیثیت مدرس ایک طویل عرصہ گذارا۔ اور اردو مجلّہ ''الہدیٰ'' کی ادارت کے ذریعہ میدان صحافت میں قدم رکھا۔ اور ملک میں ایک صاحب قلم صحافی کی حیثیت سے شہرت پائی۔ آپ کے زمانۂ ادارت میں ''الہدیٰ'' کے متعدد خاص نمبرات بھی شائع ہوئے، جو نہایت وقیع معلومات اور عمدہ مضامین پر مشتمل تھے۔ اور متعدد پہلوؤں سے تاریخی حیثیت کے حامل تھے۔ مدت ادارت ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۳ء ہے۔

مارچ ۱۹۶۳ء میں دربھنگہ سے منتقل ہوکر جامعہ رحمانیہ مدن پورہ بنارس آگئے۔ اس وقت یہاں آپ کے مشفق استاذ گرامی جامع المعقول والمنقول علامہ نذیر احمد املوی رحمانی صاحب مصروف تدریس تھے۔ اور مدرس اول کے منصب جلیل پر فائز تھے۔ چنانچہ آپ اسی مدرسہ میں مختلف علوم وفنون کی تدریس میں لگ گئے۔ چند برس بعد ۱۹۶۶ء میں جب مرکزی دار العلوم بنارس میں تعلیم کا آغاز ہوا تو رحمانیہ کے جن مدرسین کو جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) میں منتقل کیا گیا ان میں آپ بھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ مرکزی دارالعلوم میں تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، فرائض اور دیگر علوم وفنون کی کتابیں آپ کے زیر تدریس رہیں۔ درس وتدریس کے علاوہ داخلی انتظام کی متعدد ذمہ داریاں بھی آپ کے سر رہیں۔ طلبہ کی نگرانی بھی آپ ہی کے دوش پر ڈالی گئی۔ علاوہ ازیں جامعہ کے متعلق اعلانات اور ان کی ترسیل آپ ہی کے سپرد ہوئے۔ جب ۱۹۷۳ء میں ذمہ داران جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس نے اردو میگزین کی داغ بیل ڈالنے کا عزم مصمم کرلیا اور ''صوت الجامعۃ'' کے نام سے سہ ماہی رسالہ کا اجراء عمل میں آیا تو اس کی ادارت وترتیب کے لیے آپ کے نام کا انتخاب عمل میں آیا۔ کیوں کہ ''الہدیٰ'' دربھنگہ کی ادارت کی وجہ سے میدان صحافت میں قدم رنجہ ہو چکے تھے۔ اور شاعرانہ ذوق کی وجہ سے آپ کی تحریر میں جو سلاست وروانی اور فصاحت وبلاغت اور شمولیت وجامعیت تھی اس نے کسی اور نام کے سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) کا یہ علمی آرگن اور ثقافتی ترجمان ۱۹۷۶ء تک آپ کی ادارت میں نہایت آب وتاب کے ساتھ نکلتا رہا، جو کتاب وسنت کی بے لوث ترجمانی، دین کی صحیح دعوت وتبلیغ، قدیم وجدید مسائل میں اسلام کی صحیح اور جامع تعلیمات کی طرف رہنمائی، عصر حاضر کے تقاضوں کی روشنی میں ملت کے صحیح اور مفید اقدام کی نشان دہی کرتا تھا۔

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں ان تمام مصروفیات کے ساتھ فتوی نویسی میں بھی قابل قدر خدمات انجام دی۔ جامعہ کے اولین مفتی ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ اور تاحیات جامعہ کے مفتی رہے۔ جہاں آپ کے فتاوے سے آپ کی تبحر علمی اور فکری بصیرت کا پتہ چلتا ہے وہیں انداز تحریر کی انفرادیت بھی سامنے آتی ہے۔ ان فتاوی کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی دینی وعلمی حلقوں میں کافی پذیرائی ہوئی۔ یہ فتاوے گوناگوں محاسن اور متنوع رنگ وبو سے مرصع ہیں۔ ایک طرف ان میں دین کے پیچیدہ اور لاینحل مسائل کو کتاب وسنت کی روشنی میں عالمانہ بصیرت کے ساتھ حل کیا گیا ہے تو دوسری طرف ان فتاوی میں مجتہدانہ شان نمایاں ہے۔ علاوہ ازیں معاصر فرقوں اور تحریکوں کی جانب سے سلفی منہج وفکر پر ہونے والی یلغار کا نہایت متانت وسنجیدگی کے ساتھ دفاع کیا گیا ہے۔ اگر آپ کے فتاوی کو کتابی شکل میں طبع کرایا جائے تو کئی جلدوں پر محیط ہوں گے۔

آپ ایک جید عالم دین تھے۔ آپ کی غزارت علمی اور وسعت مطالعہ مسلم تھی۔ اس لیے ان فتاووں میں خوش اسلوبی، شائستگی اور اعلی ظرفی کا مظاہرہ پایا جاتا ہے۔ آپ کی فتوی نویسی کا خاص انداز تھا۔ بروز جمعرات دوام مدرسہ اور ظہرانہ کے بعد پلنگ پر دراز ہوجاتے اور ایک ٹانگ کھڑی کرتے اور دوسری بچھا لیتے۔ اور پورے ہفتہ کے آمدہ سوالات کے جوابات بالاستیعاب دلائل کے ساتھ تحریر فرماتے۔ اور جمعہ کی شام تک ان سے فراغت کی سعی کرتے۔ اکا دکا رہ جاتا تو سنیچر کو پورا کردیتے۔ اللہ رب العالمین نے آپ کو ضبط صدر کے ساتھ استحضار کا عجیب ملکہ عطا کیا تھا۔ آپ کا قلم خوشخط اور تیز رو تھا۔ اس میں کسی طالب علم سے تعاون لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ خود ہی دارالافتاء کے رجسٹر پر جوابات نقل کرنے کو اپنے معمولات کا ایک جزء قرار دیتے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخلاقی اعتبار سے مولانا مرنجا مرنج شخصیت کے مالک تھے، بذلہ سنج، خوش طبع اور شگفتہ خاطر تھے۔ مستفیدین کو علمی جواہرات اور اپنے تجربات سے محظوظ کرتے۔ اگر کوئی طالب علم آپ سے کوئی سوال کرتا یا آپ سے آپ کی ذاتی زندگی کے بارے میں دریافت کرتا تو اسے نہ ڈانٹتے نہ پھٹکارتے اور خفا ہوتے، بلکہ بڑی شفقت ومحبت کے ساتھ جواب دیتے۔

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں آنے کے بعد آپ کا کوئی دقیقہ رائیگاں نہیں گیا، بلکہ داخلی وخارجی ذمہ داریوں سے زیر بار رہے۔ عمر بھی اخیر منزل کی طرف بتدریج رواں دواں تھی۔ ۱۹۷۴ء میں نزول الماء کی شکایت ہوئی۔ نگاہ کمزور ہوگئی۔ شکر کی بیماری نے بھی آپ کو دامن حصار میں لے لیا۔ جسم ناتواں اور ضعیف ہوگیا تو متعدد بیماریوں کی آماجگاہ بن گیا، لیکن بیماری کے تعلق سے حالات اتنے نازک نہ تھے کہ وقت رحلت قریب سمجھا جاتا کہ اچانک انہی امراض کے ہجوم میں ۲۸؍جمادی الاولی ۱۳۹۸ھ مطابق ۶؍مئی ۱۹۷۸ء بروز سنیچر بوقت صبح تھوڑی ہی کشاکش کے بعد اپنی جان جان آفریں کے حوالے کردی۔ جس وقت آپ کی روح قفص عنصری کو پرواز کررہی تھی جامعہ سلفیہ کا دارالحدیث ہال آپ کے عقیدت مندوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، اور ہر آنکھ سے اشک رواں تھا، آپ کے جسد خاکی کو آپ کے گاؤں (املو) لے جایا گیا اور وہیں بعد نماز مغرب ہزاروں کے مجمع میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

دارالافتاء میں موجود رجسٹروں کے مطابق آپ کا آخری فتوی زبردستی طلاق دینے اور ایک مجلس میں تین طلاق سے متعلق ہے۔ اس کا جواب بروز جمعہ لکھ رہے تھے، ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا کہ یہ حادثہ پیش آیا، چنانچہ دارالافتاء کے رجسٹر (۷) میں صفحہ (۸۸) پر یہ تحریر درج ہے:

استفتاء کے جواب کا یہ حصہ استاذ محترم مفتی جامعہ سلفیہ بنارس مولانا محمد ادریس صاحب آزاد رحمانی املوی مرحوم کی آخری تحریر ہے، جسے اپنے دست سے بتاریخ ۵؍مئی ۱۹۷۸ء مطابق ۲۷؍جمادی الاولی ۱۳۹۸ھ بروز جمعہ لکھا۔ اس کے بعد رات گذار کر بروز سنیچر بتاریخ ۶؍مئی ۱۹۷۸ء مطابق ۲۷؍ (رجسٹر میں ایسے ہی ہے، صحیح ۲۸) جمادی الاولی ۱۳۹۸ھ بوقت ۶ بج کر ۵ منٹ پر اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ فرمایا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی روح اس وقت پرواز کرگئی جبکہ اساتذہ وطلباء جمع تھے اور آپ جامعہ سلفیہ کی چہار دیواری دارالحدیث کے سامنے تھے۔ اللہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں لے لے اور آپ کی قبر کو نور سے بھر دے اور کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے، آمین۔ بقلم: اجمل خان بستوی (۷؍مئی ۱۹۷۸ء مطابق ۲۹؍جمادی الاولی، بروز اتوار)

آپ کی تصانیف میں کتاب التوحید کی شرح تیسر العزیز الحمید کا اردو ترجمہ، نماز نبوی، عصمت انبیاء، الآیات البینات فی رد الشرک والبدعات، انتقاد صحیح بجواب رکعات تراویح کے علاوہ منکرین سنت کے رد میں ایک کتابچہ اور ایک مجلس کی تین طلاق کے بارے میں ایک تفصیلی تحریر قابل ذکر ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) مولانا شمس الحق صاحب سلفی

۱۹۱۵ء-۱۹۸۶ء

مولانا شمس الحق صاحب سلفی رحمہ اللہ کا شمار مشاہیر علماء اہل حدیث میں ہوتا ہے۔ آپ ان اعاظم رجال میں سے ہیں جن کی تدریسی، دعوتی اور اصلاحی خدمات نصف قرن پر محیط ہیں۔ آپ ایک اچھے مدرس، باکمال مقرر وداعی اور بذلہ سنج انسان تھے۔ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں شعبہ افتاء کی نگرانی کے ساتھ شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر فائز تھے۔

آپ کی ولادت ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں اپنے آبائی وطن بہار کے ایک گاؤں بلکٹوا ضلع مدھوبنی میں ہوئی۔ آپ کے والد مولانا رضاء اللہ صاحب علاقے کے جید علماء اور متمول افراد میں شمار کیے جاتے تھے۔ آپ نے اپنی اولاد کی ابتدائی تعلیم کے لیے گھر ہی پر ایک استاد مقرر کر رکھا تھا، جن سے مولانا شمس الحق صاحب نے قرآن مجید، اردو اور فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ جب سن شعور کو پہنچے تو علاقہ کی مشہور درس گاہ مدرسہ محمدیہ دیودھا میں داخلہ لیا، جہاں مولانا عبدالوہاب دیودھاوی سے عربی پڑھنا لکھنا شروع کیا۔ ایک مدت تک وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم احمدیہ سلفیہ آرہ (سن تاسیس ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۸۰ء) کے لیے رخت سفر باندھا۔ اس وقت احمدیہ سلفیہ میں مولانا علی اصغر چھپروی، مولانا محمد اسحاق آروی (وفات ۱۳۶۹ھ) مولانا عبدالغفور جیراج پوری (وفات ۱۳۷۱ھ) اور مولانا محمد عثمان ازہری جیسے اجلہ علماء کرام کی مسند درس سجی ہوئی تھی۔ مولانا نے یہاں رہ کر دل جمعی کے ساتھ علوم نبویہ اور معارف شرعیہ کے حصول میں لگ گیے۔ اور ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اس وقت مولانا کی عمر ۲۱/۲۲ سال تھی۔ آپ کی تبحر علمی کے پیش نظر فراغت کی سال یہ شرف حاصل رہا کہ آپ نے دوران تعلیم تین ماہ (مارچ، اپریل اور مئی ۱۹۳۶ء) پڑھانے کا فریضہ بھی ادا کیا۔

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ سے فراغت کے بعد مولانا کے دل میں یہ امنگ پیدا ہوئی کہ ملازمت کے بجائے آزادی کے ساتھ علاقہ میں دینی اور تبلیغی کاموں میں جٹ جائیں۔ اور تجارت کو ذریعہ معاش بنائیں۔ چنانچہ اسی منصوبہ کے تحت ڈیڑھ سال تک گھر ہی پر قیام کیا اور اطراف واکناف میں دین اسلام کی اشاعت میں لگ گیے۔ مگر طبیعت میں طلب علم کی کسک باقی تھی اس لیے ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۴ جولائی ۱۹۳۷ء بروز یکشنبہ گھر سے روانہ ہوئے اور دہلی کا رخ کیا۔ وہاں مسجد فتح پوری کے زیر اہتمام جاری مدرسہ میں داخلہ امتحان دیا۔ ضروری کاروائی کے بعد ۱۹ جولائی کو داخلہ ملا۔ اس مدرسہ میں طلبہ کو پنجاب یونیورسیٹی لاہور سے 'مولوی' اور 'فاضل' کے امتحان میں بیٹھنے کی تیاری کرائی جاتی تھی۔ اس کا فائدہ آپ کو یہ ملا کہ ۱۹۳۸ء میں 'مولوی' اور 'فاضل' کے امتحانات کو اچھے نمبروں سے پاس کیا۔

قیام دہلی کے دوران اسی مدرسہ میں مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایڈیٹر برہان سے کسب فیض کیا۔ ان کے سایہ عاطفت میں رہ کر عربی علوم وادب کی خوشہ چینی کی۔ اور عربی انشاء وترجمے کی مشق کی۔ آپ کی صلاحیت سے خوش ہو کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا سعید احمد صاحب آپ سے حد درجہ محبت اور شفقت کیا کرتے تھے۔

مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی یہی وہ ادیب عصر ہیں جو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت ہندوستان میں عربی کے تین ہی ادیب ہیں، اور تینوں ہی اہل حدیث۔ (۱) مولانا محمد سورتی (۲) مولانا عبدالعزیز میمنی (۳) اور مولانا عبدالمجید حریری بنارسی۔ رحمہم اللہ۔

دہلی سے واپسی کے بعد پھر دعوت وتبلیغ میں منہمک ہو گئے۔ اور اپنے بڑے بھائی مولانا عین الحق سلفی (وفات ۱۹۸۱ء) کے ساتھ مل کر اپنی جائے ولادت سے قریب نیپال کے ترائی علاقوں میں دعوتی اور اصلاحی کاموں میں لگ گیے۔ یہ علاقہ اس زمانہ میں اسلامی شعائر اور دینی احکام وارشادات سے بالکل ناآشنا تھا۔ جہالت کی وجہ سے طرح طرح کی ہندوانہ رسم ورواج اور مشرکانہ اعمال وافعال میں ڈوبا ہوا تھا۔ الغرض ان کی زندگی اسلام سے کوسوں دور تھی۔ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان نام کے علاوہ کوئی اور چیز وجہ امتیاز نہ تھی۔ دونوں صاحبان کی دعوت وتبلیغ اور انتھک کوششوں سے یہاں کے حالات بدلنے لگے۔ دن بدن تحسن کے آثار نمودار ہونے لگے۔ اور طرز حیات کا نقشہ بدل گیا۔ دینی شعائر سے انسیت ہوئی۔ دعوت وتبلیغ کے ساتھ دینی مدارس کے قیام کی طرف توجہ دی۔ مکاتب کھولے اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔ دعوتی میدان میں مصائب وآلام سہے۔ بائیکاٹ ہوا اور مقدمات قائم ہوئے۔ تحدیاں اور دھمکیاں دی گئیں۔ مگر ان اللہ والوں نے خندہ پیشانی سے سب کچھ برداشت کیا۔ اور اپنے کام میں لگے رہے۔ ابھی مختصر مدت ہی گذری تھی کہ اللہ تعالی کے فضل خاص سے لوگوں کی عداوتیں الفتوں میں بدل گئیں۔ کدورتیں چھٹ گئیں۔ اور دل آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

دعوت وتبلیغ کے علاوہ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں پہلی مرتبہ مسلسل پانچ سال تک تدریسی فرائض بھی انجام دیا۔ اس کے بعد ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء میں مولانا محمد عفان سلفی صاحب کی دعوت پر مدرسہ نجم الہدی آم تلہ ضلع مرشدآباد (بنگال) میں تدریس کے لیے رخت سفر باندھا۔ یہاں دس سال گزارنے کے بعد ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں مرشدآباد کے موضع صالح ڈانگر میں واقع مدرسہ اسلامیہ میں خدمت تدریس پر مامور ہوگیے۔ ان تمام جگہوں پر دعوت وتبلیغ کو اپنے معمولات میں شامل کیا۔

۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں مشرقی یوپی کی مشہور درس گاہ جامعہ فیض عام مئو ناتھ بھنجن میں تدریسی اور دعوتی خدمات کے لیے قدوم میمنت سے سرفراز کیا۔ اور یہاں کی متعدد سرگرمیوں میں شریک وسہیم رہے۔ اس عرصہ میں آپ سے بیشمار طلبہ نے کسب فیض کیا۔ تبلیغی اور دعوتی اجلاس میں شرکت کی وجہ سے مقبولیت انام حاصل ہوئی۔ اور آپ کی شہرت میں اضافہ ہوا۔ جامعہ فیض عام میں مشیخت حدیث کی مسند پر رونق افروز ہونے کے ساتھ افتاء کا کام بھی آپ ہی کے ذمہ رہا۔ چھوٹے بڑے کئی فتاوے مدلل تحریر کیے۔ بعض زیور طبع سے آراستہ بھی ہوئے۔

جامعہ فیض عام میں تدریس کے دوران ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں پہلی مرتبہ حرمین شریفین کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ وہاں کے علماء اور فضلاء سے ملاقاتیں ہوئیں اور بعض مسائل میں تبادلہ خیال بھی ہوا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی عرصہ میں ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۶ء میں آپ نے برادر مکرم مولانا عین الحق سلفی کے تعاون سے جنک پور (نیپال) میں ایک دینی ادارہ جامعہ سلفیہ شمس الہدی کی تاسیس کی۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں آپ اور آپ کے برادر مکرم نے ایک مدت تک دعوت وتبلیغ میں اپنے شب وروز گزارے تھے۔

جامعہ فیض عام مئو میں دس سال کا طویل عرصہ گزارنے کے بعد وہاں سے مستعفی ہوکر اپنے وطن کی راہ لی۔ اور مادر علمی دار العلوم احمدیہ سلفیہ میں شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر فائز ہوئے۔ دیڑھ سال بعد یعنی ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۸ء کا نیا تعلیمی سال مدرسہ دار الحدیث بیل ڈانگہ ضلع مرشد آباد (بنگال) کی نذر ہوا۔

ان چھ مدارس میں خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں جماعت اہل حدیث کی مرکزی درس گاہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) میں بحیثیت شیخ الحدیث تشریف لائے۔ اور مسلسل چودہ سال تک درس وتدریس، دعوت وتبلیغ سے منسلک رہے۔ بنارس کی سرزمین آپ کے لیے بڑی زرخیز ثابت ہوئی۔ بہت سے علاقوں کا دورہ کیا۔ اور حسب ضرورت وہاں اصلاح کا کام کیا۔ بعض مقامات پر منکرین حدیث اور اہل بدعت سے مناظرہ بھی کیا۔ خصوصاً آخری دو سال دعوت وتبلیغ سے خوب وابستگی رہی۔ اور یہی آپ کی خرابی صحت کا سبب بھی بنا۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریس کے علاوہ فتوی نویسی یا فتاوی پر نظر ثانی اور ان کی تصدیق کا کام بھی ساتھ رہا جسے وہ دیگر اوقات میں انجام دیا کرتے تھے۔ جامعہ سلفیہ کے اولین مفتی جناب مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی (وفات ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء) باقاعدہ آنے والے فتاوے کا کتاب وسنت کی روشنی میں جواب لکھا کرتے تھے۔ اور مولانا شمس الحق صاحب اس پر نظر ثانی اور اس کی توثیق وتائید کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی وضاحتی اور اختلافی نوٹ لکھتے تھے۔ اس کے برعکس ایسا بھی ہوا ہے کہ مولانا شمس الحق صاحب جواب دیتے تو مولانا آزاد صاحب اس پر نظر ثانی اور اس کی توثیق کرتے۔ اور حسب ضرورت وضاحتی یا اختلافی نوٹ لکھتے تاکہ عوام کے سامنے جو نوشت جائے وہ مدلل اور موثق ہو۔ اختلافات سے بالاتر ہو۔ اور قلوب اذہان میں کسی الجھن کا باعث نہ بنے۔ آپ کے سارے فتاوے دار الافتاء میں رجسٹروں میں محفوظ ہیں۔ آپ کے فتاوے نصوص شرعیہ سے مدلل ہوا کرتے تھے۔ قرآن وحدیث سے مسائل کی تخریج اور استنباط پر قدرت حاصل تھی۔ فقہی اختلاف پر وسیع نگاہ رکھتے تھے۔ سوال کی اہمیت کے اعتبار سے جواب سلجھے ہوئے انداز میں مختصر اور کبھی طویل ہوا کرتے تھے۔

تصنیف وتالیف کے میدان میں مولانا نے کوئی خاطر خواہ کام نہیں کیا۔ اگرچہ بعض مضامین الہدی دربھنگہ اور جامعہ فیض عام مئو سے صادر ہونے والی میگزین میں شائع ہوئے۔ آپ کا انتقال ۲۵ شوال ۱۴۰۶ھ مطابق ۳ جولائی ۱۹۸۶ء کو بروز جمعرات، پونے تین بجے شام کے وقت دربھنگہ میں ہوا۔ وفات کے وقت ان کی عمر ستر سال سے متجاوز تھی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کی بال بال مغفرت کرے۔ اور ان متنوع خدمات کو قبول کرتے ہوئے ان کے صلے میں جنت الفردوس نصیب فرمائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۳) مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری
۱۹۴۲-۲۰۰۶ء

شخصیت تیری تھی اپنے وقت کی اک بے مثال
اب کہاں پائیں گے ایسا صاحب فضل وکمال
سیرت نبوی میں جب شامل ہوئے سب باکمال
کوئے سبقت لے گیا لاریب تا حد کمال
عزم تھا پختہ تر تو، اور ہمت کا پہاڑ
گردش دوراں میں پل کر تونے پایا تھا کمال
کیسا کیسا انقلاب دہر آیا تیرے سر
ایک تو مثل چٹاں ثابت رہا بے قیل وقال
ہوگیا دل شاد اپنے رب سے مل کر تو مگر
دے گیا سب کو جدائی، اور پھر رنج وملال
موت تیری بن گئی ہے ایک عالم کی وفات
مغفرت تیری کرے ہم سب کا رب ذو الجلال

سید راجہ مبارک شاہ مانک پوری کے نام سے منسوب مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کا ایک مردم خیز قصبہ ہے، جو اپنی ریشمی صنعت وحرفت کے علاوہ علوم وفنون کا بھی اہم مرکز رہا ہے۔ یوں تو اس نام سے بہت سے قریے ومواضعات پائے جاتے ہیں مگر جو شہرت اسے نصیب ہوئی وہ کسی اور کے حصہ میں نہ آسکی۔ اس کی خاک سے علم وفضل، تحقیق وتصنیف، ادب وثقافت، شعروشاعری اور تاریخ وتمدن کی ایسی ایسی ہستیاں معرض وجود میں آئیں جن کے فیض سے نہ صرف ہندوستان بلکہ پورا عالم مستفیض ہورہا ہے۔ 'تذکرہ علماء مبارک پور' انہی علماء کے حسین تذکروں کی ایک علمی دستاویز ہے۔ اسی علمی گہوارہ سے تعلق رکھنے والی ایک عظیم شخصیت مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارک پوری کی ذات گرامی بھی ہے۔

آپ ایک عالمی شہرت یافتہ عالم دین، نامور مصنف ومؤلف، بلند پایہ محقق، ماہر فن مدرس، مؤثر خطیب ومقرر اور زبردست مناظر تھے۔ ان اوصاف وخوبیوں کے ساتھ ساتھ سیرت نبوی نگاری کے عالمی مقابلے میں اول نمبر سے سرفراز ہوئے۔ اللہ جل شانہ کے خزانے سے انہیں بلا کی ذہانت، فراست، بصیرت، زور بیانی، انشاء پردازی، مضمون نویسی، معاملہ فہمی اور سخن سنجی وغیرہ سے وافر حصہ ملا تھا۔ جس کا انہوں نے صحیح سمت میں استعمال کیا، جس سے آپ کی شخصیت کو خوب جلا ملی۔ اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کی ذات گرامی اس سے خوب نکھری۔اور علمی حلقوں میں شہرت دوام پائی۔علماء اور طلبہ کے یہاں خوب قدر اور پذیرائی ہوئی۔تنظیم جماعت میں اونچا منصب عطا ہوا۔اور جماعت اہل حدیث کے بچہ بچہ کے دل میں آپ کی محبت پیوست ہوگئی۔

آپ اسی قصبہ مبارک پور کے اتر جانب ایک میل کے فاصلے پر واقع حسین آباد میں ۱۹۴۲ء کے وسط میں ایک علمی اور دینی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔نسب نامہ یہ ہے۔

صفی الرحمٰن بن عبداللہ بن محمد اکبر بن محمد علی بن عبدالمؤمن بن فقیر اللہ مبارک پوری اعظمی۔

آپ نے بچپن میں قرآن مجید کا کچھ حصہ اپنے دادا اور چچا مولانا عبدالصمد (تلمیذ حضرۃ الشیخ ابوالعلی محمد عبدالرحمٰن مبارک پوری) صاحب سے پڑھا۔پھر ۱۹۴۸ء میں مدرسہ عربیہ دارالتعلیم صوفی پورہ مبارک پور میں داخل ہوئے۔وہاں چھ سال رہ کر پرائمری درجات اور مڈل کی تعلیم مکمل کی۔قدرے فارسی بھی پڑھی۔اس کے بعد جون ۱۹۵۴ء میں جامعہ احیاء العلوم مبارک پور میں داخل درس ہوئے۔وہاں عربی زبان وقواعد کے ساتھ نحو وصرف اور بعض دوسرے فنون کی تعلیم حاصل کی۔دو سال بعد اس علاقہ کی مشہور دینی دانش گاہ جامعہ فیض عام مئو ناتھ بھنجن میں داخلہ لیا۔یہ مبارک پور سے کوئی ۳۶ کلومیٹر کی مسافت پر مشرق جانب واقع ہے۔

جامعہ فیض عام میں آپ کا داخلہ مئی ۱۹۵۶ء میں ہوا۔یہاں پانچ سال رہ کر شرعی علوم وفنون یعنی تفسیر، حدیث ،اصول حدیث ،فقہ، اصول فقہ وغیرہ کی تعلیم مکمل کی۔اور جنوری ۱۹۶۱ء میں سند فراغت حاصل کی۔یہ سند تخرج علوم شریعت میں فضیلت کی سند ہے۔اور تدریس وافتاء کی اجازت پر مشتمل ہے۔تمام امتحانات آپ نے امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔

آپ کے اساتذہ میں آپ کے چچا مولانا عبدالصمد مبارک پوری (وفات ۱۹۴۸ء) مولانا عبدالرحمٰن نحوی (وفات ۱۹۶۴ء) مولانا عبداللہ شائق (وفات ۱۹۷۴ء) مولانا محمد سلیمان مئوی (وفات ۱۹۸۷ء) مولانا ابوعبیدہ عبدالمعید بنارسی (وفات ۱۹۸۰ء) مولانا محمد احمد مئوی (وفات ۱۹۸۲ء) شیخ الحدیث شمس الحق سلفی (وفات ۱۹۸۶ء) مفتی حبیب الرحمٰن فیضی (وفات ۱۹۹۶ء) اور مفتی عبدالمنان اعظمی (۱۹۲۸-۱۹۹۷ء) وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

دوران تعلیم عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے ۱۹۵۹ء میں ''مولوی'' اور ۱۹۶۰ء میں ''عالم'' کے امتحانات اور بعد میں تدریس کے دوران ۱۹۷۶ء میں ''فاضل ادب'' اور ۱۹۷۸ء میں ''فاضل دینیات'' کے امتحانات فرسٹ ڈویژن پاس کیا۔

فراغت کے بعد میدان عمل میں اترے۔اور اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔سب سے پہلے الہ آباد میں درس وتدریس اور تقریر وتحریر کا مشغلہ اختیار کیا۔اور مختلف علاقوں میں سات چھوٹے بڑے مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے شوال ۱۳۹۴ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۴ء میں جماعت کی مرکزی دانش گاہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) پہونچے۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں آپ کی شخصیت کو ابھرنے اور چمکنے کا زریں موقع نصیب ہوا۔اور یہاں چودہ سال تک بعض

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

داخلی اور خارجی ذمہ داریاں بحسن وخوبی ادا کیں۔ تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف، تحقیق وتدقیق، افتاء نگاری اور انشاء پردازی کا جوہر دکھلایا۔ جامعہ کا اردو ماہنامہ 'محدث' برسوں تک آپ کی ادارت میں نہایت آب وتاب کے ساتھ نکلتا رہا، جس نے برصغیر ہندوپاک میں اپنا ایک ممتاز مقام بنالیا۔ اس کا پہلا شمارہ فروری ۱۹۸۲ء میں منظر عام پر آیا۔ اس ماہنامہ کے ذریعہ آپ نے سیاسی، ملکی، دینی، ملی، عالم اسلام اور حالات حاضرہ سے متعلق دوسو سے زاید موضوعات پر مشتمل ہزاروں صفحات قلم بند کیے۔ اور اس میدان میں اپنی جولانی قلم کے خوب سے خوب تر جوہر دکھائے۔ نیز آپ کی گراں قدر تحریریں 'محدث' اور 'صوت الأمۃ' کے علاوہ دوسرے رسائل میں اس سے قبل شائع ہوتی رہتی تھیں۔ اور بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

۱۹۷۸ء میں جب مولانا آزاد صاحب رحمانی کا انتقال ہوا اور دارالافتاء کی ذمہ داری حضرۃ الشیخ شمس الحق صاحب سلفی (فاضل مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ) کے دامن عمل میں آئی تو اس کے کم وبیش ایک سال بعد آپ کی شمولیت ہوئی۔ اپنے مشفق استاد کے زیر اشراف پھر کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ مگر اس مرتبہ نوعیت کچھ اور تھی۔ دارالافتاء کے ریکارڈ کے مطابق آپ نے پہلا فتوی ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں تحریر کیا۔ یہ فتوی ایک مجلس میں تین طلاق کا تھا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جامعہ سے سبک دوش ہونے تک، اور عمر مستعار میں تا مرگ باقی رہا۔ جامعہ اسلامیہ سے منسلک ہونے کے بعد تو اس میں اور تیزی آ گئی۔ اردو کے علاوہ عربی فتاوے بھی صادر ہونے لگے۔ مگر افسوس کہ یہ نوک قلم کے حصار میں نہ آ سکے۔

آپ کے فتاوے قرآن وحدیث سے مدلل ہوا کرتے تھے۔ حدیث کے علاوہ فقہی جزئیات کے مسائل کی تخریج پر دست گاہ حاصل تھی۔ نصوص شرعیہ سے استنباط پر وسیع نگاہ تھی۔ جوابات سلجھے انداز میں ہوا کرتے تھے جو اپنے دامن میں اجتہادی شان اور نکات لیے ہوتے تھے۔

جامعہ سلفیہ کے قیام کے دوران رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی جانب سے سیرت نگاری کے عالمی مقابلہ کے لیے 'الرحیق المختوم' کے نام سے ایسی بلند پایہ کتاب تصنیف فرمائی جو اس مقابلہ میں اول انعام کی مستحق قرار پائی۔ یہ کتاب آپ نے عربی زبان میں تحریر فرمائی تھی۔ اور مقابلہ کے شرکاء میں سعودی ومصری اہل قلم شامل تھے۔ ان عرب قلم کاروں اور انشاء پردازوں کے مقابلہ میں کسی عجمی کا بازی مار لے جانا اپنے اندر خود ایک معجزہ ہے۔ اس تاریخی کامیابی سے آپ کی شخصیت میں چار چاند لگ گیا۔

اس قابل رشک کامیابی سے علمی دنیا میں آپ کا سکہ بیٹھ گیا۔ جس سے متاثر ہو کر اس وقت جامعہ اسلامیہ مدینہ نبویہ کے جنرل سکریٹری فضیلۃ الشیخ عمر محمد فلاتہ رحمہ اللہ نے آپ کو جامعہ اسلامیہ (مدینہ یونیورسٹی) کے **قسم السنۃ والسیرۃ النبویۃ** میں بطور باحث اور محقق بلالیا۔ وہاں دس سال رہ کر آپ نے سیرت کے مختلف پروجیکٹوں پر کام کیا۔ دسمبر ۱۹۹۷ء میں جب اس ادارہ سے اگریمنٹ ختم ہو گیا تو مملکت سعودیہ عربیہ کے قلب ریاض میں نشر واشاعت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے قائم مشہور ادارہ 'دارالسلام' کے ذمہ داران کی دعوت پر اس کے شعبہ تحقیق واشراف سے منسلک ہو گئے۔ اور دم واپسیں تک اس سے منسلک رہے جہاں کئی قابل قدر خدمات انجام دیا۔

فراغت کے بعد ہی سے مولانا نے اپنے ذوق ووجدان سے تصنیف وتالیف کا مشغلہ جاری رکھا۔ اور حسب ضرورت مختلف موضوعات کو منتخب کیا جبکہ کچھ موضوعات ذمہ داران ادارہ کی طرف سے تفویض کیے گیے۔ آپ نے علمی یادگار کے طور پر جن کتابوں کو اپنے لیے صدقہ جاریہ بنایا ان میں چند یہ ہیں۔

الرحیق المختوم (عربی، اردو) مختصر الرحیق المختوم (عربی) روضہ الانوار فی سیرۃ النبی المختار، اتحاف الکرام شرح بلوغ المرام، منۃ المنعم شرح صحیح مسلم، ابراز الحق والصواب فی مسألۃ السفور والحجاب، الاحزاب السیاسیۃ فی الاسلام تطور الشعوب والدیانات فی الھند ومجالات الدعوۃ الاسلامیۃ فیھا، الفرقۃ الناجیۃ والفرق الاسلامیۃ الاخری، تجلیات نبوت، تذکرہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب، انکار حدیث حق یا باطل، رزم حق وباطل، فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری، قادیانیت اپنے آئینے میں، اہل تصوف کی کارستانیاں وغیرہ۔

آپ کی ہر دل عزیز کتاب 'الرحیق المختوم' سیرت نبوی کی ایک عظیم شاہ کار اور بے مثال تصنیف ہے۔ آپ نے اسے سیرت طیبہ سے سرشار ہو کر ہی قلم بند کی ہے۔ اور سیرت مبارکہ کی عطر بیزیوں کے ذریعہ مشام روح کو معطر کرنے کی کوشش کی ہے۔ محسن انسانیت، ہادی برحق کی پاکیزہ تعلیمات کے ذریعہ دلوں میں صدق وصفا اور رعنائی وزیبائی عطا کرنے کا اور کرہ ارضی پر بسنے والی قوموں کو عدل وانصاف، راست بازی، حق پرستی اور مسلک حق کی جستجو اور تمسک کا پیغام دیا ہے۔

۴ جون ۲۰۰۶ء کو آپ پر سخت ترین برین ہیمریج کا حملہ ہوا۔ اس سے قبل ایک بار فالج ہوا تھا۔ علاج کے بعد روبصحت ہو گئے تھے۔ مگر فالج نے اپنا اثر چھوڑ رکھا تھا۔ اس مرتبہ کبھی افاقہ ہوتا تو کبھی اچانک مرض میں شدت ہو جاتی تھی۔ علاج معالجہ سے کوئی خاص افاقہ نہیں ہوا۔ عمر بھی اپنی طبعی حد کو پہنچ رہی تھی۔ ۶۳ سال کے ہو چکے تھے۔ چنانچہ یکم دسمبر ۲۰۰۶ء بروز جمعہ بوقت ڈھائی بجے دن وقت موعود آ ہی گیا، جس سے کسی کو مفر نہیں۔ دوسرے دن ۲ دسمبر بروز سنیچر بعد نماز عصر اپنے وطن اور جائے ولادت موضع حسین آباد مبارک پور کے قبرستان میں ہزاروں کے مجمع میں آپ کے جسد خاکی کو آپ کے چچا مولانا عبدالصمد رحمہ اللہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کی نماز جنازہ آپ کے فرزند مولانا یاسر (فاضل مدینہ یونی ورسٹی) نے پڑھائی۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ رحیق مختوم سے آپ کی ضیافت کرے۔ اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ اور رحمتوں سے ڈھانپ لے۔ قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) مولانا محمد رئیس صاحب ندوی
۱۹۳۸-۲۰۰۹ء

آج محفل علم کی، افسوس سونی ہوگئی دین ودانش کے چمن کی لٹ گئی گویا بہار
اب کرے گا کون ہم سے دین کے اسرار کو کاوش تحقیق کی صیقل گری سے آشکار

مولانا محمد رئیس صاحب ندوی رحمہ اللہ یگانہ روزگار علمی شخصیت تھے، آپ علم وفن کے بدر کامل تھے۔ گہری نظر اور علم کے اتھاہ سمندر تھے۔ علوم وفنون میں تبحر تھا۔ علم تفسیر میں مہارت اور دسترس تھی۔ فن حدیث میں ید طولی رکھتے تھے۔ فقہ ودرایت کے امام تھے۔ فتاوی میں مرجع خلائق تھے۔ تصنیف وتالیف میں پختگی تھی۔ آپ کی تدریسی خدمات اور تصنیفی اسہامات اس پر شاہد عدل ہیں اور جن حضرات کو آپ سے شرف تلمذ کی نسبت حاصل ہے وہ آپ کی جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ اور قدرت کاملہ کے ثناخواں ہیں۔

حضرت مولانا محمد رئیس صاحب ندوی رحمہ اللہ نے مشرقی یوپی کے مشہور ضلع بستی (موجودہ ضلع سدھارتھ نگر) کے موضع بھٹیا، پوسٹ مردنیا میں ۷/رجمادی الاولی ۱۳۵۷ھ مطابق ۷/جولائی ۱۹۳۸ء بروز جمعرات اس جہان رنگ وبو میں آنکھیں کھولیں۔ مقام پیدائش قصبہ بانسی سے جنوب مشرق کی جانب دس کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔ آپ کا نسب نامہ یوں ہے: رئیس الاحرار (محمد رئیس) بن سخاوت علی بن محمد باقر بن جہانگیر بن رجب علی۔

شخصی معلومات اور کتب مصادر سے جو جزوی معلومات مہیا ہوسکیں، وہ آپ کے خاندانی پس منظر پر کسی طرح سے مکمل روشنی نہیں ڈالتی ہیں۔ تاہم وہ اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہیں کہ آپ کی ذات پر خاندان کا کوئی رنگ نہیں چڑھا۔ آپ کا خاندان ناخواندہ ہونے کے ساتھ تقلید کی بندشوں میں محصور تھا۔ آپ کے والدین ان پڑھ تھے۔ پارچہ بافی ان کا ذریعۂ معاش تھا۔ ایسے ماحول میں آپ کی نشو ونما والد بزرگ وار کے سایہ عاطفت میں ہوئی۔ جب سن تمیز میں قدم رکھا تو طلب علم کے لیے گاؤں کے مکتب مدرسہ اسلامیہ معین العلوم میں ابتدائی تعلیم کے لیے داخل ہوئے۔ ۱۹۴۶ء تا ۱۹۵۱ء پرائمری اور مڈل تک کی تعلیم مردنیا بازار کے پرائمری اسکول میں حاصل کی۔ آگے کی تعلیم کے لیے شہر بستی میں پکا بازار میں واقع مدرسہ عربیہ بدریہ کے لیے رخت سفر باندھا۔ وہاں پانچ سال تک مختلف علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی۔ یہ مدرسہ ان دنوں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی شاخ تھا۔ اور اسی منہج فکر کا داعی تھا۔ یہاں سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۹۵۷ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عالمیت سال آخر (ساتویں جماعت) میں داخل ہوئے اور مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور عالمیت کی ڈگری حاصل کی۔ اور اسی سال حضرۃ الشیخ ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ سے صحیحین کا درس لیا اور سند اجازہ فی الحدیث سے مشرف ہوکر فارغ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

التحصیل ہوئے۔

آپ نہایت ذہین تھے۔رب ذوالجلال کی طرف سے ذکاوت وذہانت کا وافر حصہ ملا تھا۔دوران تعلیم یہ امتیاز حاصل تھا کہ ہر سال جماعت میں اول آتے رہے اور آخری سال میں پورے ندوۃ العلماء میں اول آکر معرکۂ علم سر کرلیا۔

حضرت الشیخ ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے علاوہ آپ کے نامور اساتذہ میں مولانا محمد اسحاق ندوی سندھیاوی، مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی صاحب مصباح اللغات، مولانا ظہور احمد مفتی دارالعلوم ندوۃ العلماء وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

جس قدر مولانا کے اندر علمی پختگی آتی گئی اسی قدر تقلید سے تحقیق کا سفر بھی رواں دواں رہا۔ندوہ کے اساتذہ کرام باستثنائے چند جو خالص تقلیدی ماحول میں مسند تدریس کی زینت بنے رہے ان کی خفگی اور لومۃ لائم کی پرواہ کیے بغیر سلفی عقیدہ ومنہج کی آزاد فضا میں سانس لینے کا من بنالیا۔اور دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی میں تقلیدی بندشوں سے آزاد ہوکر تحقیق کی دنیا میں ایسے گم ہوگئے کہ پیچھے مڑکر نہیں دیکھا۔حاملین کتاب وسنت اور علم برداران سلفیت کی تحریروں بالخصوص نواب صدیق حسن خان قنوجی کی تصانیف اور محدث کبیر مولانا محمد عبدالرحمٰن مبارک پوری کی تحفۃ الاحوذی اور ابکار المنن فی تنقید آثار السنن سے کافی حد تک متاثر ہوئے۔اور ان کتابوں کا آپ کے قلب وذہن پر ایسا رنگ چڑھا کہ آپ اس رنگ میں رنگتے چلے گئے۔مزید برآں مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ کے صحیحین کے طریقۂ تدریس نے اسے جلا بخشی۔اس سلسلہ میں مولانا رئیس الاحرار صاحب ندوی خود تحریر فرماتے ہیں:

”جب تحقیقی انداز میں حنفی دیوبندی مذہب اور اہل حدیث کا تقابلی مطالعہ میں نے شروع کیا تو نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی رحمہ اللہ کی کتابوں کے بعد سب سے زیادہ حضرۃ الامام العلام محمد عبدالرحمٰن مبارک پوری کی کتابوں خصوصا تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی اور ابکار المنن سے متاثر ہوا اور اپنے آبائی مذہب یعنی دیوبندی مذہب کو ترک کرکے عملی طور پر اہل حدیث ہوگیا۔دارالعلوم ندوۃ العلماء میں میری فراغت کا آخری سال تھا۔میرے اس طریق سے بعض اساتذہ وطلبہ کو غم وغصہ اور دکھ ہوا مگر میرے صحیحین کے استاذ مفکر ملت حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے مجھ سے پوچھا کہ کیا خوب اچھی طرح تقابلی مطالعہ کے بعد پورے خلوص کے ساتھ کسی ذاتی منفعت کے لیے تم نے تبدیلی مذہب تو نہیں کی؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، بلکہ میرے اہل حدیث مذہب اختیار کرنے میں آپ کا طریق درس صحیحین بھی بڑی حد تک داعی ہوا۔آپ کا طریقۂ درس محدثانہ اور غیر جانب دارانہ بالکل علماء سلف جیسا ہے۔اس پر مولانا علی میاں مسکرا پڑے۔اور انھوں نے کہا کہ ہر معاملہ میں اخلاص اور عدل وانصاف ہی کو پیش نظر رکھنا“۔

تلاش وجستجو اور تحقیق کی یہ چنگاری مولانا میں اس وقت سے بیدار ہوئی جب آپ ۱۹۵۳ء میں مدرسہ تعلیم الدین اونچیرہ میں منعقدہ سہ روزہ اجلاس میں شرکت کی اور خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی، عضو تاسیسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ (وفات ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء) کے بلیغانہ خطاب سے کافی حد تک متاثر ہوئے۔اور وہیں سے مسلک حق کی تلاش میں جٹ گئے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد مختلف مدارس میں تدریس سے منسلک ہوئے۔۱۹۶۹ء میں شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارک پوری (وفات ۱۴۱۴ھ=۱۹۹۴ء) اور قاری عبدالحق (امام جامع مسجد بانسی، وفات ۱۹۷۵ء) کے اشارے سے آپ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں مسند تدریس پر فائز ہوئے۔اور پوری مستعدی اور دل جمعی کے ساتھ تدریس اور تصنیف میں منہمک ہوگئے۔جامعہ سلفیہ بنارس کے علمی اور سلفی ماحول نے آپ کی صلاحیت اور شخصیت میں چار چاند لگا دیا۔یہیں آپ کو علمی جواہر بکھیرنے کا زریں موقع ملا۔''انوار الباری شرح صحیح البخاری'' جو کہ سلف صالحین اور مسلک محدثین کے خلاف مسموم مواد اور سوقیانہ فکر پر مشتمل ہے، اس کی ایسی نقاب کشائی کی کہ خانوادۂ حنفیت اور فرقۂ دیوبندیت میں لرزش پیدا ہوگئی۔اس کتاب کو آپ نے اپنے وسعت مطالعہ سے اس طرح ترتیب دیا جس میں آپ کی تبحر علمی، محققانہ شان، محدثانہ طرز، فقیہانہ بصیرت کی حسین تصویر نظر آتی ہے اور ایسے عمدہ اسلوب میں خامہ فرسائی کی ہے کہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ''اللمحات'' کے علاوہ اگر آپ کی کوئی اور تصنیف نہ ہوتی تو صرف یہی آپ کی علمی جلالت شان اور عبقریت کے لیے کافی تھی۔مسائل کی تحقیق وتنقیح کے لیے وسعت مطالعہ اور کثرت علم کو زینہ بنایا اور موضوع سے متعلق معلومات کا انبار لگا کر قاری کو اس موضوع کی دوسری کتابوں سے تقریبا بے نیاز کر دیا۔

اللمحات الی ما فی أنوار الباری من الظلمات کے علاوہ آپ کی شاہکار تصانیف میں تصحیح العقائد بابطال الشواهد، تنویر الآفاق، اسلام میں نماز جمعہ کا حکم، تاریخ اہل حدیث، نماز جنازہ کے احکام ومسائل، رسول اکرم ﷺ کا صحیح طریقۂ نماز، دیوبندی تحفظ سنت کانفرنس پر سلفی تحقیقی جائزہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

درس وتدریس، تصنیف وتالیف کے علاوہ آپ ایک کامیاب مناظر بھی تھے۔۱۹۶۰ء میں اپنے مسقط راس میں ایک دیوبندی عالم سے مناظرہ کیا۔مولانا صفی الرحمن مبارک پوری کے ساتھ مناظرۂ بجرڈیہہ میں شرکت فرمائی۔۱۹۹۵ء میں بھیلواڑہ راجستھان میں ایک بریلوی عالم جلال الدین امجدی کے مناظرانہ چیلنج کو قبول کرتے ہوئے عازم سفر ہوئے۔مناظرہ کے لیے اسٹیج تیار ہوگیا، لیکن کوئی سامنے نہیں آیا۔وہاں سے واپسی کے بعد اس بریلوی عالم کی تصنیف کردہ کتاب ''غیر مقلدین کے چالیس فریب'' کا علمی اور وقیع رد لکھا جو کتابوں کی دنیا میں ''ضمیر کا بحران'' سے موسوم ہوکر خراج تحسین حاصل کر رہی ہے۔

اس کے علاوہ جولائی ۱۹۹۷ء میں بمقام گنج ڈنڈواڑہ کے مناظرے میں فتح ونصرت نے قدم بوسی کی جس کی سرپرستی آپ ہی نے کی۔

ان مذکورہ مصروفیات کے ساتھ فتوی نویسی کو بھی آپ نے اپنے معمولات میں شامل رکھا، چونکہ آپ جامع کمالات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔اور علوم شریعت کے اصول وفروع پر دسترس اور نبوغ کمال حاصل تھا اور برمحل معلومات کے استعمال اور استحضار پر متمکن تھے۔اس لیے اس میدان میں آپ کی ریاست وسیع تر نظر آتی ہے۔جامعہ سلفیہ کے دارالافتاء میں وارد ہونے والے سوالات کا نہایت متوازن اور مدلل جوابات کی ایسی تحریر چھوڑ دی جو بعد کے مفتیان کرام کے لیے مشعل راہ بنی ہوئی ہے۔فرائض کے علاوہ فقہ کے تمام مسائل پر آپ کے فتاوی محیط ہیں۔میراث وفرائض کا فتوی حضرت الشیخ عابد حسن رحمانی کے ذمہ تھا، بعدہ یہ ذمہ داری مولانا محمد حنیف صاحب مدنی رحمہ اللہ کے حصہ میں آئی۔آپ کے فتاوی قرآن وحدیث سے مدلل اور حسب ضرورت طویل ومفصل ہوا کرتے تھے۔تحریر سلجھی ہوتی تھی۔جامعہ سلفیہ میں آپ کی فتوی نویسی کا زمانہ جامعہ سلفیہ کے دارالافتاء کے رجسٹر کی ورق گردانی کے مطابق باضابطہ ۱۹۸۴ء سے شروع ہوتا ہے اور وفات کے کچھ قبل تک چلتا ہے۔اس دورانیہ میں آپ دارالافتاء سے منسلک رہے۔اور جب جامعہ میں قحط الرجال کا زمانہ آیا تو ارباب اقتدار کی نگاہ آپ پر جا ٹھہری اور آپ جامعہ کے مفتی اور دارالافتاء کے نگراں مقرر ہوئے۔اور یہی آپ کا زریں دور بھی ہے جس میں آپ کی تصانیف زیور طباعت سے مزین ہو کر سلفیت کے فروغ اور تقلیدی فکر ومنہج کو سپوتاژ کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور مخالفین کی آراء وافکار کا پرزور ابطال کیا۔

مشغولیات کے اس ہجوم میں اور آپ کی ان جہود ومساعی کے اعتراف میں جمعیت اہل حدیث ہند کی پاکوڑ کانفرنس منعقدہ ۱۳-۱۵ مارچ ۲۰۰۴ء میں آپ کو ایوارڈ سے نوازا گیا۔اس کے علاوہ دار الدعوۃ الہ آباد کی طرف سے آپ کے علمی کارناموں کے پیش نظر ''پریوائی ایواڈ'' سے تکریم کی گئی۔۱۹۹۰ء میں جب آپ عمر کے ۵۳ ویں پائے دان پر قدم رکھ چکے تھے فریضۂ حج ادا کیا۔

مولانا رئیس الاحرار صاحب ندوی نے زندگی کی ۷۰ بہار وخزاں کے ماہ وسال دیکھنے کے بعد بالآخر ۱۴/ر جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ مطابق ۹/رمئی ۲۰۰۹ء بروز سنیچر رات دس بج کر ۴۵ منٹ پر داعی اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے جسد خاکی کو آپ کے آبائی وطن بھٹیا سدھارتھ نگر لے جایا گیا۔وہیں ہزاروں شاگردوں اور عقیدمندوں نے چشم نم، مؤرخ جماعت مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی سابق شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ بنارس کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی اور ان کو سپرد خاک کر دیا۔راقم الحروف کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اسے آپ کے آخری دیدار اور تدفین میں شریک ہونے کا موقع ملا۔اس طرح جماعت اہل حدیث ہند ایک جامع کمالات صاحب علم وفن اور مثالی عالم سے محروم ہوگئی۔

اللہ رب العالمین حضرت مولانا رحمہ اللہ کو فردوس اعلی میں جگہ دے اور ان کی مغفرت فرمائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۵) مولانا عابد حسن صاحب رحمانی
۱۹۳۰-۲۰۰۹ء

مولانا عابد حسن رحمانی رحمہ اللہ ایک علمی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ اس خانوادہ میں علم ودانش کی قندیل پہلے سے ہی روشن تھی۔ اس لیے مولانا کی طبیعت میں علمی میلان کا پایا جانا فطری امر تھا۔ آپ نے اپنے آباء واجداد کے نقوش علم وعمل کو اپنے لیے حرز جان بنایا۔ اور اپنے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں پوری توجہ مبذول کردی۔ آپ کے خاندان میں جن گرامی قدر علماء کے اسماء علمی میدان میں مشہور ہوئے ان میں مولانا عزیز الرحمٰن صاحب خان بہادر ازہری اور مولانا عبدالسلام رحمانی (وفات ۲۰۱۳ء) (وکیل الجامعہ، جامعہ سراج العلوم، بونڈیہار) رحمہما اللہ قابل ذکر ہیں۔

مولانا عابد حسن صاحب رحمانی کی ولادت ماہ اگست کی ۲۴ تاریخ ۱۹۳۰ء کو ہوئی۔ آپ کا نسب نامہ یوں ہے: عابد حسن بن حبیب الدین بن جمائی بن کریم بخش خاں۔ مولد ومسکن: کنڈؤبونڈیہار، پوسٹ سکھوئیاضلع بلرام پور ہے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے قریہ کے مشہور مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں ہوئی۔ اسی مدرسہ میں آپ نے گلستاں، بوستاں اور اخلاق محسنی وغیرہ کی تعلیم مولانا محمد یٰسین اور مولانا محمد یونس صاحبان سے حاصل کی۔ ان کے علاوہ آپ نے میزان ومنشعب مولانا اقبال احمد رحمانی (۱۹۱۹-۱۹۸۲) سے پڑھی۔ پھر علمی پیاس بجھانے کے لیے ۱۹۴۴ء میں مولانا شبیر احمد صاحب کے ہمراہ کان پور کا رخ کیا۔ اور وہاں جامع العلوم پٹکاپور میں پہلی جماعت میں داخلہ لیا۔ مگر یہاں اطمینان قلب نہ ہوا۔ اور نہ وہاں کا علمی ماحول راس آیا۔ اسی پس وپیش میں ایک سال گزر گئے۔ ادھر دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی سمعت وشہرت نے ان کو دہلی کے لیے شدرحال پر مجبور کیا۔ وہاں آپ کا داخلہ ابتدائی جماعت میں ہوا۔ اور مشکاۃ المصابیح، شرح الوقایہ اور شرح جامی وغیرہ تک زیر تعلیم رہے۔ قال اللہ اور قال الرسول کی صداؤں سے اپنے مشام روح کو معطر کرہی رہے تھے کہ اگست ۱۹۴۷ء کا ہنگامہ خیز طوفان کھڑا ہوگیا۔ اور متحدہ ہندوستان کی یہ درس گاہ اس طوفان کی نذر ہوگئی اور ناظم رحمانیہ عبدالوہاب صاحب کے کراچی رحلت کر جانے کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے مرحوم ہوگئی۔ حسرت واضطراب کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ آپ عازم وطن ہوئے اور سال کا بقیہ حصہ اولین مادر علمی سراج العلوم بونڈیہار میں گذارا۔ اگلا سال ندوۃ العلماء لکھنؤ کی نذر ہوا، لیکن مولانا رحمانی کے بقول یہاں کا علمی ماحول اس لیے پسند نہیں آیا کہ وہاں قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے مقابلہ میں ادب کو زیادہ اہمیت دی جارہی تھی۔ اسی چیز نے آپ کو دارالعلوم دیوبند کی طرف رحلت پر مجبور کیا۔ چنانچہ دیوبند میں آپ نے داخلہ لیا۔ اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ مرغینانی، نورالانوار، تفسیر بیضاوی، شرح عقائد نسفی، ،سراجی اور شرح چغمینی کی تعلیم حاصل کی۔ ابھی دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے کہ آپ کو خبر ملی کہ مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی املوی رحمہ اللہ سابق صدر مدرس دارالحدیث رحمانیہ دہلی اس وقت جامعہ رحمانیہ بنارس میں منصب تدریس پر فائز ہوچکے ہیں۔ آپ نے کسی طرح دارالعلوم دیوبند میں سال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تکمیل کی۔اور رمضان المبارک میں گھر تشریف لائے اور پورا رمضان گزار کر ۹رشوال ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس آکر دورۂ حدیث میں داخلہ لیا۔اور دو سال یہاں رہ کر اپنی تعلیم مکمل کی۔اور رجب ۱۳۷۱ھ مطابق اپریل ۱۹۵۲ء میں سند فراغت حاصل کی۔اس جامعہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اپنے آپ کو''رحمانی'' لکھتے تھے۔

آپ نے پورے تعلیمی سفر میں جن علماء کرام سے کسب فیض کیا،ان کی تعداد زیادہ ہے۔ان میں مولانا عبدالغفور بسکوہری (۱۸۰۹ء-۱۹۷۹ء)،مولانا اقبال احمد رحمانی،مولانا بشیر احمد سہسوانی،ابوالحسن علی میاں ندوی،مولانا محبوب الرحمٰن ازہری،مولانا اعزاز علی قاسمی،مولانا عبدالجلیل قاسمی،مولانا فخر الحسن وغیرہم کے علاوہ شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارکپوری (۱۳۲۷ھ-۱۴۱۴ھ)،مولانا نذیر احمد رحمانی املوی (۱۹۰۶ء-۱۹۶۵ء)،مولانا بشیر احمد مبارک پوری اور راقم الحروف کے دادا مولانا عبدالصمد مبارک پوری (۱۳۶۷ھ) رحمہم اللہ کے اسماء گرامی بڑے عزت واحترام سے لیے جاتے ہیں۔

حصول علم سے فراغت کے بعد آپ درس وتدریس سے منسلک ہوئے۔آپ کے دل چسپ مضامین میں تفسیر، حدیث اور معقولات کے ساتھ ساتھ علم فرائض شامل ہیں۔طلبہ میں آپ کی تقریر وتدریس کو مقبولیت حاصل تھی۔اور آپ کا ایک خاص اور منفرد طرز بھی تھا۔درس وتدریس کے فرائض کی انجام دہی کے ساتھ دعوت وتبلیغ کے میدان میں بھی کافی سرگرم تھے۔جہاں بھی رہے وہاں کے قرب وجوار کی مساجد میں وعظ اور خطبۂ جمعہ کا اہتمام فرماتے تھے۔

جن اداروں میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دی ان میں مدرسہ شمس الہدی،دلال پور،جھارکھنڈ،مدرسہ اسلامیہ اصلاح المؤمنین بر ہیت صاحب گنج،جھارکھنڈ،مظہر العلوم بٹنہ،مالدہ مغربی بنگال،جامعہ سراج العلوم بونڈیہار،ضلع بلرام پور (یوپی)،مدرسہ انوار العلوم پرساعماد،کلیہ فاطمۃ الزہراء مئوناتھ بھنجن،کلیۃ الطیبات ڈومریا گنج اور مدرسہ دعوۃ الاسلام،لال گوپال گنج،الہ آباد قابل ذکر ہیں۔

جب مولانا رحمانی صاحب مؤخر الذکر مدرسہ (جو اس وقت جامعہ ابی ہریرہ الاسلامیۃ سے موسوم ہے) میں مسند تدریس پر فائز تھے تو وہاں کی مسجد میں نماز عصر کے بعد روزانہ درس حدیث دیا کرتے تھے جس میں طلبہ واساتذہ کے علاوہ عامۃ الناس کی بھی ایک اچھی تعداد ہوا کرتی تھی۔

جب مظہر العلوم بٹنہ ضلع مالدہ میں بحیثیت شیخ الحدیث خدمت تدریس پر مامور تھے تو ۱۹۶۴ء کے اخیر میں آپ کے استاد محترم مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی املوی کا خط پہنچا کہ آپ جامعہ رحمانیہ بنارس میں بحیثیت مدرس تشریف لائیں۔آپ نے استاد محترم کی اس تمنا کی تکمیل کے لیے وہاں سے مستعفی ہوکر عازم سفر ہوئے اور بنارس چلے آئے۔۱۹۶۶ء تک اسی جامعہ سے منسلک رہے۔۱۸/اپریل ۱۹۶۶ مطابق ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ یوم دوشنبہ جب جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلو) میں تعلیم کا آغاز ہوا تو جن تین حضرات کو جامعہ رحمانیہ سے جامعہ سلفیہ منتقل کیا گیا ان میں مولانا کی ذات گرامی بھی تھی۔آپ جامعہ سلفیہ میں عربی کی چوتھی جماعت سے اوپر طلبہ کو درس دیتے رہے۔جامعہ سلفیہ میں آپ کے زیر درس زیادہ تر مسلم جلد ثانی،بخاری، جلد اول،تفسیر بیضاوی اور منطق وفلسفہ میں مرقات،قطبی،ہدایۃ الحکمۃ جیسی اہم کتابیں تھیں۔چونکہ آپ منطق وفلسفہ کے متخصص

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے اس لیے ان کتابوں سے آپ کو زیادہ شغف تھا۔ آپ جامعہ میں ۱۹۹۲ء تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس لیے آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی کافی طویل ہے، تاہم اجلہ تلامذہ میں حضرت مولانا ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس سلفی پروفیسر ام القری یونیورسٹی و مفتی حرم شریف مکہ مکرمہ، ڈاکٹر صغیر احمد، ڈاکٹر فضل الرحمٰن دین محمد (جامعہ محمدیہ مالیگاؤں)، ڈاکٹر اختر جمال بنارس، مولانا صلاح الدین مقبول احمد اور نامور محقق مولانا عزیر شمس- حفظہم اللہ- سر فہرست ہیں۔

تصنیف و تالیف کے میدان میں آپ نے کوئی خاطر خواہ کام نہیں کیا۔ لیکن جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلو) بنارس م میں دوران تدریس فتاوی لکھتے تھے۔ آج بھی آپ کے فتاوے سے دار الافتاء کے اراکین گاہے گاہے مستفید ہو رہے ہیں۔ یہ فتاوے کتابی شکل میں اگر چہ شائع نہ ہو سکے لیکن جامعہ سے منسلک تمام مفتیان کرام کے فتاوے رجسٹر میں مندرج ہیں۔ اور جامعہ آئندہ شائع کرنے کے لیے پرعزم ہے۔ اور اس کا لائحہ عمل بھی تیار ہو چکا ہے۔

مولانا عابد حسن صاحب رحمانی کی فتوی نویسی کا آغاز ۱۹۸۲ء سے ہوتا ہے۔ دار الافتاء میں موجود رجسٹر کے مطابق سال مذکور کے ماہ مارچ کی سترہ تاریخ کو پہلا فتوی تحریر فرمایا تھا، جو ایک مجلس میں طلاق ثلاثہ سے متعلق تھا۔ مختلف دینی مسائل پر سیکڑوں صفحات پر مشتمل یہ فتاوے آپ کی علمی قابلیت اور صلاحیت پر دلالت کرتے ہیں۔

آپ کے فتاوی علمی حلقوں میں بہت معتبر اور فیصلہ کن مانے جاتے تھے۔ اختلافی مسائل میں آپ کا موقف بہت واضح، بے باک اور مرصع بدلائل تھا۔ آپ کے فتاوی میں آپ کی مجتہدانہ بصیرت نظر آتی ہے۔

آپ کے تلمیذ رشید مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی سابق شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ بنارس آپ کی تبحر علمی اور اخلاق و عادات پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں: آپ کو علوم حدیث کے ساتھ فقہ، اصول فقہ، علم المیر اث، علم کلام اور فنون حکمت یعنی منطق و فلسفہ وغیرہ میں ید طولی حاصل تھا۔ اور فقہ حدیث میں ایک گونہ مجتہدانہ بصیرت رکھتے تھے۔ جیسا کہ آپ کے سیکڑوں فتاوی سے جو مختلف دینی مسائل پر مشتمل ہیں، واضح ہے۔ آپ سنت نبوی کے شیدائی تھے۔ آپ کی عبادت سنت کے مطابق ہوا کرتی تھی۔ آپ شب زندہ دار تھے۔ وضع و لباس میں سادگی، خاموش طبع، جذبہ تبلیغ سے سرشار، وعظ پر تاثیر مدلل اور سنجیدہ ہوا کرتے تھے۔ آپ کی تواضع، خاکساری، خوش طبعی و ملنساری، ضیافت و فیاضی اور خوش خلقی کو دیکھ کر ہر شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ آپ سب کے ساتھ ایک طرح کا سلوک کرتے تھے۔ اپنا کام خود کرتے تھے۔ محدث بنارس، اکتوبر ۲۰۰۹ء (ص ۳۷-۳۸)

مولانا محترم کی وفات مورخہ ۲۳ رجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۶-۱۷ر جولائی ۲۰۰۹ء بروز جمعرات و جمعہ کی درمیانی شب میں لگ بھگ ڈھائی بجے ہوئی۔ اور نماز جمعہ بعد ڈاکٹر عبد الباری فتح اللہ صاحب مدنی حفظہ اللہ استاذ حدیث جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ ریاض سعودی عرب نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور آبائی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔ اللهم اغفر له وارحمه واعف عنه وأكرم نزله ووسع مدخله.

﴿ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا إنك رؤوف رحيم﴾

☆☆☆

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتوی نویسی میں نواب صدیق حسن خاں کا مرتبہ ومقام اوران کا طریقۂ استدلال

ڈاکٹر ارشد فہیم مدنی
نائب رئیس جامعہ امام ابن تیمیہ، مدینۃ السلام، بہار (الہند)

مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس نے جب یہ اطلاع دی کہ ماہنامہ محدث ''افتاء'' کے موضوع پر ایک خصوصی شمارہ شائع کرنے جارہا ہے، تو اس علمی وتاریخی اور دستاویزی شمارہ میں اپنی حصہ داری کو باعث فخر سمجھتے ہوئے یہ چند سطور حاضر خدمت ہیں۔عنوان کی مناسبت سے نواب صاحب کی زندگی کے کچھ نقوش بھی ذکر کرنے تھے، لیکن طوالت کے خوف سے ایسا نہیں کرسکا، اور اصل موضوع کی وضاحت پر اکتفا کیا ہے۔

فتوی نویسی کی تاریخ:

فقہ وفتاوی کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ خود اسلام کی تاریخ، کیونکہ استفتاء اور افتاء کا سلسلہ رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک سے شروع ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، پھر تابعین وتبع تابعین اور پھر ائمہ مجتہدین کا دور آیا۔ ائمہ مجتہدین کے دور میں فتوی دینے والے علماء اور فقہاء دو گروہ میں منقسم ہوگئے، ایک اہل حدیث جو کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے فتوی کی بنیاد پر فتوی دینے کا اہتمام کرتے تھے۔ اور اس میں علمائے حجاز کی غالب اکثریت شامل تھی۔ دوسرا گروہ اہل الرائے کا تھا، جو نصوص شرعیہ کی تشریح عقلی معنی ومفہوم کی روشنی میں کرنے پر زور دیتا تھا۔ اور اس میں فقہائے عراق پیش پیش تھے۔ اور جب ائمہ مجتہدین کا دور ختم ہوا تو اس کے بعد اہل الرائے کے یہاں اجتہاد کے بجائے تقلید کی بنیاد پر فتوی دیئے جانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کی وجہ اسلامی خلافت کی وحدت کا شیرازہ منتشر ہوجانا اور ائمہ مجتہدین کے تابعین ومقلدین کا مختلف گروہوں، ٹولیوں اور جماعتوں میں منقسم ہوجانا بتلائی جاتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں جو خرابیاں پیدا ہوئیں، وہ کسی سے مخفی نہیں کہ ہر گروہ اور جماعت نے اپنے مسلک کے فتاوی کی تائید وحمایت اور دوسرے گروہ کے فتاوی کی ابطال وتردید میں تمام شرعی حدود وقیود کی پابندی چھوڑ دی۔ نااہلوں نے فتوی دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ اور بغض وحسد میں دوسرے گروہ کے علماء وفقہاء کو کافر ومرتد کہنے سے دریغ نہ کیا۔

مذکورہ تاریخ فتوی نویسی وافتاء پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے ہر زمانے میں فقہائے اہل الرائے کی طرح فقہائے اہل الحدیث بھی موجود تھے، جو کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے فتاوی کی روشنی میں افتاء کے فرائض نبھاتے تھے۔

برصغیر ہندوپاک میں جب اسلام پہونچا، تو ابتدائی چار صدیوں میں یہاں فقہائے اہل الرائے کا کوئی بول بالا نہ تھا،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ فقہائے اہل حدیث کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے فتاویٰ کی روشنی میں زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا حل فرماتے تھے۔ابوالقاسم مقدسی جو عرب کے رہنے والے تھے اور جو کثرتِ اسفار کے لیے بہت مشہور ہیں، وہ ۳۷۵ھ میں سلطان محمود غزنوی کی ہندوستان پر چڑھائی کرنے سے قبل ہندوستان آئے تھے،انھوں نے اس وقت ہندوستان کی جو دینی حالت اور علماء کا منہج فکر وعمل دیکھا تھا،اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ یہاں کے اکثر علماء اہلحدیث ہیں،قصبوں میں امام ابوحنیفہ کے مذہب پر قائم فقہاء بھی پائے جاتے ہیں، یہاں کسی بھی مالکی اور معتزلی کا وجود نہیں،اور نہ ہی یہاں پر حنبلی مذہب پر کوئی عمل ہوتا ہے۔یہاں کے لوگ صراط مستقیم پر قائم اور بہترین مذہب پر گامزن ہیں،ان کے اندر صلاح وتقویٰ اور عفت وپاکدامنی کا بول بالا ہے۔اللہ نے ان کی غلو،عصبیت اور فتنوں سے حفاظت فرمائی ہے۔(أحسن التقاسیم:۴۸۰)

ابتدائی چار صدیوں کے بعد ہندوستان میں علمائے اہل حدیث کی علمی قیادت کو تقلید وتعصب اور تصوف کے زور نے کچھ وقفے کے لیے کمزور کردیا،جس کی نشأۃ ثانیہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ) نے فرمائی، پھران کے بعد ان کے پوتے امام محمد اسماعیل بن عبدالغنی دہلوی ؒ (متوفی ۱۲۴۶ھ) سے گذرتی ہوئی یہ تحریک علامہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (متوفی ۱۳۰۷ھ) رحمہ اللہ اور علامہ نذیر حسین محدث بہاری ثم دہلوی (متوفی ۱۳۲۰ھ) رحمہ اللہ تک پہونچی۔

علامہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی اور علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی سے پہلے علمائے اہل حدیث نے افتاء کا کام ضرور کیا،مگر ان کی تحریریں اس باب میں نہیں ملتیں، البتہ شاہ عبدالعزیز دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ) کی ''مجموع فتاویٰ'' مطبوع ومتداول ہے۔اس میں انھوں نے وقت کے بعض اہم مسائل سے متعلق اپنی رائے کا بے لاگ اظہار کیا ہے اور انھوں نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا جو فتویٰ دیا تھا اس کے بڑے دوررس اثرات ظاہر ہوئے ، یہ فتویٰ انگریزوں کے خلاف جہاد کی تحریک کے لیے بڑا ممد ومعاون ثابت ہوا۔ بہت سے فقہی مسائل میں انھوں نے حنفی مذہب کی تقلید کے بجائے اجتہاد اور آزادیٔ فکر کی روش اختیار کی ہے۔اور ہندوستان میں فتویٰ نویسی کی تاریخ میں پہلی بار فقہ حنفی کی کتابوں پر انحصار کے بجائے براہ راست قرآن وحدیث سے استدلال اور تمام ائمہ مجتہدین کے اقوال وآراء سے استفادہ کی بنیاد ڈالی۔اس حیثیت سے ان کے فتاویٰ کا مجموعہ بڑی اہمیت کا حامل اور خصوصی توجہ کا طالب ہے۔(مقدمہ فتاویٰ مولانا شمس الحق عظیم آبادی:۳۹)

نواب صدیق حسن خان کا آغاز فتویٰ نویسی:

علامہ نواب صدیق حسن خان ؒ نے یوں تو افتاء اور فتویٰ نویسی کا آغاز تحصیل علوم وفنون سے فراغت حاصل کرنے اور خدمت وعمل کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد ہی شروع کردیا تھا، جیسا کہ ان کی تحریروں کو پڑھنے سے واضح ہوتا ہے، مگر مستقل فتویٰ نویسی اور کتاب "دلیل الطالب علی أرجح المطالب" کی تالیف کا آغاز کیسے کیا،اس کے متعلق وہ خود لکھتے ہیں کہ میں اپنی دوسری کتابوں کی تالیف میں مشغول تھا کہ کچھ لوگوں نے آکر مجھے بتایا کہ تقلید وتعصب اور تصوف کے اس دور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بھی ہندوستان، سعودی عرب کے بعض شہروں اور دیگر مقامات پر ایسے لوگ موجود ہیں، جو فقہی موشگافیوں اور تعصب وتصوف پر مبنی لن ترانیوں کے مقابلہ میں کتاب وسنت سے ثابت اور صحابہ کرام کے فتاوی پر مبنی مسائل واحکام پر عمل کرنے کا حوصلہ وجذبہ رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس راہ میں ان کو مکمل رہنمائی حاصل ہو۔ ابتداءً میں اس جانب توجہ نہ کر سکا، کیونکہ مجھے حکومت بھوپال کے امور کی انجام دہی کے علاوہ بعض کتابوں کی تالیف کی مشغولیت بہت زیادہ تھی، مگر جب اس جانب سے کچھ فراغت ملی تو کتاب "دليل الطالب على أرجح المطالب" کی تالیف کی، جس میں ان مخلص لوگوں کے سوالات کے جوابات کے علاوہ اپنے سابق کچھ فتاوی اور کچھ جدید سوالات کے تحت جوابات کو جمع کر دیا۔ (تفصیل کے لیے مقدمہ ''دلیل الطالب علی أرجح المطالب'' کا مطالعہ مفید ہوگا)

فتوی نویسی میں نواب علیہ الرحمۃ کا مقام:

نواب صدیق حسن خان ؒ نے زمانۂ طالب علمی ہی سے کتابوں کے مطالعہ اور علم ومعرفت حاصل کرنے سے دوستی رکھی اور اپنی پوری زندگی اس راہ میں گزار دی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو مروجہ جملہ علوم وفنون میں مکمل مہارت وصلاحیت حاصل تھی۔ اس حقیقت کا اعتراف ان کے معاصرین ومتاخرین علماء نے کیا ہے۔

فقہ وفتاوی کے فن میں آپ کا مقام بہت اونچا ہے۔ اس باب میں آپ کو امام ومجتہد کا درجہ حاصل ہے۔ آپ چاروں فقہاء کے فقہ اور دیگر مجتہدین وفقہاء کے اقوال وآراء کے ماہر تھے۔ اس کی چھاپ فقہ وفتاوی پر موجود آپ کی جملہ تصانیف میں ملتی ہے۔ آپ کا زمانہ گرچہ تقلید وتصوف اور تعصب کا تھا، مگر آپ نے کسی متعین ومخصوص فقہی مذہب کا پابند ہو کر علمی کام کرنے کو مناسب نہ سمجھا۔ بلکہ براہ راست کتاب وسنت سے اخذ واستفادہ کیا، اور دلائل کی روشنی میں جو بات درست لگی، اپنے آپ کو اس کا پابند بنایا۔ آپ خود لکھتے ہیں کہ میں تمام مسالک کو تحقیق کی کسوٹی پر رکھتا ہوں، پھر جس کو دلیل کے اعتبار سے راجح پاتا ہوں اس کو اختیار کرتا ہوں، میرے نزدیک متعین مسلک کی پیروی درست نہیں، میں اگر کسی مسلک کو مانتا ہوں یا کسی سے اعراض کرتا ہوں تو اس کی وجہ تعصب یا خواہش نفس کی پیروی نہیں، بلکہ میرے نزدیک رد وقبول کا معیار علمی قواعد اور ٹھوس ومضبوط دلائل ہیں''۔ (ابقاء المنن :۳۱)

اس حقیقت کا اعتراف دوسرے علماء نے بھی کیا ہے، مصر کے عالم شیخ محمد قاسم نواب صاحب کی معرکۃ الآراء کتاب ''الروضۃ الندیۃ'' پر اپنا اظہار خیال کرتے ہوئے اور اس کتاب میں ان کے منہج کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:
''مصنف نے اس کتاب میں حق وانصاف کی راہ اپنائی ہے۔ (کسی بھی مسئلہ کو) راجح قرار دینے میں بے راہ روی سے مکمل اجتناب کیا ہے۔ ترجیح کی بنیاد واصول کو مہذب انداز میں پیش کیا ہے اور اس کے معانی واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ دلیلوں کو ان کا وزن دیا ہے۔ اسلاف کے مذاہب اور واقع اختلاف واتفاق کا ذکر کرنے کے بعد دلیل کی بنیاد پر راجح قول کو واضح کیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔اوراس راہ میں کسی بھی شخصیت کی پرواہ نہیں کی ہے''۔(قرۃ الأعیان:۱۲۸)

فقہ وفتاویٰ کے موضوع پر نواب صدیق حسن خانؒ کی کتابوں کی تعداد (۳۵) ہے،ان میں اردو اور فارسی میں ان کی کتابوں کی تعداد (۲۷) تک پہونچتی ہے۔فارسی میں ان کی سب سے اہم کتاب ''دلیل الطالب علی أرجح المطالب'' ہے،جو ان کے گراں قدر فتاویٰ کا ایک عظیم مجموعہ ہے۔سامعین کے علم کے لیے اس بات کا یہاں اضافہ فائدہ سے خالی نہیں کہ یہ کتاب نواب علیہ الرحمۃ کے زمانے میں بھوپال میں چھپی تھی،جو (۱۰۰۲) صفحات پر مشتمل تھی،امتدادِ زمانہ اور دوبارہ اشاعت نہ ہونے کی وجہ سے بالکل نایاب ہو چکی تھی،جناب ڈاکٹر محمد لقمان السلفی رحفظہ اللہ (مؤسس ورئیس جامعہ امام ابن تیمیہ،مدینۃ السلام،بہار) نے اس کا ایک نسخہ آج سے تقریبا بیس سال پہلے علامہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (صاحب التعلیقات السلفیۃ علی سنن النسائی) کے مکتبہ سے حاصل کیا۔اور ڈاکٹر لیث محمد لال محمد مکی رحفظہ اللہ سے عربی ترجمہ کرا کر نصف اول کو جلد اول کی شکل میں ''علامہ ابن باز اسلامک ریسرچ سنٹر'' سے ۱۴۲۲ھ میں شائع کیا،جو آٹھ سو چھتیس (۸۳۶) صفحات پر مشتمل ہے۔اس ادارہ کے اشاعتی عزم میں اس کا نصف آخر اور پھر اس کا اردو ترجمہ شائع کرنا شامل ہے۔

کتاب ''دلیل الطالب علی أرجح المطالب'' میں موجود ہر فتویٰ اپنے موضوع پر مستقل کتاب کا درجہ رکھتا ہے۔اور ہر سوال کا جواب محقق اور مکمل تشفی بخش ہے۔آپ خود لکھتے ہیں: "وهذه المجموعة وإن لم تكن فيها أسئلة كثيرة في الظاهر، لكنها في الحقيقة تجمع بين طياتها بحثا مستقلا لكل سؤال، وجوابا شافيا لكل مقال إلا ما شاء الله، وهي مبنية على تحقيق لم تره عيون السماء القديمة قط في دفاتر علماء هذا الزمان" (مقدمہ دلیل الطالب علی أرجح المطالب:۶،۷)

نواب صاحب کا طریقۂ فتویٰ نویسی اور کتاب وسنت سے استدلال:

علامہ یوسف قرضاوی نے اپنے ''مجموع فتاویٰ'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ: ''مفتی کو کبھی کسی خاص مسلک کی اندھی تقلید نہیں کرنی چاہیے،اس کا مطلب ہرگز یہ نہ سمجھا جائے کہ فقہائے کرام اور دیگر مسلک ومذہب کے علماء ان کے دل میں قابل احترام نہ ہو یا ان کی علمی حیثیت کا وہ معترف نہ ہو،ان کے مذہب کی اندھی تقلید سے گریز نہ کرنا ان کی شان میں گستاخی نہیں ہے،بلکہ خود ان کی تعلیم پر عمل کرنا ہے،کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے یہی تعلیم دی ہے کہ ہم نہ ان کی تقلید کریں اور نہ غیروں کی،بلکہ ہم ان کے مآخذ ومصادر سے استفادہ کریں،جہاں سے انھوں نے استفادہ کیا ہے،یعنی قرآن وسنت سے''۔ (فتاویٰ یوسف القرضاوی:۱۸)

اس اقتباس کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ معتدل علماء کے نزدیک ہر دور اور ہر زمانہ میں فقہائے اہل الرائے کے مقابلہ میں فقہائے اہل الحدیث کا طریقۂ افتاء اور فتویٰ نویسی محبوب ومستحسن رہا ہے۔یہی وہ چیز ہے جس کو علامہ نواب صدیق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسن خان ؒ نے اس راہ میں اختیار کیا اور اس کی پابندی کی۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ: ''افتاء وفتویٰ نویسی کا قدیم طریقہ یہ رہا ہے، جیسا کہ موجودہ زمانے کے علماء کا طریقہ ہے کہ وہ تقلیدی روش اختیار کرتے ہیں، اور کتاب وسنت سے براہ راست استدلال کرنے کے بجائے لوگوں کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ مگر میرا طریقہ ایسا نہیں ہے۔ میں براہ راست کتاب وسنت سے استدلال کرتا ہوں، جن دلائل کونقل کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، ان کو نقل کرتا ہوں۔ جن دلائل کی تردید کی ضرورت پڑتی ہے، ان کی تردید کرتا ہوں، نیز ضرورت کے بقدر فقہ کے اصول وضوابط پر روشنی ڈالتا ہوں''۔ (مقدمہ دلیل الطالب علی أرجح المطالب:۶)

نواب علیہ الرحمہ نے صراحت کی ہے کہ ان کے زمانے میں ایسے علماء ومفتیان موجود ہیں، جو فتویٰ نویسی میں مقلدانہ روش اختیار کرتے ہیں، جن کی روش اور طریقۂ کار سے وہ ہم آہنگ نہیں۔ اس بنا پر یہاں ان کے معاصر بعض مقلد علماء کے طریقۂ فتویٰ نویسی کی وضاحت ضروری ہے، تاکہ نواب علیہ الرحمۃ کا طریقۂ فتویٰ نویسی اور ان کا کتاب وسنت سے طریقۂ استدلال سمجھنے میں آسانی ہو۔

نواب علیہ الرحمہ کے زمانے میں بہت سے حنفی مکتب فکر کے علماء فتویٰ نویسی کے میدان میں مشہور تھے، سب کا ذکر طوالت سے خالی نہیں، میں یہاں صرف دو علماء: مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی (متوفی ۱۳۰۴ھ) اور مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ) اور ان دونوں کے طریقۂ فتویٰ نویسی کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی اپنے زمانے کے حنفی مکتب فکر کے بہت بڑے عالم تھے۔ مختلف علوم وفنون میں ان کی سو سے زائد کتابیں ہیں۔ ان کتابوں میں ان کی ''مجموع فتاویٰ'' بھی ہے، یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۳۱۴ھ میں لکھنؤ سے چھپی، پھر آخری مرتبہ ۱۳۷۳ھ میں ایجوکیشنل پریس، پاکستان سے۔ اس کتاب میں ان کا تقلیدی رنگ غالب ہے، البتہ بعض مسائل میں حنفی مکتب فکر سے ہٹ کر فتویٰ دیا ہے۔ شاید اسی وجہ سے احناف میں ان کی کتاب درجۂ قبولیت نہ پاسکی۔ اس کتاب کے علاوہ دیگر تصنیفات میں بھی انھوں نے حنفیوں کے خلاف روش اختیار کی ہے، ان کی اس قسم کی تحریروں کو مستقل کتاب میں مولانا ارشاد الحق اثری (پاکستان) نے جمع کیا ہے، جو ''مولانا عبدالحی لکھنوی اور مسلک احناف'' کے نام سے مشہور ومتداول ہے۔ اور مولانا رشید احمد گنگوہی کی ''فتاویٰ رشیدیہ'' احناف کے نزدیک بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ان کے اکثر علماء نے اس پر اعتماد کیا ہے، انھوں نے اپنی اس کتاب میں تقلیدی روش سے ہٹنے کی ہرگز غلطی نہیں کی ہے۔

علامہ نواب صدیق حسن خان ؒ اپنے تمام فتاویٰ میں ان اہل تقلید علماء سے ہٹ کر فقہائے اہل الحدیث کے طریقہ پر قائم رہتے ہیں، اور کسی بھی مسئلہ میں پہلے کتاب وسنت اور آثار صحابہ سے دلائل پیش کرتے ہیں، اس کے متعلق علماء وفقہاء کے اقوال ومذاہب نقل کرتے ہیں، اور ان کے مابین تقابلی مطالعہ پیش کرکے راجح بات پر اپنی بات ختم کرتے ہیں۔ اور اگر کسی مسئلہ میں کتاب وسنت اور آثار سلف سے کوئی دلیل نہیں پاتے تو کھل کر اس بات کی صراحت کردیتے ہیں کہ ان کو اس کے متعلق دلیل نہ مل سکی، جیسا کہ ان سے پوچھا گیا کہ کسی کو اپنے بھائی کی بیوی سے محبت ہوجائے اور اس سے شادی کرنے کی خاطر وہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے بھائی کا قتل کردے تو اس سے شادی جائز ہوگی یا نہیں؟ اس کے جواب میں ان کو کتاب وسنت سے دلیل نہ مل سکی تو کہا: ''اغاثۃ اللھفان'' کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس قاتل کے لیے وہ عورت حلال نہ ہوگی، البتہ دوسرے مرد کے لیے حلال ہوجائے گی۔ اور یہ صاحب کتاب کی قیاسی بات ہے، اور فقہ حنفی کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ نکاح صحیح ہوجائے گا، اگرچہ قاتل گنہگار اور مرتکب کبیرہ ہوگیا۔ احناف کے اس جواب کے متعلق بھی مجھے صحیح احادیث کی واقفیت حاصل نہ ہوسکی''۔ (دلیل الطالب علی أرجح المطالب: ۷۵۳)

علامہ نواب صدیق حسن خان ؒ نے اپنے فتاوی میں احادیث صحیحہ سے استدلال کرنے کا بڑا اہتمام کیا ہے، اور کوشش کی ہے کہ ضعاف وموضوعات سے پرہیز کیا جائے، پھر بھی بعض مقامات پر ضعیف حدیثیں آگئی ہیں، مگر بہت کم ہیں۔ جیسا کہ کتاب ''دلیل الطالب علی أرجح المطالب'' (عربی نسخہ) کے صفحہ (۵۵) پر صحابہ کرام کا اپنے سابق قول ورائے سے رجوع پر استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے ایک دن اپنے خطبہ میں کہا کہ لوگو! عورتوں کے مہروں میں غلو سے کام نہ لو، اس پر ایک عورت نے کہا: اے عمر! بات ایسی نہیں ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں، بلکہ قرآن کریم میں ہے: ﴿وآتيتم إحداهن قنطارا ...... الآية ٢٠ من سورة النساء﴾ (مصنف عبدالرزاق: ۱۸۰/۶)

یہ قصہ ضعیف ہے۔ علامہ البانی نے اس کو ضعیف، بلکہ منکر المتن کہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: (ارواء الغلیل: ۳۴۸/۶)

اسی طرح محبوب کا محبت کرنے والے کے لیے اپنے حزن وملال کے اظہار کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ ابن ماجہ میں موسی بن عبید عن سعید المقبری عن أدرع السلمی کے طرق سے مروی ہے کہ مدینہ میں ایک ایسے آدمی کا انتقال ہوگیا جو بڑی اچھی قرأت کیا کرتا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے ان کی نعش اٹھائی تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "ارفقوا به رفق الله به، إنه كان يحب الله ورسوله، قال: وحفر حفرته فقال: اسعوا له وسع الله عليه، فقال بعض أصحابه: يا رسول الله حزنت عليه؟ فقال: أجل! إنه كان يحب الله ورسوله". (ابن ماجہ فی الجنائز: ۴۹۷/۱) (دلیل الطالب علی أرجح المطالب: ۷۱)

اس حدیث کو بھی علامہ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے، دیکھیں: (ضعیف سنن ابن ماجہ: ۱۱۸)

اس طرح کی بعض دیگر روایتیں بھی آگئی ہیں، مگر جیسا کہ میں نے کہا: ایسا بہت کم ہے۔ مگر علامہ ابن باز اسلامک ریسرچ سنٹر (جامعہ امام ابن تیمیہ، مدینۃ السلام، بہار) سے نواب صاحب کی کتاب "دليل الطالب على أرجح المطالب" کا جو عربی ترجمہ شائع ہوا ہے، اس کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ مترجم ڈاکٹر لیث محمد لال محمد مکی حفظہ اللہ نے تمام احادیث واحادیث اور آثار کی تخریج کردی ہے، اور ان احادیث کے متعلق علامہ البانی وغیرہ کا حکم بھی بیان کردیا ہے۔ اس طور سے جامعہ امام ابن تیمیہ کی جانب سے شائع شدہ نسخہ کے مطالعہ کے وقت قاری بآسانی اس میں مندرج احادیث وآثار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے درجہ کو سمجھ سکتا ہے۔

علمائے اہل الحدیث اور مفتیان کے فتاووں میں ''فتاوی نذیریہ'' اور ''فتاوی ثنائیہ'' بے حد مشہور و متداول ہیں۔ اور بعد کے علماء ان دونوں مجموعوں پر مکمل اعتماد کرتے ہیں اور روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کے حل میں ان دونوں مجموعوں سے خوب اخذ و استفادہ کرتے ہیں، مگر واضح رہے کہ ان دونوں مجموعوں کے اندر بھی بہت سی نا قابل حجت اور ضعیف روایات موجود ہیں، تحقیق کے اس دور میں ان دونوں مجموعوں کو تحقیق روایات کے ساتھ شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ نیز ان سے اخذ و استفادہ کے وقت احادیث و آثار کے درجات کو بھی معلوم کر لینا ضروری ہے۔

ہماری مذکورہ تصریحات سے یہ واضح ہے کہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کا طریقہ فتوی نویسی اور کتاب وسنت سے استدلال محدثانہ و مجتہدانہ ہے۔ اور کسی بھی مسئلہ میں ان کا جو جواب ہے، وہ لائق اعتناء اور قابل اخذ و استفادہ ہے۔ لہذا دیگر کتب فتاوی سے اخذ و استفادہ کرتے وقت نواب صاحب کی کتاب ''دلیل الطالب علی أرجح المطالب'' اور دیگر کتابیں بھی مفتیان کرام کے پیش نظر ہونی چاہیے۔ اللہ تعالی نواب رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائے اور اعلی علیین میں جگہ مرحمت کرے، آمین۔

وصلى الله على خير خلقه محمد وآله وصحبه أجمعين. ☆☆

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے شعبۂ افتاء سے
فتوی طلب کرنے والوں سے ضروری گزارش

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس کے شعبۂ افتاء سے بذریعہ پوسٹ یا ای میل فتوی طلب کرنے والے مستفتی حضرات سے بصد احترام گزارش ہے کہ وہ استفتاء کے ساتھ اپنا مکمل پوسٹل ایڈریس اور اپنا آئی ڈی پروف کا زراکس (فوٹو کاپی) ضرور ارسال کریں نیز فون/موبائل نمبر بھی لکھیں، اگر سوال کسی سوسائٹی، ادارہ یا تنظیم سے متعلق ہے تو اس کی تفصیل بھی ضرور درج کریں۔

موجودہ حالات کے پیش نظر اس کی پابندی ضروری ہے۔

مستفتیان سے گزارش ہے کہ ضرور اس کا خیال کریں۔ ہم آپ کے مشکور ہوں گے۔

والسلام

شعبۂ افتاء، جامعہ سلفیہ بنارس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام میں افتاء کی اہمیت

مولانا محمد خالد سیف ر پاکستان

فتوی کا لغوی معنی:

اسلام میں افتاء کی اہمیت پر روشنی ڈالنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ افتاء کے لغوی و شرعی معنی بیان کر دیے جائیں: اَلْفَتَاوِیٰ یا اَلْفَتَاوِیٰ کا واحد فَتْوٰی ہے۔ اس کا واحد فُتْوٰی اور فُتْیَا بھی آتا ہے۔ فتوی سے مراد مَا أَفْتٰی بِهِ الْفَقِیْهُ یعنی فتوی وہ ہے جو کسی فقیہ کی جانب سے دیا جائے۔ گویا یہ أَفْتَی الْعَالِمُ إِذَا بَیَّنَ الْحُکْمَ ''عالم نے فتوی دیا یا حکم بیان کیا'' سے اسم مشتق (۱) ہے۔ یہ خالص عربی لفظ ہے جو بعض علماء لغت کے نزدیک اَلْفُتُوَّةُ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں کرم، سخاوت، مروت اور زور آوری۔ فتوی کو بھی فتوی اسی لیے کہتے ہیں کہ فتوی دینے والا مفتی اپنی فتوت یعنی سخاوت و مروت اور عالمانہ قوت سے کام لیتے ہوئے کسی دینی مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے۔ (۲) علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ:

"اَلْفُتْیَا وَ الْفَتْوٰی: اَلْجَوَابُ عَمَّا یُشْکَلُ مِنَ الْأَحْکَامِ وَیُقَالُ اسْتَفْتَیْتُ فَأَفْتَاكَ".

''فتوی اور فتیا مشکل احکام کے بارے میں دیئے جانے والے جواب کو کہتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ میں نے اس سے فتوی دریافت کیا تو اس نے مجھے فتوی دیا''۔ (۳)

ابن الاثیر نے اس کے معنی کسی مسئلے کے بارے میں رخصت یا جواز پیش کرنے کے بتائے ہیں۔ (۴)

بعض کے نزدیک فتوی دراصل الفتی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں اَلثَّابِتُ الْقَوِيُّ چونکہ کسی حادثہ یا واقعہ کے جواب میں پیش کیے جانے والے دینی مسائل کو مفتی اپنے دلائل سے قوت اور ثبوت مہیا کرتا ہے۔ اس لیے فتوی گویا اپنے دلائل سے قوت اور ثبوت مہیا کرتا ہے، اس لیے فتوی گویا مدلل ثبوت والا جواب ہوا۔

قرآن مجید میں بھی اس لفظ کے بہت سے مشتقات استعمال ہوئے ہیں۔ مثلا ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ویستفتونك في النساء قل الله یفتیکم فیهن﴾ (النساء:۱۲۷)

''(اے پیغمبر) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتوی طلب کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتوی دیتا ہے''۔

(۱) لسان العرب و تاج العروس، مادہ الفتی۔

(۲) کشف الظنون ص ۱۲۱۸۔

(۳) کشف الظنون ص: ۱۲۱۸، دستور العلماء: ۳۰/۱۳، کتاب التعریفات ص: ۱۷۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿يستفتونك قل الله يفتيكم في الكلالة﴾ (النساء:۱۷۶)
”(اے پیغمبر) لوگ تم سے فتوی طلب کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تمھیں کلالہ کے بارے میں یہ فتوی دیتا ہے“۔
﴿أفتوني في رؤياي﴾ (یوسف:۴۳)
”تم مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ“۔
﴿فاستفتهم أهم أشد خلقا أم من خلقنا﴾ (الصافات:۱۱)
”ان سے پوچھو کہ ان کا بنانا مشکل ہے یا جتنی مخلوق ہم نے بنائی ہے ان کا؟“

یہ چند آیات کریمہ بطور مثال ذکر کی ہیں، ان کے علاوہ اس لفظ کے اور بھی بہت سے مشتقات قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔(۱)

اسی طرح بہت سی احادیث میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ایک مشہور حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:

"الإثم ما حاك في صدرك وإن أفتاك الناس وأفتوك".
”گناہ وہ ہے جو تمھارے سینے میں کھٹکے خواہ لوگ تمھیں اس کے جواز کا فتوی دیں“۔(۲)

صحیح مسلم کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:

"الإثم ما حاك في نفسك وكرهت أن يطلع عليه الناس".
”گناہ وہ ہے جو تمھارے جی میں کھٹکے اور تم اس بات کو ناپسند کرو کہ لوگوں کو اس کی اطلاع ہو“۔(۳)

مسند احمد کی ایک روایت میں الفاظ اس طرح آئے ہیں کہ:

"الإثم ما حاك في القلب وتردد في الصدر وإن أفتاك الناس وأفتوك".
”گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور سینے میں اس کے بارے میں تردد پیدا ہو، خواہ لوگ تمھیں اس کے جواز اور رخصت کا فتوی دیں“۔

فتوی کا شرعی معنی:

علماء فقہ واصول کے اقوال کے مطابق فتوی کے شرعی معنی ادلہ شرعیہ کے تقاضے کے مطابق اللہ تعالی کے حکم کو بیان کرنا ہے، چنانچہ علامہ شاطبی ؒ فرماتے ہیں کہ:

"المفتي قائم في الأمة مقام النبي ﷺ، لأن العلماء ورثة الأنبياء، وإن الأنبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما، وإنما ورثوا العلم".

(۱) المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم، ص:۵۱۲۔ (۲) مسند احمد۔
(۳) صحیح مسلم، مع شرح النووی، تفسیر البر والاثم ج:۱۶، ص:۱۱۱، دار الکتاب العربی بیروت:۱۹۸۷ء۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

’’مفتی امت میں نبی ﷺ کے قائم مقام ہے، کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام نے انھیں دینار یا درہم کا وارث نہیں بنایا بلکہ علم کا وارث بنایا ہے‘‘۔(۱)

مفتی تبلیغ احکام میں بھی نبی اکرم ﷺ کا نائب ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے:

"ألا ليبلغ الشاهد منكم الغائب".

’’تم میں سے جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں تک بھی یہ احکام پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں‘‘۔(۲)

"بلغوا عني ولو آية".

’’میری طرف سے آگے پہنچاؤ خواہ وہ ایک آیت ہی ہو‘‘۔(۳)

"تسمعون ويسمع منكم ويسمع ممن يسمع منكم".

’’تم میری احادیث کو سنتے ہو، تم سے بھی انھیں سنا جائے گا اور ان سے بھی جنھوں نے تم سے سنا ہوگا‘‘۔(۴)

یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ مفتی گویا رسول اللہ ﷺ کا نائب اور قائم مقام کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔

افتاء نویسی کی اہمیت:

امام نووی ؒ فرماتے ہیں کہ ’’افتاء ایک عظیم الشان، جلیل القدر اور بہت ہی شرف و فضل کا حامل عمل ہے، کیوں کہ مفتی درحقیقت وارث انبیاء ہے اور فرض کفایہ کو سرانجام دیتا ہے لیکن یہ الگ بات ہے کہ اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے‘‘۔(۵)

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ ’’فاسق مفتی نہیں بن سکتا کیوں کہ فتوی امور دین میں سے ہے اور امور دین کے بارے میں فاسق کا قول نا قابل قبول ہے‘‘۔(۶) اسی طرح علامہ قرافی نے بھی لکھا ہے کہ امام مالک ؒ فرماتے ہیں کہ ’’کسی عالم کو اس وقت تک فتوی نہیں دینا چاہیے جب تک لوگ اسے اور وہ خود بھی اپنے آپ کو فتوی کا اہل نہ سمجھے‘‘۔ امام مالک ؒ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کی علماء کے نزدیک اہمیت ظاہر اور ثابت نہ ہو وہ منصب افتاء کا اپنے آپ کو اہل نہ سمجھے۔ چنانچہ مختلف مکاتب فکر کی کتب فقہ میں اس مفہوم کی بہت سی عبارتیں موجود ہیں اور ان سے مقصود یہ ہے کہ لوگ فتوی دینے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔ سلف صالح بھی اس سلسلے میں بے حد محتاط تھے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۱) الموافقات ج۴، ص۲۴۴۔ (۲) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب: ۹، حدیث: ۶۷، ص: ۱۹، مکتبہ دار السلام۔

(۳) صحیح البخاری، مسند احمد، سنن ترمذی۔ (۴) احمد، ابوداؤد، حاکم بروایت ابن عباس۔

(۵) المجموع شرح المھذب ج۱، ص: ۴۰، طبع ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ: ۱۳۴۴ھ۔

(۶) رد المختار حاشیۃ الدر المختار ج: ۴، ص: ۴۱۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''سلف صالح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ فتوی میں جلد بازی کو ناپسند فرماتے تھے۔ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہوتی تھی کاش اس کے بجائے کوئی دوسرا شخص فتوی دے دے،لیکن ان میں سے جب کوئی یہ محسوس فرماتا کہ اب اس کے لیے فتوی دینا فرض ہے تو وہ کتاب وسنت یا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے قول کی روشنی میں اس کے حکم کو معلوم کرنے کے لیے پورے پورے اجتہاد سے کام لے کر فتوی دیتا''۔(۱)

حضرت عبداللہ بن مبارک نے عبدالرحمن بن ابی یعلی کا یہ قول بیان فرمایا ہے کہ:

''میں نے مسجد نبوی میں ایک سو بیس حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دیدار کا شرف حاصل کیا اور دیکھا کہ ان کے احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی تھی کاش اس کے بجائے اس کا کوئی دوسرا بھائی حدیث بیان کرے اور ان میں سے جو مفتی ہوتا تو اس کی یہ خواہش ہوتی کہ کاش اس کا کوئی دوسرا بھائی افتاء کے فرض سے عہدہ برآ ہو''۔(۲)

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ نے بھی عبدالرحمن بن ابی یعلی کا یہ قول بیان فرمایا ہے۔اس سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ سلف صالح فتوی دینے میں کس قدر محتاط تھے لیکن اس پر بھی تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ طلبہ کو تعلیم دینا اور استفتاء کرنے والوں کو فتوی دینا فرض کفایہ ہے۔اور اگر کسی مسئلہ یا واقعہ کے پیش آنے کے وقت صرف ایک ہی ایسا شخص ہو جو اس کا جواب دے سکتا ہو تو پھر اس کے لیے جواب دینا فرض عین ہے۔اور اگر وہاں اس کے علاوہ کوئی اور شخص بھی اس کا اہل ہو تو پھر یہ دونوں کے لیے فرض کفایہ ہوگا''۔(۳)

نبی ﷺ بحیثیت مفتی اعظم:

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تبلیغ وافتاء کے منصب پر جنھیں سب سے پہلے فائز ہونے کا شرف حاصل ہے، وہ خود سید المرسلین، امام المتقین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔آپ وحی الہی کی روشنی میں فتوی دیا کرتے تھے اور اللہ احکم الحاکمین کے اس ارشاد پر عمل پیرا تھے کہ:

﴿قل ما أسألكم عليه من أجر وما أنا من المتكلفين﴾ (ص:۸۶)

''(اے پیغمبر) کہہ دو کہ میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والا ہوں''۔

آپ کے فتاوی جامع احکام اور فصل خطاب پر مشتمل تھے اور وجوب اتباع میں ثانی کتاب تھے کہ کسی مسلمان کے لیے ان سے روگردانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

(۱) الفروق ج۲ص۱۱۰۔

(۲) اعلام الموقعین ج:۱،ص:۶۳،مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ۔

(۳) فقہاء کرام کے اقوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: المجموع شرح المہذب ج:۱،ص:۴۵، البحر الرائق ج:۶،ص:۲۶۰، الفروق ج:۴،ص:۸۹، منتہی الارادات ج:۴،ص:۲۵۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿فإن تنازعتم في شيء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تأويلا﴾ (النساء:۵۹)

''اور اگر کسی بات میں تمھارا اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام (نتیجہ) بھی اچھا ہے''۔

اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو جہاں تمام تنازعات اور معاملات میں اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے حکم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں یہ ادب بھی سکھایا ہے کہ وہ بے فائدہ سوال پوچھنے سے اجتناب کریں اور ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کریں کہ اگر ان کی حقیقتیں واضح کردی جائیں تو بری لگیں، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يا أيها الذين آمنوا لا تسألوا عن أشياء إن تبد لكم تسؤكم وإن تسألوا عنها حين ينزل القرآن تبد لكم عفا الله عنها والله غفور حليم﴾ (المائدة:۱۰۱)

''(مومنو! ایسی چیزوں کے متعلق مت سوال کرو کہ اگر (ان کی حقیقتیں) تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمھیں بری لگیں اور اگر قرآن کے نازل ہونے کے ایام میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر بھی کردی جائیں گی (اب تک) اللہ نے ایسی باتوں (کے پوچھنے) سے درگزر فرمایا ہے اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے''۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

"ذروني ما تركتكم فإنما أهلك من كان قبلكم كثرة سؤالهم واختلافهم على أنبيائهم".

''جب تک میں تمھیں چھوڑے رکھوں تم بھی مجھے چھوڑ دو کہ تم سے پہلے لوگوں کو سوالات کی کثرت اور انبیاء کرام سے اختلاف نے تباہ و برباد کردیا تھا''۔(۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إن الله تعالى فرض فرائض فلا تضيعوها وحَدّ حدودا فلا تعتدوها، وحرم أشياء فلا تنتهكوها، وسكت عن أشياء رحمة بكم غير نسيان فلا تسألوا عنها".

''بے شک اللہ تعالی نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں، تم انھیں ضائع نہ کرو۔ کچھ حدود مقرر فرمائے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ کچھ اشیاء کو حرام قرار دیا ہے ان کی خلاف ورزی نہ کرو اور کچھ اشیاء سے اس نے سکوت فرمایا ہے اور یہ بھولنے کی وجہ سے نہیں بلکہ تم پر رحمت کے پیش نظر ہے، لہذا ان کے بارے میں سوال نہ کرو''۔(۲)

ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ:

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل ج:۲،ص:۳۱۳۔

(۲) رزین بحوالہ جمع الفوائد ج:۱،ص:۴۱، حدیث:۶۰۷، المکتبۃ الاسلامیۃ، سمندری۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"أعظم المسلمين جرما من سأل عن شيء لم يحرم فحرم من أجل مسألته".
"مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے اسے حرام قرار دے دیا گیا"۔(۱)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے ان ارشادات پر سختی سے عمل کیا اور انھوں نے نبی کریم ﷺ سے صرف وہی سوالات پوچھے جو ناگزیر تھے اور جن کے پوچھنے کی انھیں واقعی ضرورت تھی۔ چنانچہ قرآن و سنت کے صفحات شاہد ہیں کہ انھوں نے سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اصحاب کی طرح نہ تو بے معنی سوالات پوچھے اور نہ کسی کٹ حجتی سے کام لیا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دل کے انتہائی پاکباز تھے، علم کے اعتبار سے بے حد گہرے، تکلف میں سب سے کم، بیان کے اعتبار سے سب سے حسین، ایمان میں سب سے پکے، عبادات کے سب سے سچے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تقرب الٰہی کے سب سے اونچے مقام پر فائز تھے۔ یہی لشکر ایمان، عسکر قرآن اور عباد الرحمٰن تھے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کے بعد افتاء کے بلند منصب پر فائز ہوئے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور افتاء:

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض سے تو کثرت سے فتاوی منقول ہیں اور بعض کے فتاوی کی تعداد انتہائی قلیل ہے جب کہ ان میں سے بعض کے فتاوی کی تعداد کثرت وقلت کے درمیان ہے، بہر حال ان صحابہ کرام کی تعداد ایک سو تیس سے کچھ زیادہ ہے جن کے فتاوی محفوظ ہیں۔ جن حضرات سے بکثرت فتاوی منقول ہیں، ان میں حضرت عمر فاروق، حضرت علی مرتضی، عبد اللہ بن مسعود، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

امام ابن حزم ؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے فتاوی کو اگر جمع کیا جائے تو ان سے ایک بہت ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ایک بہت بڑے امام ومحدث ابو بکر محمد بن موسی بن یعقوب نے امیر المؤمنین مامون کے لیے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے فتاوی کو مرتب کیا تو وہ بیس کتابوں پر مشتمل تھے۔ امام ابو محمد بن حزم اور حافظ ابن قیم ؒ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باقاعدہ فہرست مرتب فرمائی ہے جو منصب افتاء پر فائز تھے نیز انھوں نے یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ فتوی نویسی میں کثرت، قلت یا توسط کے کس درجہ پر فائز تھے(۲)، بلکہ امام ابن حزم نے تو ان تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین رحمہم اللہ کی ایک مفصل فہرست بھی مرتب فرما دی ہے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ،

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل ج:۱،ص:۱۷۹۔
(۲) جوامع السیرۃ، امام ابن حزم ص:۳۱۹-۳۳۵، ادارہ احیاء السنہ گرجاکھ ضلع گوجرانوالہ، اعلام الموقعین، امام ابن قیم ج:۱، ص:۳۹-۴۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بصرہ، کوفہ، شام، مصر اور دیگر علاقوں میں منصب افتاء پر فائز تھے۔(۱)

فتوی کون دے سکتا ہے؟

دین کا معاملہ چونکہ بے حد اہمیت کا حامل ہے، اس لیے اللہ تعالی نے علم کے بغیر دین کے بارے میں بات کہنے کو حرام قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قل إنما حرم ربي الفواحش ما ظهر منها وما بطن والإثم والبغي بغير الحق وأن تشركوا بالله ما لم ينزل به سلطانا وأن تقولوا على الله ما لا تعلمون﴾ (الأعراف:۳۳)

''کہہ دو کہ میرے رب نے تو بے حیائی کی باتوں کو، ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمھیں کچھ علم نہیں''۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے محرمات کو چار مراتب میں تقسیم فرمایا ہے اور ان میں سے سب سے پہلے کم درجہ کی محرمات کا ذکر فرمایا ہے اور وہ ہیں ظاہر و پوشیدہ بے حیائی کی باتیں، اور ان کے بعد انھیں ذکر کیا ہے جن کی حرمت ان سے شدید ہے، اور وہ ہیں گناہ اور ناحق زیادتی کرنا اور پھر اسے ذکر کیا ہے جس کی حرمت ان سے بھی شدید ہے، اور وہ ہے اللہ تعالی کی ذات گرامی کے ساتھ شرک کرنا اور آخر میں اسے ذکر کیا ہے جس کی حرمت ان سب سے شدید تھی اور وہ ہے اللہ تعالی کے بارے میں علم کے بغیر بات کہنا خواہ یہ بات اللہ تعالی کے اسماء، صفات اور افعال کے بارے میں کہی جائے یا اس کے دین و شریعت کے بارے میں، اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ولا تقولوا لما تصف ألسنتكم الكذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا على الله الكذب إن الذين يفترون على الله الكذب لا يفلحون، متاع قليل ولهم عذاب أليم﴾ (النحل:۱۱۶-۱۱۷)

''اور یونہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آجائے مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں ان کا بھلا نہیں ہوگا (جھوٹ کا) فائدہ تو تھوڑا سا ہے مگر (اس کے بدلے) ان کو عذاب الیم (بہت) ہوگا''۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کے اسماء وصفات اور افعال و احکام کے بارے میں علم کے بغیر بات کرنا حرام ہے۔ مفتی چونکہ اللہ تعالی یا اس کے دین کے بارے میں بات بتاتا ہے لہذا اگر اس کی بات شریعت کے مطابق نہ ہو تو گویا اس نے اللہ تعالی کے بارے میں علم کے بغیر بات کی ہے۔

ہاں البتہ اگر اس نے اجتہاد سے کام لیا ہو اور حق بات معلوم کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا ہو اور اس کے

(۱) ملاحظہ فرمایئے: الرسالۃ الثالثۃ، أصحاب الفتیا من الصحابۃ ومن بعدھم علی مراتبھم فی کثرۃ الفتیا، یہ رسالہ جوامع السیرۃ میں (۳۱۹-۳۳۵) شامل ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باوجود اس سے غلطی ہوگئی ہو تو پھر وہ اس وعید کا مصداق نہیں ہوگا، اس کی خطا معاف ہوگی بلکہ اجتہاد کرنے کی وجہ سے اسے اجر وثواب بھی ملے گا لیکن اسے یہ احتیاط ضرور کرنی چاہیے کہ جو بات وہ اپنے اجتہاد کی بنیاد پر کہہ رہا ہو اور اس کے بارے میں اسے کتاب وسنت سے کوئی نص نہ ملا ہو تو اس کے بارے میں اس طرح کے الفاظ استعمال نہ کرے کہ:

☆ اللہ نے یہ حلال قرار دیا ہے۔

☆ اللہ تعالی نے یہ حرام قرار دیا ہے۔

☆ اللہ تعالی نے یہ واجب قرار دیا ہے۔

☆ اللہ تعالی نے یہ مباح قرار دیا ہے۔

☆ اللہ تعالی کا حکم یہ ہے۔

اس مسئلہ میں ائمہ سلف کس قدر محتاط تھے، اس کا اندازہ اس بات سے فرمائیے کہ امام مالک رحمہ اللہ جب کوئی مسئلہ اپنے اجتہاد اور رائے کی بنیاد پر بیان کرتے تو ساتھ ہی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمادیا کرتے تھے کہ:

﴿إن نظن إلا ظنا وما نحن بمستيقنين﴾ (الجاثیۃ:۳۲)

''ہم اس کو محض ظنی خیال کرتے ہیں اور ہمیں یقین نہیں ہے''۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص اپنے آپ کو منصب افتاء پر فائز کرے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ وجوہ قرآن، اسانید صحیحہ اور سنن کا عالم ہو'' آپ سے مروی ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ ''فتوی دینا صرف اس آدمی کے لیے جائز ہے، جو کتاب وسنت کا عالم ہو''۔

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے کہ ''اللہ تعالی کے دین کے بارے میں کسی شخص کے لیے اس وقت تک فتوی دینا حلال نہیں ہے جب تک وہ کتاب اللہ اور اس کے ناسخ ومنسوخ، محکم ومتشابہ، تاویل وتنزیل، مکی ومدنی سورتوں اور ان کے معانی ومطالب سے آگاہ نہ ہو۔ حدیث رسول اللہ ﷺ، اس کے ناسخ ومنسوخ اور قرآن مجید ہی کی طرح حدیث سے متعلق دیگر امور سے آگاہ نہ ہو۔ اسے لغت وشعر کا بھی اس قدر علم ہو جو قرآن وسنت کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے، مختلف علاقوں کے اہل علم کے اختلاف کا بھی اسے علم ہو نیز اسے طبعی ملکہ بھی حاصل ہو، اگر اس میں یہ باتیں موجود ہوں تو وہ حلال وحرام کے بارے میں فتوی دے سکتا ہے اور اگر یہ موجود نہ ہوں تو اسے فتوی نہیں دینا چاہیے''۔(۱)

بہرحال اللہ تعالی کے دین کے بارے میں ایسی رائے کی بنیاد پر فتوی دینا حرام ہے جو کتاب وسنت کے نصوص کی مخالفت پر مبنی ہو یا نصوص نے جس رائے کو قبول کرنے کی شہادت نہ دی ہو، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فإن لم يستجيبوا لك فاعلم أنما يتبعون أهواء هم ومن أضل ممن اتبع هواه بغير هدى

(۱) اعلام الموقعین ج:۱ص:۷۸-۸۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

من الله إن الله لا يهدي القوم الظالمين﴾ (القصص:۵۰)

''پھر اگر یہ تمھاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

حضرت داؤد علیہ السلام سے مخاطب ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يا داؤد إنا جعلناك خليفة في الأرض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله إن الذين يضلون عن سبيل الله لهم عذاب شديد بما نسوا يوم الحساب﴾ (ص:۲۶)

''اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمھیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کے رستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب (تیار) ہے اس لیے کہ انھوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا''۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے بھی ارشاد فرمایا کہ:

﴿ثم جعلناك على شريعة من الأمر فاتبعها ولا تتبع أهواء الذين لا يعلمون، إنهم لن يغنوا عنك من الله شيئا وإن الظالمين بعضهم أولياء بعض والله ولي المتقين﴾ (الجاثیۃ:۱۸-۱۹)

''پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے رستے پر (قائم) کر دیا تو اسی (رستے) پر چلے چلو اور نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا، یہ اللہ کے سامنے تمھارے کسی کام نہیں آئیں گے اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ پرہیزگاروں کا دوست ہے''۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی علم کے بغیر فتویٰ دینے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ مسلم بن یسار سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"من قال عليّ ما لم أقل فليتبوأ بيتا في جهنم ومن أفتى بغير علم كان إثمه على من أفتاه".

''جس نے میری طرف کوئی بات منسوب کی جو میں نے کہی نہ ہو تو وہ اپنا گھر جہنم میں بنا لے اور جس شخص کو علم کے بغیر کوئی فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے کو ہوگا''۔(۱)

کتاب وسنت کے ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ صرف اس شخص کو دینا چاہیے جس میں مکمل اہلیت ہو۔ مکمل اہلیت سے کیا مراد ہے، اس کے بارے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کے اقوال مختلف ہیں (۲)۔ فقہ حنفی کے مطابق جو واقعہ ابھی تک

(۱) سنن ابی داؤد مع شرح عون المعبود ج:۱۰ص:۶۵، دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

(۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: البحر الرائق لابن نجیم ج:۶ ص:۲۸۹، مواہب الجلیل مع التاج والاکلیل ج:۶ ص:۹۴-۹۵، المجموع للنووی ج:۱ ص:۴۲، روضۃ الناظر ج:۲ ص:۴۴۱، اعلام الموقعین ج:۱ ص:۳۷-۳۸، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش ہی نہ آیا ہو اس کے بارے میں فتوی دینا واجب نہیں ہے۔فتوی میں تساہل کا ثبوت دینا یا اپنی خواہش نفس کی پیروی کرنا حرام ہے۔فتوی صرف اسی شخص کو دینا چاہیے جو علماء کے اقوال کو جانتا ہو اور اسے معلوم ہو کہ علماء کے ان اقوال کا مصدر و ماخذ کیا ہے،اگر کسی مسئلہ میں اقوال مختلف ہوں تو اسے اس قول کی دلیل بھی معلوم کرنی چاہیے جسے اس نے اختیار کیا ہو۔الغرض ہر اس بالغ عاقل مسلمان کے لیے فتوی دینا جائز ہے جو روایات کا حافظ، درایات سے واقف، طاعات کا محافظ اور شہوات وشبہات سے مجتنب ہو،خواہ مرد ہو یا عورت اور خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان (۱)۔اس مسئلہ میں فقہاء مالکیہ،شافعیہ اور حنابلہ کے ارشادات بھی قریبا قریبا اسی کے ہم معنی ہیں (۲)۔حافظ ابن قیم نے آداب فتوی و مفتی و مستفتی پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔(۳)

مفتی کا اپنے فتوی سے رجوع:

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اگر مفتی نے کوئی فتوی دیا ہو اور پھر وہ اپنے فتوی سے رجوع کرے اور مستفتی کو بھی اس کے رجوع کے بارے میں علم ہو جائے اور ابھی تک اس نے اس کے فتوی پر عمل نہ کیا ہو تو اس کے لیے ایک قول کے مطابق اس کے اس پہلے فتوی پر عمل کرنا حرام ہے جب کہ دوسرا قول یہ ہے کہ محض مفتی کے رجوع کی وجہ سے اس کے پہلے فتوی پر عمل کرنا حرام نہیں ہوگا بلکہ اسے چاہیے کہ اس کے متعلق کسی اور مفتی سے بھی فتوی طلب کرے اور اگر دوسرے مفتی کا فتوی اس کے پہلے فتوی کے مطابق ہو تو اس پر عمل کرے اور اگر وہ اس کے دوسرے فتوی کے مطابق فتوی دے اور کسی اور نے بھی اس کے اس دوسرے فتوی کے خلاف فتوی نہ دیا ہو تو پھر پہلے فتوی پر عمل کرنا حرام ہوگا اور اگر کسی شہر میں مفتی ہی ایک ہو تو پھر اس سے یہ پوچھ لے کہ اس نے اپنے پہلے فتوی سے رجوع کیوں کیا ہے؟ اگر اس کے رجوع کا سبب یہ ہو کہ اس نے اس مسئلہ میں کسی دوسرے قول کو اختیار کر لیا ہے جب کہ پہلا قول بھی درست ہے تو اس صورت میں پہلے فتوی پر عمل کرنا حرام نہ ہوگا اور اگر اس کے رجوع کا سبب یہ ہو کہ اس کا پہلا فتوی صحیح نہیں تھا اور اس میں اس سے غلطی ہوگئی ہے تو پھر اس کے مطابق عمل کرنا حرام ہے بشرطیکہ اس کے رجوع کا سبب یہ ہے کہ اس کا پہلا فتوی شرعی دلیل کے خلاف ہو اور اگر اس کا رجوع محض اس وجہ سے ہو کہ وہ اس کے مذہب کے خلاف ہے تو پھر مستفتی کے لیے اس کے مطابق عمل کرنا حرام نہیں ہوگا۔(۴)

کیا مستفتی کو بتانا ضروری ہے؟

اگر مفتی اپنے فتوی سے رجوع کر لے یا اس کے اجتہاد میں کوئی تبدیلی رونما ہو جائے تو کیا اس کے لیے یہ لازم ہے کہ

(۱) الفتاوی الھندیہ ج:۳،ص:۳۰۹-۳۱۰،البحر الرائق لابن نجیم ج:۶ص:۲۹۱۔
(۲) ملاحظہ فرمائیے: التاج والاکلیل مع مواہب الجلیل ج:۶،ص:۹۱،المجموع للنووی ج:ص:۴۵،کشاف القناع للبھوتی الحنبلی ج:۶ص:۲۴۲۔
(۳) اعلام الموقعین ج:۴ص:۱۹۹-۳۳۰،مکتبہ ابن تیمیہ،القاہرہ۔
(۴) اعلام الموقعین ج:۴،ص:۱۹۹-۳۳۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ مستفتی کو بھی اس کے بارہ میں مطلع کرے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر مفتی کو یہ معلوم ہو کہ فتوی دینے میں اس سے غلطی ہوگئی ہے اور اس کا فتوی کتاب وسنت کے کسی نص کے خلاف ہے جس کے مقابلہ میں کوئی اور نص موجود نہیں ہے یا اس کا فتوی اجماع امت کے خلاف ہے تو اس صورت میں اسے چاہیے کہ وہ مستفتی کو مطلع کرے اور اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اس کا فتوی صرف اس کے اپنے فقہی مذہب یا اپنے امام کے قول کے خلاف ہے تو اس صورت میں مستفتی کو مطلع کرنا واجب نہیں ہے۔(۱)

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا کہ مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ افتاء کی شرائط کو پورا کرتا ہو اور فتوی دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوتا کہ وہ اس حدیث کا مصداق نہ ہو جسے علامہ خطیب بغدادی ؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"يخرج في آخر الزمان رجال – وفي رواية – قوم رؤوس جهال يفتون الناس فيضلون ويضلون".

''آخر زمانے میں کچھ ایسے لوگ - اور ایک روایت میں ہے کہ - کچھ ایسے جاہل لوگ پیدا ہوں گے جو لوگوں کو فتوی دیں گے مگر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے''۔

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد علامہ خطیب بغدادی ؒ رقمطراز ہیں کہ مسلمانوں کے امام وحاکم کو چاہیے کہ وہ مفتی حضرات کے حالات کا جائزہ لے، ان میں سے جو فتوی دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو تو برقرار رکھے اور جو اس صلاحیت سے محروم ہو تو اسے فتوی دینے سے منع کردے اور کہے کہ اگر وہ آئندہ باز نہ آیا تو اسے سزا دی جائے گی۔ اسی احتیاط کے پیش نظر خلفاء بنی امیہ کا یہ معمول تھا کہ وہ موسم حج میں مکہ مکرمہ میں مفتیوں کا تقرر کردیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ ان مفتیان کرام کے علاوہ کسی اور سے فتوی طلب نہ کیا جائے''۔(۲)

علامہ خطیب بغدادی ؒ نے اس جگہ حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کا بھی یہ قول ذکر کیا ہے کہ اگر اللہ تعالی کا خوف اور علم کے ضائع ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں کسی کو فتوی نہ دیتا۔ اسی طرح علامہ ابن نجیم نے ''شرح الروض'' کے حوالہ سے یہ ذکر کیا ہے کہ حاکم وقت کو چاہیے کہ وہ اپنے زمانے کے مشہور اہل علم سے یہ پوچھے کہ فتوی دینے کی صلاحیت سے کون بہرہ ور ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو فتوی دینے سے منع کردے جو اس صلاحیت سے محروم ہوں اور باز نہ آنے کی صورت میں انھیں سزا بھی دے(۳)۔

(۱) اعلام الموقعین ج:۴ ص:۱۱۹-۳۳۰، المجموع للنووی ج:۱ ص:۴۵-۴۶، مختصر الطحاوی ص:۳۲۷، قوانین الاحکام الشرعیۃ لابن جزی المالکی ص:۳۲۲، طبع دار العلم بیروت ۱۹۷۴ء۔

(۲) الفقیہ والمتفقہ ج:۲ ص:۱۵۲-۱۵۴، طبع اول، دار الافتاء السعودیۃ ۱۳۸۹ھ۔

(۳) البحر الرائق ج:۶ ص:۲۸۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ خطیب بغدادی، حافظ ابن قیم اور دیگر اہل علم نے بھی ائمہ کرام وفقہاء عظام کے ارشادات اس مسئلہ سے متعلق بیان فرماتے ہیں مگر اختصار کے پیش نظر سر دست ہم انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

افتاء واستفتاء کی تاریخ:

افتاء واستفتاء کا سلسلہ چونکہ خود نبی اکرم ﷺ کے مبارک عہد ہی سے شروع ہوتا ہے اس لیے اس کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود دین اسلام کی۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے، کیونکہ آپ ہی مہبط وحی، شارع اسلام اور مرجع خلائق تھے۔

آپ کے بعد حضرات صحابہ کرام ؓ اس منصب پر فائز تھے، جن جلیل القدر صحابہ کرام ؓ کی طرف لوگ رجوع کیا کرتے تھے ان میں سے:

مدینہ منورہ میں خلفاء راشدین کے علاوہ حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن عمر اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم،

مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ،

کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ،

بصرہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ،

شام میں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ،

مصر میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ تاریخ کے صفحات میں قریبا ایک سو تیس حضرات صحابہ کرام ؓ کے اسماء گرامی محفوظ ہیں جو مسند افتاء پر فائز تھے۔ حضرات صحابہ کرام کے عہد کے بعد جلیل القدر تابعین وتبع تابعین رضی اللہ عنہم منصب افتاء پر فائز رہے، ان میں سے چند نمایاں شخصیتوں کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) سعید بن مسیّب (۲) سعید بن جبیر (۳) عروہ بن زبیر (۴) عکرمہ (۵) مجاہد (۶) عطاء (۷) علقمہ بن قیس (۸) قاضی شریح (۹) یزید بن ابی حبیب (۱۰) لیث بن سعد رحمہم اللہ۔

یہ چند اسماء گرامی ہم نے ''مشتے نمونہ از خروارے'' ذکر کیے ہیں، تفصیل کے شائقین حافظ ابن حزم ؒ کی کتاب ''جوامع السیر ۃ'' اور حافظ ابن قیم ؒ کی شہرہ آفاق کتاب ''اعلام الموقعین'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

اگرچہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں بھی فتاوی کے سلسلہ میں مجتہدین میں بعض مسائل میں اختلاف رائے موجود تھا لیکن تدوین فقہ کے دور میں اختلاف کی اس خلیج میں مزید وسعت پیدا ہوگئی۔ آخر اس کے نتیجے میں فقہاء دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔ ان میں سے ایک اہل حدیث کا گروہ تھا جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور حضرات صحابہ کرام ؓ کے فتاوی کی بنیاد پر فتوی دیتا تھا۔ اس گروہ میں علماء حجاز کی غالب اکثریت شامل تھی۔ دوسرا گروہ اہل الرائے کا تھا جو نصوص شرعیہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تشریح عقلی معنیٰ ومفہوم کی روشنی میں کرنے پر زور دیتا تھا، اس گروہ میں فقہاء عراق کی غالب اکثریت شامل تھی۔

اس دور کے بعد فتاوی کا اجرا اجتہاد کے بجائے تقلید کی بنیاد پر ہونے لگا کیونکہ ایک تو خلافت اسلامیہ کی وحدت ختم ہوگئی، دوسرے ائمہ وفقہاء کے مقلدین مختلف گروہوں میں بٹ گئے، ایک خرابی یہ بھی پیدا ہوئی کہ نااہل لوگ اجتہاد کے مدعی بن بیٹھے یا صحیح اجتہاد کے اہل علماء کے صحیح مجتہدانہ فتاوی کو خلاف اسلام ثابت کر کے ان پر کفر کے فتوی لگانے لگے۔ اندھی تقلید کی وجہ سے جو ناگفتہ بہ صورت حال پیدا ہوئی اس کا شکوہ کرتے ہوئے سلطان العلما عز بن عبدالسلام نے بجا فرمایا ہے کہ:

''یہ انتہائی تعجب انگیز بات ہے کہ فقہاء مقلدین کو اپنے امام کے ماخذ کے ضعف کا بھی علم ہوتا ہے اور اس کے مداوا کی بھی صورت نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود وہ اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں اور اپنے امام کی تقلید اور مذہبی جمود کے باعث انھیں کتاب وسنت اور صحیح قیاس کو ترک کردینے میں بھی کوئی حجاب نہیں ہوتا بلکہ کتاب وسنت کے واضح نصوص کو ترک کردینے اور اپنے امام کی طرف سے دفاع کرنے کے لیے ایسی ایسی بعید از قیاس اور باطل تاویلوں سے کام لیتے ہیں''۔(۱)

لیکن الحمدللہ ہر دور میں اہل حق کا آلام ومصائب کا تختۂ مشق بننے کے باوجود ایک ایسا مقدس گروہ رہا ہے، جنھوں نے اپنے افکار ونظریات اور اپنے فتاوی ومسائل کی بنیاد قیل وقال اور آراء الرجال کے بجائے ہمیشہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاوی پر رکھی۔ سلف امت حضرات صحابہ کرام وتابعین کے بعد بھی ہر دور میں ایسے بے شمار اساطین علم وفضل رہے ہیں جو حاملین کتاب وسنت کی اسی سلک مروارید سے منسلک ہیں اور ان کی کتب اور فتاوی کے مجموعوں سے آج بھی دنیا اکتساب ضیاء کر رہی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام بخاری، شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیم، حافظ دنیا ابن حجر عسقلانی، امام قاضی محمد بن علی شوکانی، شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب اور دیگر ائمہ وفقہاء کرام رحمہم اللہ جو حیطۂ شمار سے باہر ہیں اسی مسلک سلف کے ترجمان ہیں۔ ادھر برصغیر پاک وہند میں حضرت شاہ ولی اللہ، ان کے صاحبزادگان گرامی اور نبیرہ عالی مقام حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ، نواب والا جاہ حضرت نواب سید محمد صدیق حسن خاں، شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کے بے شمار شاگردان رشید بالخصوص استاد پنجاب حضرت مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی، حضرت علامہ شمس الحق محدث ڈیانوی، حضرت مولانا محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری اور شیخ الحدیث عبید اللہ مبارکپوری وغیرہم کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ برصغیر پاک وہند کے ان علماء میں سے جن کے فتاوی کو بطور خاص شرف پذیرائی حاصل ہوئی ان میں سے شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ اور ان کا ''فتاوی نذیریہ''، شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ اور ان کا ''فتاوی ثنائیہ''، حضرت الامام مولانا عبدالجبار غزنویؒ اور ان کا ''مجموعہ فتاوی''، حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ اور ان کا ''فتاوی سلفیہ''، شیخ الحدیث عبید اللہ مبارک پوری کا ''فتاوی شیخ الحدیث''، حضرت مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی اور حضرت العلام امام محمد محدث گوندلویؒ وغیرہم کے فتاوی کے مجموعے ہیں۔

☆☆☆

(۱) قواعد الاحکام فی مصالح الانام ج:۲ص۱۵۱-۱۵۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استحسان کی حقیقت

تحریر: محمد صلاح الأتربی، مصر　　ترجمہ: عبدالرحیم عبدالعلیم الریاضی

"الاستحسان تسعة أعشار العلم"(۱) یعنی علم کے دس حصوں میں سے نو حصہ استحسان ہے۔ اور "انما الاستحسان تلذذ" استحسان تو محض لذت اندوزی ہے(۲)۔ یہ دو ایسی عبارتیں ہیں جس نے اصول فقہ کے علماء میں بڑا بر پا کیا۔ اور استحسان کے سلسلے میں موجودہ دور کے بہت سے اصولیوں کے اس رجحان کے باوجود کہ اختلاف لفظی ہے، استحسان کی تعریف یہ ہوگی: وہ کسی دلیل کی اس سے قوی دلیل کی بنا پر مخالفت کرنے کا نام ہے۔ مگر متقدمین کے یہاں اس کا یہ مفہوم نہیں تھا۔ مندرجہ ذیل سطور میں میں یہ بیان کرنے کی کوشش کروں گا کہ متقدمین کے نزدیک خواہ وہ اس کے قائل ہوں یا منکر استحسان کی کیا حقیقت تھی؟ اور میں اللہ تعالی سے درست بات کہنے کے لیے مدد کا طلب گار ہوں۔

استحسان کی لغوی تعریف: کسی چیز کو اچھا شمار کرنا ہے(۳)، کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں چیز کو اچھا خیال کیا، یعنی اس کے اچھا ہونے کا یقین رکھا اور میں نے فلاں چیز کو برا خیال کیا یعنی اس کو برا جانا۔ اور اس لغوی معنی کے اعتبار سے استحسان آدمی کی رائے اور رغبت پر منحصر ہے چاہے اس کی وہ رائے اور رغبت دلیل کی روشنی میں ہو یا بلا دلیل کے۔

اور البتہ استحسان کا لفظ بہت سے ائمہ کی عبارتوں میں وارد ہوا ہے اور اس سلسلے میں سب سے مشہور نام امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے ان کے اصحاب نے استحسان کے قائل ہونے کے سلسلے میں ان سے بے شمار اقوال نقل کیے ہیں(۴)۔ اس کے باوجود اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لفظ استحسان صرف ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہی خاص ہے بلکہ ان کے علاوہ دیگر ائمہ کی عبارتوں میں بھی وارد ہوا ہے، مثال کے طور پر امام شافعی، ان سے منقول ہے کہ "میں نفقۂ مطلقہ کے متعلق یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ اس کی مقدار تیس درہم ہو"۔ مزید فرمایا: "میں بعض فرمارواؤں کو دیکھتا ہوں کہ وہ مصحف کی قسم کھاتے ہیں اور یہ اچھی بات ہے۔ اور شفعہ کی مدت کے متعلق عرض کیا کہ میرے نزدیک تین دن بہتر ہے۔(۵) اور امام مالک فرماتے ہیں کہ استحسان علم

(۱) انظر: البحر المحيط (6/88)، الأحكام في أصول الأحكام لابن حزم (2/6/997).

(۲) الرسالة (ف 1464/).

(۳) القاموس المحيط (2/1564)، لسان العرب (2/451). وكذلك ذكر الأصوليون، انظر: التحبير شرح التحرير (8/3823)، فتح الغفار بشرح المنار (3/30)، قواطع الأدلة (2/100)، الواضح (2/100)، البحر المحيط (2/87)، أصول السرخسي (2/200).

(۴) نقل السرخسي في المبسوط عن أبي حنيفة أنه استحسن في أكثر من مائتي موضع.

(۵) انظر: البحر المحيط (6/95).

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے دس حصوں میں سے نو حصہ ہے۔(۶) اور امام احمد فرماتے ہیں: لاوارث زمین کا خریدنا جائز ہے مگر اس کا بیچنا جائز نہیں ہے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ جو شخص زمین کا مالک ہی نہ ہو اس سے کیسے خریدا جا سکتا ہے؟ عرض کیا: قیاس وہی ہے جو تم کہتے ہو، مگر یہ استحسان ہے۔(۷) اس کے باوجود امام شافعی استحسان کے قائلین پر بڑی شدید نکیر فرماتے ہوئے کہتے ہیں: ''استحسان تو لذت اندوزی ہے'' (۸)۔ ایسے ہی اکثر شوافع استحسان پر احکام کی بناء کے قائل نہیں ہیں۔ جہاں تک مالکیہ کا تعلق ہے تو امام قرطبی نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ استحسان امام مالک کا مذہب ہے۔(۹) اور حنابلہ استحسان کے قائل ہیں۔(۱۰) اس کے باوجود اصولیین جمہور سے استحسان سے باز رہنے کی بات نقل کرتے ہیں اور مذکورہ صورت حال میں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ سارے اقوال ایک ہی جگہ اور موضوع کے متعلق نہیں وارد ہوئے ہیں۔ یہ بحث زیادہ طویل نہ ہو جائے۔ اس لیے ہم مذاہب اربعہ کا ایک ایک کرکے جائزہ لیتے ہیں اور استحسان کے متعلق ہر ایک کا موقف واضح کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس استحسان کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ دین میں محض اپنے خیال ورغبت سے کچھ کہنے کا نام نہیں ہے۔ ایسا کرنا تو کسی کے لیے بھی جائز نہیں خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ اور اہل علم میں سے کوئی بھی علی الاطلاق اس کا قائل نہیں ہے، اور جیسا کہ ابن السمعانی بیان کرتے ہیں: ''ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی اس بات کا قائل ہوگا''۔(۱۱) اور امام زرکشی رقمطراز ہیں: ''اور ابوحنیفہ اللہ کے نزدیک بلا دلیل کسی حکم کو ثابت کرنے سے بری ہیں''۔(۱۲)

استحسان احناف کے نزدیک:

احناف نے امام ابوحنیفہ ؒ کے فتووں کو اصولی شکل دینے اور استحسان کے اصطلاحی مفہوم کے سلسلہ میں احناف پر جو شدید نکتہ چینیاں ہوئی ہیں ان کے دفاع کے لیے اس کی مختلف تعریفات ذکر کی ہیں۔ امام کرخی تذکرہ کرتے ہیں کہ استحسان ''کسی حکم کو اس سے بہتر حکم کے لیے چھوڑنے کا نام ہے'' (۱۳) اس تعریف پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ اعتبار دلائل کا ہوتا ہے نہ کہ احکام کا، لیکن امام سرخسی ذکر کرتے ہیں کہ استحسان کی احناف کے نزدیک دو قسمیں ہیں۔(۱۴)

پہلی قسم: اجتہاد اور ظن غالب کے مطابق عمل کرنا ان مسائل کے اندر جنھیں شریعت نے ہماری آراء کے ذمہ چھوڑا ہے۔ اس کی مثال مطلقہ کے نان ونفقہ کی مقدار متعین کرنا۔ اور شوہر کی خوشحالی اور تنگ دستی کے اعتبار سے اس کا مختلف ہونا ہے۔

دوسری قسم: وہ دلیل جو اس ظاہری قیاس کے معارض ہوتی ہے جس کی جانب ذہن غور وفکر اور تامل سے قبل متبادر ہوتا ہے۔

(۶) سبق عزوہ.
(۷) الواضح في أصول الفقه لابن عقيل (2/100).
(۸) الرسالة (ف 1464/).
(۹) البحر المحيط (6/87).
(۱۰) الواضح لابن عقيل (2/100-110).
(۱۱) قواطع الأدلة (2/268).
(۱۲) البحر المحيط (6/88).
(۱۳) الواضح لابن عقيل (2/102).
(۱۴) أصول السرخسي (2/200).

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور موجودہ حادثے اور اس جیسے دیگر اصولی احکام میں غور کرنے کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو دلیل اس قیاس ظاہر کے معارض ہے وہ اس سے قوی ہے۔ اور اسی پر عمل کرنا وجب ہے۔لہذا اصولیین نے اس کا نام استحسان رکھا۔ اس نوع کی دلیل اور قیاس ظاہر میں تمیز کرنے کے لیے جو ذہن کی طرف تامل سے قبل متبادر ہوتا ہے۔

اس کے بعد ذکر کرتے ہیں کہ قیاس کو نص، اجماع اور ضرورت کی بنا پر ترک کیا جائے گا۔(۱۵) گویا استحسان کا اطلاق امام سرخسی کے نزدیک دو چیزوں پر ہوتا ہے:

۱-اجتہاد کی جگہوں میں اجتہاد کرنے پر۔ ۲-دلیل کی بنا پر اس بات کو ترک کر دینے پر جس کے متعلق یہ گمان ہو کہ وہ قیاس ہے۔ اس سے یہ واضح ہے کہ ان دونوں ہی معنوں کا کوئی بھی منکر نہیں ہوگا خواہ وہ اس کو استحسان کا نام دے یا نہ دے۔

امام سرخسی کے بعد امام جصاص استحسان کی وضاحت کے لیے پیش قدمی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: ''استحسان قیاس کو اس سے بہتر شئی کے لیے چھوڑنے کا نام ہے''۔

اور اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: یہ کہ کوئی ایسی فرع ہو جسے دو اصلیں اپنی جانب کھینچ کر رہی ہوں اس وجہ سے کہ وہ دونوں اصلوں سے کچھ مشابہت رکھتی ہو۔ ایسی صورت میں اس فرع کو کسی ایک اصل سے ملحق کرنا لازم ہوگا کسی ایسی دلالت کی بنا پر جو اس کو واجب کرتی ہو۔

دوسری صورت: علت پائے جانے کے باوجود حکم کی تخصیص کرنا۔(۱۶)

امام جصاص نے اس معنی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ استحسان جو علت پائے جانے کے باوجود حکم کی تخصیص کا نام ہے وہ یہ ہے کہ: ''جب ہم کسی حکم کو کسی خاص معنی کے لیے واجب قرار دیتے ہیں جس کے متعلق دلیل قائم ہو چکی ہو کہ یہ معنی اس حکم پر ''عَلَمْ'' ہے اور ہم نے اسے اس حکم کی علت کا نام دیا ہے۔ تو اس حکم کا اس معنی پر جاری کرنا جہاں کہیں بھی یہ معنی پایا گیا، واجب ہوگا سوائے اس مقام کے جہاں اس بات پر دلیل قائم ہو کہ علت کے پائے جانے کے باوجود یہ معنی اس حکم میں مستعمل نہیں ہے، حالانکہ اسی علت کی وجہ سے اس کے علاوہ دیگر مواضع میں یہ حکم واجب ہوا۔ لہذا اصولیین نے علت پائے جانے کے باوجود حکم کے ترک کر دینے کا نام استحسان رکھا۔

اور کبھی علت حکم بذریعہ نص ترک کیا جاتا ہے اور کبھی بذریعہ اجماع اور کبھی کسی ایسے دوسرے قیاس کے ذریعہ جو اس حادثہ میں ایک دوسرے حکم کو واجب کرتا ہو اور اس کو اپنی اصل کے علاوہ دوسری اصل سے ملحق کرنے کا متقاضی ہو۔(۱۷)

یہ بات مخفی نہیں کہ دونوں مفہوم کی روشنی میں دلیل کے مطابق قول اختیار کرنا ضروری ہے۔

(۱۵) أصول السرخسي (2/202-203). (۱۶) الفصول في الأصول (4/234).
(۱۷) الفصول في الأصول (4/243).

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک پہلے مفہوم کا تعلق ہے تو اس کا حاصل کسی قیاس کو اس سے بہتر قیاس کے لیے چھوڑنا ہے۔
اور جب اس کی شرطیں مکمل طور پر پائی جائیں تو اس سے کوئی مانع نہیں۔
دوسری تاویل: کسی فرع کو دلیل کی بنا پر اس کے نظائر سے نکالنے کا نام ہے۔

اور اسی مفہوم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ حنابلہ اس کے قائل ہیں اور شافعیہ اور مالکیہ اس کے منکر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ مفہوم اس بات کی دلیل ہے کہ علت صحیح نہیں ہے، کیونکہ علت کی شرط یہ ہے کہ سب پر لاگو ہو اور یہ دلیل اس علت کو اس معیار سے خارج کر رہی ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان فروع میں جن کی بنا اس اصل پر ہے اتنا اختلاف نہیں جتنا کہ خود اس کی تاصیل میں ہے۔ بہر حال یہی مفہوم ہے جس میں مجتہدین کے خیالات مختلف ہیں۔ اس کے قائل ہونے میں احناف منفرد نہیں ہیں۔

امام بزدوی کی رائے اس سلسلے میں مختلف ہے ان کا کہنا ہے کہ: "استحسان دو قیاسوں میں سے ایک کا نام ہے، لیکن اسے استحسان کا نام اس لیے دیا گیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس پر عمل اولی ہے اور دوسرے قیاس پر عمل کرنا بھی جائز ہے۔ (۱۸)

یہ بات امام سرخسی کی احناف کے حوالہ سے ذکر کردہ تعریف کے مخالف ہے اور جن لوگوں نے اس جانب توجہ مبذول کرائی ان میں سے سغناقی (۱۹) بھی ہیں مگر بزدوی نے امام ابوحنیفہ کی عبارتوں کو سمجھنے کے لیے جو موقف اختیار کیا ہے اس کی جانب امام سرخسی نے اشارہ کیا ہے، اور اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ہمارے بعض متاخرین اصحاب کا خیال ہے کہ استحسان کے مواضع میں استحسان پر عمل کرنا اولی ہے قیاس پر عمل کے جواز کے ساتھ اور میرے نزدیک یہ وہم ہے، اس لیے کہ ہماری کتابوں میں اکثر مسائل کے متعلق جو لفظ مذکور ہے وہ یوں ہے: "مگر یہ کہ ہم نے یہ قیاس ترک کر دیا ہے، اور متروک پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲۰)

اور کچھ اسی قسم کی بات محمود بن محمد الدھلوی متوفی ۱۹۸ھ امام نسفی کی کتاب المنار کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"نص کا حکم کسی ایسے مسئلے کی طرف متعدی ہونے کے لیے جس میں کوئی نص موجود نہ ہو دو صورتوں پر ہوتا ہے:
پہلی صورت: علت ظاہر ہو اور یہی قیاس ہے۔
دوسری صورت: علت غیر ظاہر ہو اور یہی استحسان ہے۔

پھر استحسان کی شرعی تعریف یوں ذکر کی ہے: ایسی دلیل جو اس قیاس ظاہر کے خلاف ہو جس کی جانب خیال متبادر ہوتے ہیں۔ (اور "افہام" کے نسخہ میں یہ اضافہ ہے) اس میں عمیق غور و فکر سے پہلے۔

تو استحسان کے معنی کا حاصل ان کے نزدیک یہ ہے کہ: وہ ایسے قیاس کا نام ہے جس کی علت غیر ظاہر ہو اور اس کے

(۱۸) الكافي شرح البزدوي (4/1822). (۱۹) الكافي شرح البزدوي (4/1822).
(۲۰) أصول السرخسي (2/201).

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدمقابل کوئی دوسرا قیاس بھی ہو جس کی علت ظاہر ہو۔ اور اگر ہم ابن نجیم الحنفی کی طرف ان کی شرح منار میں رخ کریں تو پائیں گے کہ ان کے نزدیک استحسان ایسی دلیل کا نام ہے جو متفق علیہ ہو خواہ وہ دلیل نص ہو، اجماع ہو یا ایسا قیاس خفی جو کسی متبادر الی الافہام قیاس کے مقابل ہو، تاکہ بلا موازنہ و تقابل محض نفس دلیل پر استحسان کا اطلاق نہ کیا جاسکے۔ یہاں ابن نجیم کسی دلیل پر استحسان کے اطلاق کو مشروط کرتے ہیں کہ وہ اذہان کی طرف متبادر ہونے والے قیاس کے مقابلہ میں ہو۔ مزید فرماتے ہیں: ''پھر غالباً اس کا اطلاق اصول میں خاص کر قیاس خفی پر ہونے لگا جیسا کہ قیاس کا لفظ غالباً قیاس جلی کے لیے استعمال ہونے لگا تاکہ دونوں کے درمیان تمیز اور فرق کیا جاسکے۔

اس صورت حال میں ابن نجیم کا خیال ہے کہ استحسان دلیل کی بنا پر کسی قول کو اختیار کرنا ہی ہے، لیکن چونکہ یہ دلیل کسی دوسرے قیاس کے مدمقابل ہے۔ لہذا اس کا نام استحسان رکھ دیا، اس دلیل سے ممتاز کرنے کے لیے جس کے مدمقابل کوئی قیاس نہ ہو۔

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ استحسان قول کو دلیل کے ساتھ اختیار کرنے کا نام ہے۔

اور ابن نجیم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ احناف کے یہاں استحسان کی ایک دوسری اصطلاح بھی ہے۔ لہذا فرماتے ہیں: اور فتح القدیر میں سجود تلاوت کے باب میں مذکور ہے کہ: استحسان سے ان کی مراد وہ خفیہ معانی ہیں جن پر حکم کا دارومدار ہوتا ہے۔ اور قیاس سے ان کی مراد وہ ہوتی ہے جو بالکل ظاہر و متبادر ہو۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ استحسان اصول میں قیاس محدود کے مقابل نہیں بلکہ اس سے عام ہے۔ مزید فرمایا: تو یہ ثابت ہوگیا کہ بعض صورتوں میں استحسان قیاس صحیح ہی کا نام ہے۔

اور ان کے قول: ''وہ خفیہ معانی ہیں جن پر حکم کا دارومدار ہوتا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ جب حکم کسی دلیل سے ثابت ہوجائے تو ہم غور و فکر کریں گے، تو اگر یہ دلیل ہر فرد کے لیے واضح ہو تو ہم اس کا نام استحسان نہیں رکھیں گے اور اگر مخفی اور غور و فکر کی محتاج ہو تو اس کا نام استحسان رکھا جائے گا خواہ وہ دلیل کتاب اللہ سے ہو یا سنت رسول اللہ سے اجماع سے ہو خواہ قیاس سے۔ خلاصہ کلام یہ کہ وہ بہ دلیل کوئی بات کہنے کا نام ہے۔

سابقہ عرض کردہ باتوں سے ہم پر یہ واضح ہوگیا کہ حنفیہ کے نزدیک استحسان کی متعدد تعریفیں ہیں، سب کا مفہوم تین معانی پر منحصر ہے:

پہلا معنی: اجتہاد اور اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے اسی مفہوم کو امام سرخسی نے بھی بیان کیا ہے۔

دوسرا معنی: قیاس کا معارضہ کسی دوسرے ایسے قیاس سے جو اس سے اولی ہو اور یہ قیاس خفی کو بھی شامل ہے، اور اس

(۲۱) إفاضة الأنوار في إضاءة أصول المنار (1/422-423).

(۲۲) فتح الغفار بشرح المنار (3/30).

(۲۳) في فتح الغفار: [إليه] وكذلك في التلويح الذي نقل عنه ابن نجيم، ولعل [إلى] هي الأقرب.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیاس خفی کو، جو قیاس ظاہر کے مقابل ہو، کیونکہ دونوں ہی میں قیاس کی شروط کا متوفر ہونا ضروری ہے۔اس کا نام استحسان قیاس کے مخفی اور غیر واضح ہونے کی بنا پر رکھا گیا اور یہ قیاس کی حقیقت سے خارج امر ہے۔

تیسرا معنی: قیاس کا معارضہ دلیل سے: اور یہ دوسرے تمام معنوں کو شامل ہے۔پس استحسان اس معنی میں (کہ وہ اس دلیل کے ساتھ قول پیش کرنا جو قیاس کے مخالف واقع ہو) یہ بھی دلیل کی روشنی میں کوئی بات کہنے پر عائد ہوتی ہے اور استحسان بمعنی (کسی پوشیدہ دلیل کے ذریعہ حکم ثابت کرنا) یہ بھی بدلیل قول اختیار کرنے میں شامل ہے اور ان دونوں قسموں کی دلیل کی روشنی میں قول اختیار کرنے کی قسم میں داخل ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

لیکن حکم کی تخصیص علت پائے جانے کے باوجود تو وہ بھی اس قسم میں شامل ہے جس کا بھی تذکرہ گذر چکا ہے۔

اور اس بنا پر ہمارے لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ استحسان حنفیہ کے نزدیک اس قیاس کے ترک کرنے پر مبنی ہے جو کہ معمول بہ ہوتا اگر اس کے خلاف دلیل قائم نہ ہوئی ہوتی، خواہ یہ دلیل کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع، قیاس، عرف، مصلحت مرسلہ وغیرہ کسی میں سے بھی ہو۔اور استحسان ان مسائل میں جن میں اس کی گنجائش ہوا جتہاد پر عمل کرنے کو بھی شامل ہے۔اور احناف نے دین کے ان مسائل میں جن میں نص موجود ہو ایسے استحسان کے قائل ہونے سے سخت براءت کا اظہار کیا ہے جس کا لازمہ محض رائے کی بنیاد پر بلا دلیل کوئی بات کہنا ہو۔جو لوگ اس طرح کی رائے رکھتے ہیں ان کو غیر محتاط اور جلد باز قرار دیا ہے۔(۲۴)

لیکن جب یہ صورت حال ہے تو آخر وہ کون سا استحسان ہے جس کی نکیر امام شافعی نے ان کے خلاف کی ہے؟ جیسا کہ انہوں نے فرمایا: ''استحسان تو محض لذت اٹھانا ہے'' (۲۵) اور فرمایا: اگر قیاس کو معطل کرنا جائز قرار دیا جائے تو غیر اہل علم عقلانیوں کے لیے یہ جائز قرار پا جائے گا کہ وہ ان مسائل میں جن میں کوئی خبر وارد نہ ہوئی ہو استحسان کے طور پر جو کچھ ان کے جی میں آئے کہہ جائیں۔اور بلاشبہ بلا خبر و بلا قیاس کوئی بات کہنا جائز نہیں ہے۔ان دلائل کی رو سے جو میں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے بیان کیں۔(۲۶)

www.KitaboSunnat.com

امام شافعی کے انکار کی توجیہ کے سلسلہ میں دو اقوال مذکور ہیں:

پہلا قول: امام شافعی کا انکار ان لوگوں کے خلاف ہے جو محض رائے ورغبت کی بنا پر استحسان کے قائل ہیں۔اور یہ احناف کے یہاں موجود نہیں ہے تو درحقیقت کوئی اختلاف ہی نہیں۔

دوسرا قول: امام شافعی کا اعتراض صرف لفظ استحسان پر ہے۔اس صورت میں یہ اختلاف محض لفظی ہے۔

(۲۴) أصول السرخسي (2/200).

(۲۵) الرسالة (فقرة/1464ص 507).

(۲۶) الرسالة (فقرة/1458ص 505).

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور دونوں ہی قول محل نظر ہیں۔ وہ امام شافعی جنہوں نے امام مالک ؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہو اور جنھوں نے امام محمد بن حسن سے وہ علم اخذ کیا ہو جو ان کے طریق سے اہل عراق کے پاس بھی نہ تھا، جنھوں نے اسے مذہب کے اصول کو مدون کیا اور اپنا منہج استدلال واضح کیا ہو اور جس شخص نے قیاس کے ضابطے وضع کیے ہوں وہ اس سے بلند تر ہے کہ محض لفظ کو برا جانتے ہوئے کسی بات کی مذمت پر آمادہ ہو جائے جب کہ انھوں نے خود اس لفظ کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہو۔

امام شافعی ایسے شخص ہیں جن کی مسائل پر بڑی گہری نظر اور اونچی فکر ہے اور جن کا یہ حال ہو، ان کی جانب ان سے منقول تمام باتوں کی نسبت اس مفہوم میں کرنا کہ یہ ساری باتیں انھوں نے کسی ایسے مفہوم کے متعلق کہی ہوں جو ان کے نزدیک واضح نہ ہو، اور پھر خود ان سے وہی بات سرزد ہو جس کے وہ منکر رہے ہوں؟! مزید برآں کیا امام شافعی نے استحسان کا انکار و مذمت اپنی کتاب الرسالہ کے کسی طویل بحث میں کی ہے؟ اور استحسان کے بطلان پر کسی ایسے لفظ کی بنا پر جس کا مفہوم استحسان کے ان قائلین کے یہاں واضح نہ ہوا ہو جن کی خود امام شافعی نے شاگردی اختیار کی ہو اور ان کے متعلق اوروں سے زیادہ واقف ہوں کوئی بات رقم فرمائی ہے؟

یہ تو کسی عام آدمی سے سرزد ہونا بھی دور کی بات ہے چہ جائیکہ امام شافعی سے ان کی جلالت قدر کے باوجود ایسا کچھ سرزد ہو۔

راقم سطور کی اس سلسلے میں یہ رائے ہے کہ امام شافعی نے جس استحسان کی نکیر کی ہے اس سے مراد وہ استحسان ہے جس کا مشاہدہ انھوں نے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے اصحاب کے یہاں کیا۔ (اس کی تفصیل آگے آئے گی) یہ حضرات اگر چہ قائل تو اس بات کے تھے کہ استحسان دلیل ہی کی روشنی میں اختیار کیا جائے گا مگر عملی صورت حال یہ تھی کہ یہ حضرات قیاس کے طریق کار سے کمزور ترین اشاروں کی بنا پر بھی خروج اختیار کر جاتے تھے۔ اور اگر ان سے کہا جاتا: اس کا سبب کیا ہے؟ تو کہہ دیتے کہ استحساناً یہ موقف اختیار کیا ہے۔ کیوں کہ ان کے نزدیک عوام کے لیے بھی زیادہ مناسب تھا۔ اور قیاس کی عمومیت لوگوں کی زندگیاں دشوار بنا دیتی ہے، اس کے متعدد دلائل ہیں۔

(۱) جو کچھ امام سرخسی نے مبسوط کے اندر نقل فرمایا ہے کہ: ''ہمارے شیخ امام صاحب کہا کرتے تھے کہ استحسان قیاس کے ترک کرنے اور لوگوں کے لیے جو مناسب ہو وہ بات اختیار کرنے کا نام ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: استحسان ان احکام میں سہولت طلب کرنے کا نام ہے جس سے خاص و عام کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: استحسان کشادگی اختیار کرنے اور طلب راحت کا نام ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ استحسان سماحت و نرمی اختیار کرنے اور آسائش طلب کرنے کا نام ہے۔

ان تمام عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ استحسان تنگی کو آسانی کے لیے چھوڑنے کا نام ہے، اور یہ دین کی ایک اصل ہے، اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: {یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر} (البقرۃ:۱۸۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیاس اور استحسان حقیقت میں دونوں قیاس ہیں، ایک جلی ہے مگر اس کا اثر کمزور ہے۔لہذا اسے قیاس کا نام دے دیا گیا، جب کہ دوسرا خفی تو ہے مگر اس کا اثر قوی ہے۔لہذا اسے استحسان کہا گیا۔یعنی قیاس مستحسن۔تو ترجیح از روئے اثر ہے نہ کہ از روئے ظہور وخفاء۔(۲۷)

آپ نے ملاحظہ کیا کہ امام سرخسی نے تمام عبارتوں کے درمیان جمع اس طور پر کیا کہ وہ (استحسان) آسان ترین حکم کے اپنانے کا نام ہے۔اور وہ قیاس کے طریقۂ کار سے رخصت وتخفیف طلب کرنے کے لیے عدول فرماتے ہیں۔اور وہ بصراحت یہ کہتے ہیں کہ جب بذریعہ استحسان طریقۂ قیاس سے عدول کیا جائے تو اس کی وجہ لوگوں کے لیے مناسب ترین حکم کو اپنانا ہے۔اور امام سرخسی نے اپنی کتاب ''اصول'' کے اندر استحسان کی تعریف اور اس پر طویل بحث کے باوجود گذشتہ تعریفات میں سے کسی کو بھی جگہ نہیں دی ہے۔

(۲) ابوالولید الباجی نے استحسان کے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے (اس کا بیان بھی مفصل آئے گا) مختصراً یہ کہ جو کچھ انھوں نے استحسان کے ایک مفہوم کے متعلق تحریر کیا ہے وہ یہ ہے کہ: کسی جگہ قیاس کے مقتضی کو ترک کر دینا باوجودیکہ وہ دیگر جگہوں میں ملزم او معمول بہ ہو۔مزید بیان فرماتے ہیں کہ یہی معنی مالکیہ کے یہاں پایا جاتا ہے، لیکن ان میں کی اکثریت اس سے تعلق کو صحیح قرار نہیں دیتی۔اور اسی معنی کا امام شافعی نے انکار کیا ہے۔اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اس معنی کے قائل ہیں۔البتہ یہ کہ انھوں نے ہمارے زمانے کی علمی بحثوں میں اس کا استعمال ترک کر دیا ہے۔علامہ باجی کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل باتوں کا فائدہ ہوتا ہے۔

-۱ان کی فہم کے مطابق امام شافعی کے انکار کا رخ کسی خاص جگہ قیاس کی مخالفت اور باقی مواضع میں اس کے مطابق عمل کرنے کی جانب ہے۔

-۲انھوں نے وضاحت کی کہ یہ مفہوم احناف اور بعض مالکیہ کے یہاں پایا جاتا ہے۔

-۳اکثر مالکیہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

-۴اور اس معنی کو احناف نے ان کے زمانہ میں ترک کر دیا ہے۔(۲۸)

اور یہ معنی جس کو علامہ باجی نے بیان کیا ہے امام غزالی نے بھی استحسان کی تعریف کرتے ہوئے اس کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ ایسی دلیل کو کہتے ہیں جو مجتہد کے دل میں کھٹکے اور الفاظ اس کے بیان سے قاصر ہوں۔(۲۹) لیکن امام غزالی نے اس کے قائل کی وضاحت نہیں کی۔

---

(۲۷) المبسوط (5/10/145).

(۲۸) وهو من أواسط النصف الثاني من القرن الخامس، توفي عام 474هـ.

(۲۹) المستصفى (2/467).

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے بہت جستجو کے بعد یہ معلوم کیا کہ سب سے جس قدیم شخص نے اس معنی کی صراحت کی ہے وہ ابوالولید الباجی متوفی ۴۷۴ھ اور ابواسحاق الشیرازی متوفی ۴۷۶ھ ہیں۔ اور یہ دونوں ہم عصر ہیں۔ امام شیرازی نے امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ وہ استحسان کے قائل تھے، لیکن ان کا یہ قول بلا دلیل ہے۔ اور انھوں نے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہ کے متاخرین اصحاب نے اس کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ ممکن ہے کہ امام غزالی کی عبارت امام شیرازی سے ماخوذ ہو۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے اصولیین نے امام غزالی کی عبارت نقل کی ہو۔ اور جو شخص امام شافعی کی کتاب ''الرسالہ'' کے اندر ان کے کلام کا تتبع کرے گا بجائے اس کے کہ استحسان کو باطل قرار دے، وہ یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہے کہ امام شافعی نے صرف لفظ استحسان کا انکار نہیں کیا ہے، بلکہ انھوں نے اس معنی کے اندر غور وفکر کیا جس کو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور پایا کہ یہ موقف تو دین میں رائے ورغبت سے بات کہنے کا دروازہ کھول دے گا۔ لہذا اس معنی پر شدید نکیر فرمائی۔ اور آپ یہ بھی دیکھیں کہ ایسا سمجھنے والے تنہا امام شافعی نہیں ہیں بلکہ مالکیہ میں سے امام باجی اس کو بصراحت ذکر کرتے ہیں۔ اور مالکی المذہب ہونے کے باوجود بڑی صراحت سے اس معنی کے مالکیہ اور احناف کے یہاں پائے جانے کی صراحت کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اب یہ متروک ہو چکا ہے۔

علمائے احناف کی طرف اس بات کی نسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی وجہ سے ہم ان کی طرف خواہشات نفس کی بنیاد پر کوئی بات یا صرف عقل کی بنیاد پر کوئی بات کہنے کی نسبت کرتے ہوں، بلکہ جو مفہوم احناف کے یہاں پایا جاتا ہے وہ یہ کہ وہ قیاس کی ان جگہوں میں مخالفت کرتے نظر آتے ہیں جہاں ان کے حساب سے قیاس کا نفاذ مشقت اور تنگی کا باعث ہوگا، اور ان کے یہاں شرع کے طور پر جو معروف ہے اس کے مخالف ہوگا۔

اور جب ہم یہ بات ذہن نشین کرلیں گے کہ اکثر یہ موقف وہاں اختیار کیا گیا ہے جہاں اجتہاد جائز ہوتا ہے مگر یہ موقف رائے ورغبت سے دین میں کچھ بھی کہنے کا دروازہ کھول دے گا لہذا امام شافعی کی یہ بات سامنے آئی کہ قیاس سے عدول اختیار کرنے کے لیے لازمی طور پر دلیل طلب کی جائے گی اور جب امام شافعی کے تعلق سے یہ نکیر شہرت پا گئی تو احناف نے اپنے امام کے قول کا تتبع کیا تو پایا کہ وہ تو اغلب احوال میں قیاس کے طرق سے خارج نہیں ہے۔ الا یہ کہ کوئی دلیل ان کے مدنظر ہو۔ لہذا انھوں نے اس کی تفصیل طلب کی اور اسی بنا پر احناف نے وہ مفہوم جس کی طرف ابوالولید الباجی نے اشارہ فرمایا۔ یہ دیکھ کر ترک کردیا کہ اس کے نتیجہ میں ان پر شدید نکتہ چینیاں ہوتی ہیں۔

استحسان کے قائلین اور مانعین کے موقف کے مابین اختلاف کی یہی توجیہ ہوسکتی ہے۔

(۳) ابن عقیل حنبلی کے مطابق استحسان کی تین قسمیں ہیں (۳۰):

(۱) قیاس کا اس سے قوی دلیل کی بنا پر ترک کرنا۔ اس کے قائل ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے خواہ وہ اسے

(۳۰) الواضح (2/105)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استحسان کا نام دے یا نہ دے۔

(۲) بلا دلیل کے قیاس کو ترک کر دینا۔ اس کا قائل کوئی نہیں ہے۔

(۳) عرف وعادت کی بنا پر قیاس کا ترک کر دینا۔ یہاں اختلاف کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ابن عقیلؒ کی یہ بات میری نظر میں سب سے بہتر صورت ہوسکتی ہے جس سے اس استحسان کی توجیہ کی جاسکے جس کے قائل ابوحنیفہؒ ہیں، کیونکہ یہ بات امام سرخسی کی ''مبسوط'' کے اندر مذکور باتوں، ابوالولید الباجی نے احناف کے متعلق جو کچھ کہا، اور امام شافعی نے ان پر نکیر فرمانے، بہ رغبت و بے دلیل قول اختیار کرنے کی نسبت احناف کی طرف کرنے کی توجیہات اور خود احناف کی بیان کردہ استحسان کی تعریفات کے ساتھ اتفاق رکھتی ہے۔

استحسان مالکیہ کے نزدیک:

مالکیہ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ استحسان کی حجیت کے قائل نہیں ہیں، اصول کی کتابوں میں استحسان کی نسبت صرف احناف اور حنابلہ کی طرف مشہور ہے۔ شاید اس کا سبب یہ ہے کہ متقدمین مالکیہ جن کی اصول فقہ میں تصنیفات ہیں انھوں نے استحسان کو موضوع بحث نہیں بنایا ہے۔

ابن قصار المالکی متوفی ۳۹۷ھ نے اپنی کتاب المقدمۃ اور ابوبکر الباقلانی نے اپنی کتاب ''التقریب والارشاد الصغیر'' (یہی کتاب دستیاب ہے) نے استحسان کے موضوع سے تعرض نہیں کیا ہے۔ ہاں البتہ ابوالولید الباجی (یہ سب سے بہتر فرد ہیں جنھوں نے مالکیہ کے یہاں استحسان کا مفہوم ذکر کیا ہے جیسا کہ آگے آئے گا) نے بھی اپنی کتاب ''الارشاد فی أصول الفقہ'' کے اندر تخصیص علت پر گفتگو کرتے ہوئے اشارۃً ہی استحسان کا تذکرہ کیا ہے۔ اور امام مالک اور دیگر مالکیہ کی طرف استحسان کے عدم جواز کی نسبت کی ہے اہل عراق کے برخلاف (۳۱) اور یہ ایسی بات ہے جو مسئلہ پر بادی النظر شخص کو مالکیہ کے متعلق استحسان کے عدم جواز کی بات کہنے پر ابھار سکتی ہے، بلکہ کبار علماء مالکیہ مثلاً ابن حاجب اپنی مختصر کے اندر (۳۲) اور اس کے شارح ابوالثناء محمود الاصبہانی (۳۳) اسی بات کے قائل نظر آتے ہیں۔ اور انھوں نے بھی استحسان کی نسبت محض حنابلہ اور احناف کی طرف کی ہے۔ اور ابوزکریا یحییٰ بن موسی الرھونی متوفی ۷۷۳ھ (۳۴) اور ابن رشیق المالکی امام غزالی کی المستصفی کے اختصار میں (۳۵) اسی بات کی جانب مائل نظر آتے ہیں۔

(۳۱) الأشارة في أصول الفقه (ص311).

(۳۲) بيان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب (3/281).

(۳۳) السابق.

(۳۴) تحفة المسئول في شرح مختصر منتهى السُّول (4/238).

(۳۵) لباب المحصول (2/448-449).

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاوہ ازیں کہ مالکیہ کے علاوہ دیگر اصولیین کے یہاں بھی استحسان کے قائل ہونے کی نسبت صرف احناف اور مالکیہ ہی کی طرف کی جاتی ہے۔

لیکن جن لوگوں نے مالکیہ کے استحسان کے قائل ہونے کی بات کہی ہے ان میں کبار مالکیہ کی ایک جماعت بھی شامل ہے، مثلاً ابوالولید الباجی، ابوبکر ابن لعربی، ابواسحاق الشاطبی اور صاحب مراقی السعود: عبداللہ بن ابراھیم العلوی الشنقیطی اور محمد الامین الشنقیطی صاحب أضواء البیان وغیرہ۔

امام شاطبی نے یہ بات ابن رشد کے تعلق سے بھی نقل کی ہے اور یہی ابن خویز منداد اشہب، اصبغ، ابیاری، ابن المواز وغیرہ سے بھی منقول ہے اور ابن القاسم نے امام مالک سے ان کا قول نقل کیا ہے: "تسعة أعشاء العلم الاستحسان" جیسا کہ آپ مشاہدہ فرمارہے ہیں یہ سارے نام کبار مالکیہ کے ہیں۔

ان میں سے قدیم ترین ابوالولید الباجی ہیں، استحسان کے متعلق ان کا قول ان کی کتاب "الحدود" کے اندر مذکور ہے۔ اور وہ بڑا ہی عمدہ اور گراں قدر کلام ہے اس لیے کہ وہ بذات خود مذہب مالکی کے بڑے ائمہ میں سے ہیں اور انھوں نے استحسان کا مفہوم منضبط کرنے کے سلسلے میں خود مالکیہ کے درمیان جو اختلافات ہیں اسے بیان کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اور ائمہ مذاہب کے حوالے سے ان کے یہاں استحسان کی جو تعریفات ہیں اس کو ذکر کیا ہے اور ابوالولید الباجی کے بعد آنے والے متاخرین مالکیہ استحسان کا مفہوم بیان کرنے میں ان کی بات سے تجاوز نہیں کر سکے ہیں۔

ان کے کلام کی اہمیت کے پیش نظر ہم کتاب "الحدود" کی مکمل نص ذکر کررہے ہیں:

ابوالولید الباجی فرماتے ہیں:

"استحسان بلا دلیل وتقلید کسی قول کو اختیار کرنے کا نام ہے"۔

اور استحسان کی تفصیل ذکر کرنے میں ہمارے اصحاب (۳۶) کے اقوال مختلف ہیں۔

محمد بن خویز منداد اس جانب گئے ہیں کہ استحسان دو دلیلوں میں سے قوی تر دلیل اپنانے کو کہتے ہیں، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دو دلیلیں باہم متعارض ہوں تو صحیح تر اور مدلول علیہ سے قوی تر تعلق رکھنے والی دلیل کو اپنا لیا جائے۔ اور یہ تو کسی طور پر بھی استحسان نہیں ہے، بلکہ یہ تو دو متعارض دلیلوں میں سے راجح کو اپنانا ہے۔

استحسان کے متعلق ہمارے بعض اصحاب کا یہ کہنا ہے کہ وہ عام کی تخصیص کے معنوں میں سے ایک معنی کا نام ہے۔ اور

(۳۶) الباجي ينص هنا على أن الاستحسان اختيار القول من غير دليل ولا تقليد، وهذا نص صريح على ما ذكرناه من المعنى الذي وُجد عند متقدمي الحنفية.

وعبارة الباجي تفيد أن هذا المعنى مما يُستبشَع إذ أنه موهِم لأنه يكون اختيارًا للقول بالتشهي؛ لذا فقد حاول المالكية أن يؤوّلوا وجه وقوعه.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ شریعت میں ''تر کھجور کی بیع سوکھے کھجور سے'' کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ اس طرح کے جتنے بھی مسائل پیش آئیں گے وہاں یہ حکم نافذ ہوگا۔ مگر شریعت میں عاریۃً ملکیت میں رہنے والے کھجور کے درخت کے پھلوں کو اسی اندازے سے سوکھی کھجور کے عوض بیچنے کا جواز وارد ہوا ہے۔ تو یہ استحسان کا مقام نہیں ہوگا بلکہ یہ عام کی خاص پر بنا کرنے، خاص کے ذریعہ حکم لگانے اور اسی کے بموجب اس عام کے مطابق فیصلہ کرنے کا نام ہے جو اس کے مقابل ہو۔

ابوالولید الباجیؒ مزید فرماتے ہیں: ''جہاں تک میرا رجحان ہے کہ جس استحسان کا بتکرار اور بکثرت تذکرہ ہوتا ہے اس کے دو طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: فرع میں قیاس کرنے والے کی اس بنیاد پر کہ وہ اصل کے حکم سے تعلق رکھنے میں کمزور ہے اس لیے وہ قیاس کو ترک کردے، وہ اسے اصل کے ساتھ ملحق کرنے سے عدول کر جائے، کسی ایسے معنی کی بنا پر جو اس کے ساتھ خاص ہوتا ہے کسی ایسی قائم شدہ علت کی بنا پر جو قیاس کے متضاد ہوتی ہے، اور اگر فرع بھی حکم کے سلسلے میں اصل جتنی ہی قوی ہو جائے تو اس پر قیاس کرنا اولی ہوگا۔

تو جس نے اس سے تعلق رکھا اور اسے استحسان کا نام دیا تو وہ قیاس ہی ہے۔ اور جو قیاس اس کے مخالف ہو وہ باطل ہے۔ اور عام طور سے اس کی مخالفت کی جاتی ہے۔ اور اس کی ایک مثال یہ ہے کہ قیاس کرنے والے کا خیال ہو کہ قیاس کا نفاذ حکم میں غلو اور مبالغے کا باعث ہوگا، اور بعض جگہوں میں قیاس کی مخالفت مستحسن ہے تخفیف یا مقارنہ میں سے کسی ایسے معنی کے سبب جو اس مقام کے ساتھ مختص ہو۔ اشہب اصبغ اور ابن المواز اسی کا بکثرت استعمال کرتے ہیں۔

امام اشہب نے ایسے دو آدمیوں کے متعلق جو کوئی سامان خیار بیع کے ساتھ خریدے پھر وفات پا جائے اور اس کے ورثہ اس خیار کے سلسلے میں اختلاف کریں کچھ لوگ بیع کے نفاذ کے حق میں ہوں اور کچھ لوگ رد کرنے کے حق میں ہوں، تو اس مسئلہ میں حکم یہ ہے کہ یا سب کے سب بیع کو نافذ کریں یا سب کے سب رد کردیں، کیونکہ ان کے مورث کو بعض بیع کے نفاذ اور بعض کے رد کا اختیار نہیں تھا، اور میں مستحسن سمجھتا ہوں کہ ان میں سے جو لوگ بیع کے نفاذ کے حق میں ہوں وہ مسترد کرنے والوں کا حصہ لے لیں۔

لیکن غور وفکر کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں کہ یا تو پوری بیع نافذ کریں یا مکمل رد کردیں اور یہ ایسا استحسان ہے جس کی نفی اور انکار وہ لوگ کرتے ہیں جو استحسان کے قائل نہیں ہیں۔ اور ان مسائل میں جن میں کوئی نص یا اجماع نہ وارد ہوا ہو ان میں دلیلوں کے مقتضی کے مطابق اور غور وفکر کے بموجب عمل ہوگا۔ اور بنا کسی ایسی دلیل کے جو اس استحسان کا تقاضا کرتی ہو محض استحساناً اس سے عدول سے اجتناب کیا جائے گا۔

دوسری وجہ: کسی حکم میں استحسان بروئے کار لایا جائے اور دوسرے میں نہیں اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک مسئلے میں قیاس کے بموجب حکم دیا جائے اور اسی جیسے دوسرے مسئلے میں اس محکوم علیہ کے علاوہ دوسرا حکم مستحسن سمجھا جائے کسی ایسے مفہوم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی بنا پر جو اس کے لیے محکوم لہ اور محکوم علیہ میں واضح ہو۔

اور درست وہی ہے جس پر مذہب کی بناء ہے کہ قیاس کی اتباع اس کے مقتضی کے اعتبار سے کیا جائے اور ان احکام کو اپنایا جائے جنھیں شریعت واجب قرار دیتی ہو اس میں سے کچھ ترک نہ کیا جائے کیونکہ قیاس صحیح و فاسد دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔

تو جب قیاس کے اخذ کرنے سے کوئی چیز مانع نہ ہو تو وہ قیاس صحیح اور اس کا اپنانا واجب ہے اور اس کے ترک کو مستحسن سمجھنا اور اس کے علاوہ کو اپنانا صحیح نہیں ہوگا۔

اور جب اسے اخذ کرنے سے کتاب وسنت اور اجماع وقیاس میں سے کوئی چیز مانع ہو جائے اور وہ پہلے قیاس سے بہتر بھی ہو تو وہ قیاس فاسد ہے۔ اور اس کا ترک کرنا واجب ہے۔ اور یہی قیاس کا مقتضی ہے۔ تو جس نے اس کا نام استحسان رکھا اس نے نام دینے میں اختلاف کیا معنی میں نہیں۔

تو جب ہم یہ کہیں کہ استحسان کسی قائم شدہ یا خاص علت کے سبب قیاس کو ترک کرنے کا نام ہے، تو ابن خویز منداد کے قول کے مطابق وہ دو دلیلوں میں سے قوی تر دلیل کو اخذ کرنے کا نام ہے۔

اور جب ہم یہ کہیں کہ استحسان قیاس کے مقتضی کو ترک کر دینے کا نام ہے تو سابقہ تقریرات کی روشنی میں اس کی تعریف یہ ہوگی کہ وہ بلا دلیل وتقلید کسی قول کو اختیار کرنے اور اس مفہوم کا نام ہے جس کی بنا پر اکثر قیاس کی مخالفت کی جاتی ہے (کسی خاص جگہ) جب کہ دیگر جگہوں میں اس کے التزام اور اس کے مطابق عمل ہوتا ہے۔

اور ہمارے اکثر مشائخ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ ایسا موقف ہے جس سے تعلق درست نہیں ہوگا۔ امام شافعی بھی اس کے قائل ہیں اور جن متقدمین مالکی اصحاب کا تذکرہ گذرا وہ اسے اپنانے کے قائل ہیں، یہی قول امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب سے بھی منقول ہے۔ یہ بات دیگر ہے کہ ہمارے زمانے کی علمی بحثوں میں انھوں نے اس کا استعمال ترک کر دیا ہے۔(۳۷) جیسا کہ آپ نے مشاہدہ فرمایا کہ ابوالولید الباجی استحسان کی دونوں تاویلیں ذکر کرنے کے بعد اپنا تصرف فرماتے ہوئے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک دونوں ہی تاویلیں مناسب نہیں ہیں۔ پھر انھوں نے اس استحسان کی جس کا ان سے صدور ہوا وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی دو شکلیں ہیں اور جن ائمہ مذہب نے اس کو استعمال کیا ہے اس کو بھی بیان کیا ہے۔ نیز یہ فرمایا کہ یہ مفہوم کہ استحسان کے مفہوم کے مناسب ہے۔ اور یہ کہ یہی وہ معنی ہے جس کا امام شافعی نے انکار کیا ہے۔ نیز یہ کہ مذہب مالکی اس کی تردید پر قائم ہے۔ اگرچہ بعض ائمہ مذہب سے اس کا وقوع ہوا ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ یہ معنی امام ابوحنیفہ کے یہاں بھی موجود تھا مگر یہ کہ احناف نے ان کے زمانہ میں بحثوں میں اس کو ترک کر دیا تھا۔ اور یہ معنی جس کا تذکرہ انھوں نے کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ قیاس کے طریقہائے کار سے عدول کر جانا ہے اور اس کے نفاذ سے روک

(۳۷) الحدود لأبي الوليد الباجي (104-99).

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینا ہے کسی ایک واقعہ میں اگر چہ بقیہ واقعات میں اس کا نفاذ ہو۔

ان کے کلام سے ہمارے لیے یہ ممکن ہے کہ مالکیہ کے یہاں جو امور سنن قیاس سے خروج اختیار کرنا واجب قرار دیتے ہیں ان کا استنباط کریں، لیکن ابن العربی المالکی نے ہمیں اس مشقت سے بھی بچا لیا ہے چنانچہ وہ اپنی تالیف ''المحصول'' کے اندر استحسان کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ ''جہاں تک اصحاب مالک کی بات ہے تو ان کے یہاں اتنی قوی سوچ اور مضبوط عزائم نہیں تھے جو امام مالک کی منشا کو ظاہر کر پاتے''۔ (یعنی انھوں نے استحسان سے امام مالک کا کیا مقصود ہوتا تھا اسے واضح نہیں کیا)۔

اور البتہ ہم نے اپنے مذہب میں اس کا تتبع کیا ہے اور اسے متعدد اقسام پر منقسم پایا ہے، مثلاً: دلیل کو مصلحت کے تحت چھوڑنا''، ''دلیل کو عرف کے لیے چھوڑنا''، ''دلیل کو اجماع اہل مدینہ کے سبب چھوڑنا'' تیسیر و آسانی کے لیے دلیل کو چھوڑنا رفع مشقت کے لیے اور توسع کو ترجیح دینے اور مقدم رکھنے کے لیے'' (۳۸) پھر کچھ ماخوذ مثالوں کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں کہ: ''تاکہ آپ جان لیں کہ امام مالک اور ان کے اصحاب کے ''**استحسن ذلک**'' کا مفہوم یہ ہے کہ میں اس امر کو جس کا دلیل تقاضا کرتی ہو استثنائی اور رخصت کے طور پر ترک کر رہا ہوں کسی ایسے معارض کے ذریعہ جو دلیل کے بعض مقتضیات میں اس کا معارض ہو۔ (۳۹)

مزید انھوں نے ''احکام القرآن'' میں ارشاد فرمایا: ''عموم کو اس وقت معمول بہ مانا جائے گا جب وہ مستمر ہو اور قیاس کو تب جب وہ قابل نفاذ ہو کیونکہ امام مالک اور ابو حنیفہ رحمہا اللہ عام کی تخصیص خواہ کسی بھی دلیل کے ذریعہ ہو ظاہری یا معنوی اس کے قائل ہیں۔ اور امام مالک یہ مستحسن سمجھتے ہیں کہ ایسا مصلحت کے لیے کیا جائے۔

اور صاحب ''مراقی السعود'' نے امام ابیاریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ استحسان ان کے نزدیک کسی کلی دلیل کے بجائے جزئی مصلحت کے اپنانے کو کہتے ہیں۔ (۴۱)

اور ایسے ہی امام شاطبی نے علامہ ابن رشد کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کے بقول وہ استحسان جس کا بکثرت استعمال ہوتا ہے حتی کہ وہ قیاس سے بھی زیادہ عام ہے، اس صورت حال کو کہتے ہیں جس میں قیاس کا نفاذ حکم میں غلو و مبالغے کا باعث ہو۔ لہٰذا بعض مواضع میں اس سے عدول کیا جائے گا کسی ایسے معنی کے سبب جو اس حکم میں مؤثر ہو یا اس موقع کے لیے خاص ہو۔ (۴۲) تو استحسان مالکیہ کے نزدیک کسی ایک واقعہ میں سنن قیاس سے عدول فرمانا ہے۔ اور اس کے نفاذ سے روک دینا

(۳۸) وهذا هو المعنى الذي اشتد إنكار الشافعي لأجله، وهذا نص آخر من ابن العربي يؤيد ما ذهبنا إليه.

(۳۹) المحصول لابن العربي (ص131، 132).

(۴۰) أحكام القرآن لابن العربي (2/254).

(۴۱) نشر البنود (2/166-167)، نثر الورود (570-571).

(۴۲) الاعتصام للشاطبي (ص382).

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اگر چہ بقیہ واقعات میں اس کا نفاذ ہو۔

استحسان شافعیہ کے یہاں:

تقریباً تمام اصولی مصادر اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ شافعیہ استحسان کے قائل نہیں ہیں (۴۳)، بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس وجہ کے اندر غور وفکر کریں گے جس کے سبب آپ لوگوں نے قیاس کی مخالفت کی ہے، تو اگر وہ سبب اس لائق ہو کہ اسے دلیل کہا جائے تو ہم بھی اس کے قائل ہوں گے۔ اور ہمارے اور آپ کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ ہم اسے استحسان کا نام نہیں دیں گے۔ اور اگر وہ وجہ دلیل قرار دیئے جانے کے قابل ہی نہ ہو تو ہم اس کے قائل نہیں بلکہ منکر ہیں۔ یہاں جو بات ذکر کر دینا مناسب ہے وہ یہ کہ شافعیہ تخصیص علت کے قائل نہیں ہیں، جبکہ یہی حنابلہ کے یہاں استحسان کی تعریف ہے، اور حنفیہ کی متعدد تعریفات میں سے ایک ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ بلکہ شوافع کا خیال ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ اور وہ لوگ ان کے علاوہ دیگر مسالک کے علماء سے منقول استحسان کے سلسلے میں دو فریقوں میں منقسم ہیں۔

پہلے فریق کا خیال ہے کہ اختلاف لفظی ہے۔ اور اس استحسان کے متعلق جس کے سبب بلا دلیل کوئی قول اختیار کرنا لازم آتا ہے کہا جائے گا کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے اور استحسان کے قائلین کے نزدیک استحسان دلیل کی بنا پر ہوگا۔ بنابریں اختلاف صرف تسمیہ میں ہوگا۔ اکثر متاخرین کی یہی رائے ہے۔

فریق ثانی کے نزدیک یہ اختلاف لفظی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔ یہ کچھ متقدمین شافعیہ کی رائے ہے۔

استحسان حنابلہ کے نزدیک:

حنابلہ نے اپنی کتب میں امام احمد کا چند مسائل میں استحسان کا قائل ہونا ذکر کیا ہے۔ ابو الخطاب الکلوذانی نے اپنی کتاب ''التمہید'' (۴۴) کے اندر امام احمد کے متعلق یہی ذکر کیا ہے کہ ظاہراً وہ اس سے مانع نظر آتے ہیں مگر انھوں نے اسے بلا دلیل استحسان کے قائل ہونے پر محمول کیا ہے۔ اور حنابلہ اپنی کتابوں میں استحسان کی تعریف حنفیہ سے نقل کرتے ہیں۔ یہاں ہم امام احمد سے واقع ہونے والے استحسان کی ماہیت جاننے کی کوشش کریں گے اور یہ بھی دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں حنابلہ کی کیا رائے ہے؟

قاضی ابویعلیٰ حنبلی اس بات کی جانب گئے ہیں کہ استحسان ''کسی حکم کو اس سے بہتر حکم کے لیے چھوڑنے کا نام ہے'' (۴۵)

---

(۴۳) المحصول للرازي (6/123)، »قواطع الأدلة «(2/268)، »الأحكام في أصول الأحكام «للآمدي (2/4/190)، » التلخيص في أصول الفقه «للجويني (3/310/ف 1785-1789/)، »اللمع «(ص243)، »التبصرة «(ص289)، » المستصفى «(2/467).

(۴۴) التمهيد (4/79).

(۴۵) العدة في أصول الفقه (5/1607).

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور انھوں نے ذکر کیا ہے کہ وہ دلیل جس کی بنا پر استحسان کی جانب رجوع کیا جائے گا وہ صرف کتاب وسنت اور اجماع ہیں۔
مگر ابوالخطاب نے استحسان کی تعریف کے سلسلے میں قاضی ابویعلی کے رجحان کو پسند نہیں فرمایا ہے کیوں کہ احکام کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ ان میں کے بعض بعض سے بہتر ہیں اور نہ بعض بعض سے قوی ہیں۔ قوت تو دلائل کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ یہی شریعت میں مرتب ہوتے ہیں اور ان میں سے ہی بعض کو بعض پر مقدم بھی کیا جاتا ہے۔(۴۶)
مگر وہ استحسان کی ایسی تعریف کرتے ہیں جو اس استحسان کی حقیقت بیان کر سکے جس کا وقوع امام احمد سے ہوا ہے، فرماتے ہیں: ہمارے امام کے کلام کا جو تقاضا ہے وہ یہ کہ استحسان کی تعریف یہ ہو کہ وہ موجب قیاس سے کسی ایسی دلیل کی طرف عدول فرمانا ہے جو اس سے زیادہ قوی ہو۔(۴۷)
پھر اس کے بعد ذکر کیا کہ وہ دلیل جو قیاس سے بہتر ہوگی وہ کتاب وسنت واجماع ہیں۔ نیز ایسی صورت میں قیاس کو فاسد قرار دیئے بغیر ذکر کیا کہ استحسان کا قائل ہونا درحقیقت تخصیص علت کا قائل ہونا ہے۔ بایں معنی کہ بعض قرائن قیاس سے قوی تر ہوتے ہیں تو اس کی طرف عدول کرلیا جاتا ہے، اور یہ تخصیص علت کی طرف لوٹتا ہوتا ہے۔ صورت ہذا میں خلاصۂ کلام یہ کہ استحسان ابوالخطاب کی رائے میں دو امر کو شامل ہے:
پہلا: قیاس کو ترک کردینا اس قیاس سے بہتر دلیل کے لیے یعنی کتاب وسنت واجماع کے لیے۔
دوسرا: تخصیص علت۔
اس قول کے مؤیدین میں سے ابن القیم ؒ بھی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب ''بدائع الفوائد'' میں لکھتے ہیں: ''استحسان تخصیص علت کی طرف راجع ہے بلکہ وہ وہی ہے''۔(۴۸)
لیکن علامہ ابن عقیل دوسری رائے رکھتے ہیں، ان کے بقول: استحسان کسی قوی تر دلیل کی بنا پر قیاس کو ترک کرنے کو کہتے ہیں۔(۴۹) آگے لکھتے ہیں: ہم اس کے قائل ہیں اور یہ درست بھی ہے۔ اس سے آگے جو کچھ ذکر کرتے ہیں اس کا مستفاد یہ ہے کہ قیاس سے اقوی دلائل کتاب وسنت واجماع ہیں۔ ابن عقیل نے یہ بھی وضاحت فرمائی کہ من جملہ جس بات پر استحسان کا اطلاق ہوتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور یہ کہ اختلاف محض اس بات میں ہے کہ عرف وعادت کی

(۴۶) التمهيد (4/93).
(۴۷) التمهيد (4/93-94).
(۴۸) اختيارات ابن القيم الأصولية (1/439)، وبدائع الفوائد (4/1531).
(۴۹) الواضح في أصول الفقه (2/105)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنا پر قیاس کو ترک کیا جائے گا یا نہیں؟ مگر ان کے تصرفات اس بات پر دلائل کرتے ہیں کہ وہ اس کی تردید کرتے ہیں۔ آگے وہ ذکر کرتے ہیں کہ استحسان تخصص علت سے زیادہ عام ہے۔(۵۰)

مگر ابن قدامہ ؒ (۵۱) نے امام غزالی کی متابعت اختیار کرتے ہوئے استحسان کی تین قسمیں کی ہیں:

پہلی: کتاب وسنت کی کسی دلیل کی بنا پر کسی مسئلے کے حکم میں اس کے نظائر سے عدول کر جانا۔

پھر وہ فرماتے ہیں کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری: مجتہد جسے اپنی عقل کی بنا پر مستحسن سمجھے۔

تیسری: ایسی دلیل جو مجتہد کو کمزور محسوس ہو اور اس کے بیان پر اسے قدرت نہ حاصل ہو۔

ابن قدامہ ؒ فرماتے ہیں: یہ نفس پرستی ہے، کیونکہ جسے بیان ہی نہ کر پائے اس کے متعلق اسے پتہ ہی نہیں ہے کہ وہ وہم ہے یا تحقیق۔ لہٰذا اس کا واضح کرنا ضروری ہے تا کہ ادلۂ شرع کی روشنی میں اس میں غور وفکر کر لیا جائے پھر دلائل اس کی تصحیح فرما دیں یا جھٹلا دیں۔ طوفی شرح مختصر الروضہ میں ابن قدامہ کی استحسان کی تیسری تعریف بیان کرتے ہوئے اس جانب گئے ہیں کہ ان کی بیان کردہ اس تیسری تعریف کا حاصل یہ ہے کہ بعض مجتہدین کو احکام میں کثرت غور وفکر کی بنا پر استخراج احکام کی مہارت وملکہ حاصل ہوتا ہے۔ حتی کہ احکام اس کے سامنے دلائل سے قبل بلکہ بغیر دلائل کے بھی واضح رہتے ہیں۔

مزید فرمایا: ''تو اگر کسی مجتہد کے اندر یہ ساری باتیں یکجا ہوں اور اسے اس سلسلے میں علم یا ظن حاصل ہو جائے تو اس کے مطابق عمل جائز ہوگا۔ اور بہت سے لوگ اس امر سے اس وجہ سے باز رہے کہ یہ شریعت میں اس حکم کے مرتبہ میں ہوگا جو الہام کے مشابہ ہو۔ اور شرعی احکام کی بنیاد ادلہ ظاہرہ پر ہے اور ان ہی کے ارد گرد وجود اور عدم وجود کے اعتبار سے گردش کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

امام طوفی کے اس تعریف کے معتبر جاننے کا حاصل (جس معنی کی تردید اصولیین کے یہاں مشہور ہے) یہ ہے کہ فقیہ کے ملکہ کو رائیگاں نہ جانے دیا جائے بلکہ اس کا اعتبار کیا جائے۔

اور فقیہ کے پاس ایسا ملکہ ہونا درست ہے، مگر اس پر احکام کو معلق کرنا حلت وحرمت کے مسائل میں بلا دلیل جانے اور ذکر کیے بغیر جائز نہ ہوگا۔

امام طوفی کا یہ قول دیگر اصولیین کے یہاں نظر نہیں آتا، اور اصولیین کی اس تعریف کے متعلق دو مسلک ہیں:

---

(۵۰) الواضح (2/107).

(۵۱) روضۃ الناظر (1/505).

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلا: اس کو مطلق رد کر دینا۔

دوسرا: اس مجتہد سے کہا جائے گا کہ وہ بیان کرے کہ وہ اسے مستحسن کیوں سمجھتا ہے؟ تو اگر وہ کوئی قابل قبول دلیل ذکر کرے تو ٹھیک، ورنہ اس کا کوئی اعتبار نہیں، جہاں تک فقیہ کے ملکہ کے معتبر ہونے کی بات ہے تو یہ اس بحث کا مقام نہیں۔

لہذا معمول بہ استحسان ابن قدامہ کے نزدیک اس معنی سے خارج نہیں ہوسکتا جس کا متقدمین مذہب نے تذکرہ کیا ہے۔ اور حنابلہ کی بقیہ کتب بھی ہماری مذکورہ باتوں سے جدا نہیں ہیں۔(۵۲)

خلاصۂ کلام یہ کہ استحسان حنابلہ کے نزدیک کسی خاص حکم میں کتاب وسنت یا محض اجماع کی بنا پر قیاس کے طریق کار سے عدول اختیار کرنے کا نام ہے اور وہ لوگ عرف، عادت یا ضرورت کی بنا پر اس کی تخصیص کے قائل نہیں ہیں۔ اور ان میں سے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس تخصیص علت کا نام ہے۔ بعض دیگر حضرات حنابلہ سمجھتے ہیں کہ استحسان اس سے عام شئی کا نام ہے۔ گذشتہ سطور سے یہ واضح ہوا کہ قابل قبول استحسان وہ ہے جس کی دلیل معلوم ہو۔ اور نا قابل قبول وہ ہے جس کی دلیل معلوم نہ ہو۔ اور استحسان کے باب میں معتبر بات وہ ہے جس پر دلیل قائم ہو تو موجودہ دور میں استحسان کو ایک مستقل دلیل شرعی شمار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ اس کی قابل قبول حقیقت یہ ہے کہ دلائل کی روشنی میں قول اختیار کیا جائے جہاں بھی وہ دلیلیں لائق عمل ہوں، اور اسی بات پر علماء کی رائے متفق ہے، ساتھ ہی میں نے امام شافعی کے اعتراض کی حقیقت بھی بیان کر دی اور استحسان کے قائل ہونے کے سلسلے میں علماء کا اختلاف بھی ذکر کر دیا۔

اللہ وحدہ لاشریک سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے قول وعمل میں لغزشوں سے محفوظ رکھے۔ وہی مدد طلب کرنے کا سزاوار ہے۔ اسی پر اعتماد وتوکل ہے۔ وہی میرے لیے کافی ہے اور بہترین نگہبان ہے۔ اور کوئی تدبیر اور کوئی طاقت اللہ کی مدد کے بغیر کارگر نہیں ہے۔

●●●

(۵۲) انظر: التحبير شرح التحرير (8/3823-3831)، أصول الفقه لابن مفلح (4/1461-1467)، وأيضًا: أصول مذهب الأمام أحمد، دراسة أصولية مقارنة (568-575).

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افتاءاورسلف صالحین

مولانا خورشید عالم مدنی/پھلواری شریف، پٹنہ

افتاءنہایت نازک کام ہےاس کے لئے ایک طرف مصادرشرعیہ پر گہری نظر اصول اورقواعداستنباط سے آگہی،فقہاء کے اجتہادات کا وسیع مطالعہ، اپنے زمانہ کے احوال سے واقفیت کے ساتھ ساتھ تقویٰ وخشیت الٰہی کا وجود،اباحیت واتباع ہویٰ سے کامل اجتناب جیسے اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے۔امام نووی نے لکھا ہے کہ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ عاقل وبالغ،مسلمان،معتمد،اسباب فسق اور خلاف مروت باتوں سے دور،متورع،فقیہ النفس،سلیم الفکر،قوت استنباط کا حامل اور بیدار مغز ہو(شرح مہذب 41/1)

اہل علم نے جس طرح احکام کے استنباط اوراجتہاد کے اصول مقرر کئے ہیں اسی طرح فتویٰ دینے کے اصول کو بھی منضبط کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے اس کے متعلق درج ذیل اہم کتابیں قابل مطالعہ ہیں:الفقیہ والمتفقہ از حافظ خطیب بغدادی(م 463ھ)ادب المفتی والمستفتی لابن الصلاح(م 743ھ)آداب الفتاویٰ والمفتی والمستفتی از نووی (م676ھ)الفتیا ومناھج الافتاءازشمس الدین اصفہانی(م749ھ)اعلام الموقعین لابن القیم الجوزیہ(م 751ھ)عقود رسم المفتی لابن عابدین شامی(م1252ھ)

منصب افتاءکی عظمت واہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ کی نسبت اپنے آپ کی طرف کی ہے۔ ارشاد باری ہے﴿ويستفتونك في النساء قل الله يفتيكم فيهن وما يتلى عليكم فى الكتاب﴾ (النساء127)﴿يستفتونك قل الله يفتيكم فى الكلالة﴾(النساء146)اوراس امت کے سب سے پہلے مفتی رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔علامہ ابن القیم فرماتے ہیں:"وأول من قام بهذا المنصب الشريف سيد المرسلين وإمام المتقين وخاتم النبيين عبد الله ورسوله" (اعلام الموقعین 38/1)آپ کی ہر بات وحی پر مبنی اورمنشائے ربانی کی ترجمانی ہوتی تھی۔﴿وما ينطق عن الهوىٰ إن هو إلا وحي يوحىٰ(النجم 4-3)اللہ تعالیٰ نے اپنے منشا کی تشریح وتوضیح اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کی۔﴿لتبين للناس ما نزل إليهم﴾ (نحل:44)

معلوم ہوا کہ مفتیان کرام کی حقیقت نائب رسول کی ہے۔ان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے درپیش مسائل ومشاکل کتاب وسنت کے حوالے سے واضح کریں جیسا کہ ارشاد باری ہے:﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ (نحل:43)پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔کاش مفتیان کرام علامہ ابن القیم کے اس جملہ کوحرز جان بنالیتے۔"ليعلم المفتي عمن ينوب فى فتواه و ليوقن انه مسئول غدا وموقوف بين يدى الله" (اعلام الموقعین:38/1)مفتی حضرات یہ جان لیں کہ وہ فتویٰ نویسی میں کس کی نیابت کررہے ہیں اوروہ یہ مان لیں کہ کل وہ اللہ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے کھڑے ہوں گے اور ان سے سوال کیا جائے گا۔

صحابہ کرام کو اس عمل کے خطرات کا شدید احساس تھا اس لئے ان کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ کوئی اور صاحب اسے انجام دے دیں لیکن جب کوئی چارۂ کار نہ ہوتا تب وہ اس سے عہدہ برہونے کی کوشش کرتے تھے جیسا کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں "أدركت عشرين و مائة من الأنصار و ما منهم من أحد يحدث بحديث الا ود أن أخاه كفاه الحديث ولا يسأل عن فتيا إلا ود أن أخاه كفاه الفتيا" (سنن الدارمی ج ۱ صفحہ ۱۲۰ حدیث رقم: ۱۳۷) میں نے 120 انصاری صحابہ کو دیکھا ان میں سے جو کوئی بھی حدیث بیان کرتا تو اس کی خواہش یہ ہوتی کہ ان کا ساتھی حدیث بیان کرے اور ان میں سے کسی سے بھی کوئی فتویٰ پوچھا جاتا تو وہ پسند کرتے کہ ان کا کوئی اور ساتھی اس کام کو انجام دے۔

صحابہ کرام کو جب کبھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے مسائل پیش کرتے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی الجھنوں کو دور فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے ان فتاویٰ کو علامہ ابن القیمؒ نے جمع کرنے کی کوشش کی ہے (دیکھیں اعلام الموقعین 4/330-398)

افتاء اور سلف صالحین:

آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام کی پاکباز جماعت نے آپ کی صحبت اور درسگاہ میں تربیت پاکر افتاء کی ذمہ داری کو نبھایا۔ چونکہ یہ امت مسلمہ کی ایک ایسی ضرورت تھی جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ امام ابن حزم نے ''اصحاب الفتیا'' میں 142 صحابہ کرام اور 20 صحابیات کا تذکرہ کیا ہے جو فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اور علامہ ابن القیم اعلام الموقعین (39/1) میں تحریر فرماتے ہیں: "والذى حفظت عنهم الفتوىٰ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مائة ونيف وثلاثون نفسا ما بين رجل وإمرأة" ایک سوتیس سے زیادہ اصحاب رسول بشمول صحابہ کرام وصحابیات فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ان میں سات صحابہ کرام کثرت افتاء میں مشہور ومعروف تھے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں: عمر بن خطاب، علی بن أبی طالب، عبداللہ بن مسعود، عائشہ ام المومنین، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔

حافظ ابن القیم علامہ ابن حزم کے اس قول کو بھی نقل کرتے ہیں: قال ابو محمد بن حزم: ويمكن أن يجمع من فتوىٰ كل واحد. ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ اس قدر ہیں کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے۔

یہ صحابہ کرام جو علم کے پہاڑ، کتاب وسنت کے بڑے جانکار اور درسگاہ نبوت کے فیض یافتگان تھے یہ مختلف علاقوں میں جاکر لوگوں کو قرآن وحدیث کی تعلیمات سے بہرہ ور کیا اور اپنے علوم سے ایک صدی تک قلوب انسانی منور کرتے رہے۔

ان کے بعد اجلہ تابعین منصب افتاء پر فائز ہوئے۔ مدینہ میں فقہاء سبعہ نے افتاء کی ذمہ داری خوب نبھائی۔ وہ ہیں سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق، عبیداللہ بن عبداللہ، خارجہ بن زید بن ثابت، ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ تعالیٰ۔

إذا قيل من فى العلم سبعة أبحر روايتهم ليست عن العلم خارجه

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقل:هم عبيد الله،عروة،قاسم سعيد، أبو بكر،سليمان ،خارجه

ان کے بعد محمد شہاب زہری، عبدالرحمٰن بن قاسم محمد بن المنکدر راور دیگر فقہاء کے ذریعہ یہ شمع افتاء فروزاں رہی اور امام مالک اور ان کے تلامذہ تک پہنچی۔ امام مالک کے طلاق مکرہ اور امام احمد بن حنبل کے مسئلہ خلق قرآن سے متعلق فتاویٰ نے بادشاہوں اور حکمرانوں کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کر دیا جس کی پاداش میں آہنی زنجیریں، کوڑے کی ضرب، اور ابتلاء و آزمائش کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جسے ان ائمہ ہدیٰ و مردان باصفا نے بخوشی برداشت کر لیا اور ''فتوی'' کے تقدس پر آنچ نہیں آنے دیا۔

مکہ مکرمہ میں درسگاہ عبداللہ بن عباس کے فیض یافتگان اور ان کے ارشد تلامذہ نے افتاء کے پرچم کو بڑے سلیقہ سے لہرایا جن میں عطا بن ابی رباح، طاؤس بن کیسان، مجاہد بن جبر، عمرو بن دینار اور عکرمہ مولیٰ ابن عباس خصوصی طور پر مشہور ہوئے۔

کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تربیت پانے والے علقمہ بن قیس، اسود بن یزید، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عمرو بن میمون اور ہمام بن حارث نے افتاء کا سلسلہ شروع کیا اور یہ سلسلہ دراز ہو کر ابن شبرمہ، قاضی شریک، سفیان ثوری تک پہنچا پھر ان کے تلامذہ نے اس عمل جلیل کو جاری وساری رکھا (تفصیل کے لئے دیکھیں اعلام الموقعین ج ۱ ص ۵۲-۵۶)

اسی طرح مصر، قیروان، اندلس، شام، یمن اور بغداد میں بھی ممتاز اصحاب علم وفضل نے اپنے دور میں فن فتویٰ نویسی کو عروج بخشا۔ عوام اپنے مسائل کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے رہے اور یہ عروج اپنے نقطہ عروج کو پہنچا اور اقصائے عالم میں کتاب وسنت کی باد بہاری چلنے لگی۔

برصغیر میں فتویٰ نویسی کا کام اور فتاویٰ کے مجموعوں کی ترتیب کی تاریخ بہت قدیم ہے اس سلسلہ میں غالباً پہلا نام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۱۵۹ھ) کے فتاویٰ عزیزی کا لیا جا سکتا ہے، اس کی اصل زبان فارسی ہے اور اردو میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے جس میں رد بدعت پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح شاہ محمد اسحاق کے مسند درس کے وارث میاں نذیر حسین محدث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) کے فتاویٰ نذیریہ (دو جلدوں میں) نہایت اہم اور نادر علمی مجموعہ ہے جس سے اہلحدیث علماء، محقق اور مفتی حضرات استفادہ کرتے ہیں، اس مجموعہ فتاویٰ کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام ائمہ امت کے اقوال وآراء سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے قرآن وسنت، سلف صالحین کی آراء ودلائل کی بنیاد پر فتویٰ دیا گیا ہے اور مختلف فقہی مذاہب کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے جس کے متعلق قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری لکھتے ہیں 'میاں صاحب نے اپنی وفات سے ۲۷ برس پہلے حسرت بھری آواز میں فرمایا تھا کہ کاش میرے فتاوے جمع رکھے جاتے تو آج فتاویٰ عالمگیری سے چار گنا زیادہ ہوتے۔ (پاک وہند میں اہلحدیث کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات، ص ۴۷)

فتاویٰ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ):

اس کے مرتب محمد عزیز شمس صاحب ہیں جنہوں نے مولانا کے مطبوعہ وقلمی فتاویٰ کو جمع کر کے بڑی عمدگی کے ساتھ مرتب کیا ہے ساتھ ہی فارسی یا عربی فتاویٰ کا ترجمہ کر کے اس مجموعہ میں شامل کیا ہے۔ ان فتاویٰ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ مولانا شمس الحق صاحب نے مدلل ومفصل انداز فتویٰ اختیار کیا ہے۔ قرآنی آیات، احادیث، فقہ اور کتب رجال وغیرہ کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باقاعدہ حوالہ دے کراس مجموعہ کوشاندارعلمی مجموعہ بنادیا ہے۔۱۹۸۹ء میں علمی اکیڈمی فاؤنڈیشن کراچی نے اسے شائع کیا ہے جوخدابخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے،کتاب کی ابتداء میں شیخ محمدعزیز صاحب کاایک گرانقدرمقدمہ بھی ہے۔

فتاویٰ ثنائیہ:

یہ مشہورومعروف مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام ثناءاللہ امرتسری (م۱۳۶۷ھ) کےفتاویٰ پرمشتمل ہے جواخباراہلحدیث امرتسر میں شائع ہونے والےمختصرفتاویٰ پرمشتمل ہے۔اس کی تدوین مولانامحمدداودراز دہلوی نے کی جودوجلدوں میں شائع ہواہے۔

اسلامی فتاویٰ:

یہ مجموعہ فتاویٰ مولاناعبدالسلام بستوی کی علمی کاوش ہے۔سوال وجواب کی صورت میں ایک علمی ذخیرہ ہےاوراس میں جوابات بڑے مدلل اورمفصل لکھے گئے ہیں،ابتداء میں علامہ ابن القیم کی کتاب 'اعلام الموقعین' میں سے آداب فتاویٰ کی قیمتی مبحث بھی اردو میں شامل اشاعت ہے،کتب خانہ مسعودیہ اردوبازاردہلی نے اسے شائع کیاہے۔

ان کے علاوہ مولانا محمدسعید بنارسی (م۱۳۲۲ھ) کے فتاویٰ کا ایک مختصر مجموعہ' فتاویٰ سعیدیہ' مولانا عبدالجبار غزنوی (م۱۳۳۴ھ) کےفتاویٰ غزنویہ،مولاناابوالحسنات علی محمدسعیدی کے مرتب کردہ 'فتاویٰ علمائے اہلحدیث' (۱۱جلدوں میں) مولاناحافظ عبداللہ روپڑی (م۱۳۸۴ھ) کےفتاویٰ اہلحدیث،مولاناعبدالستارمحدث دہلوی کے'فتاویٰ ستاریہ' مولانامحمد اسماعیل سلفی (م۱۳۸۷ھ) کےفتاویٰ کامختصرمجموعہ بنام'فتاویٰ سلفیہ'اورشیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی (م۱۴۱۴ھ) کی علمی وفقہی فتاویٰ وتحریروں کامجموعہ (دوجلد) 'فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری' کےنام سےطبع ہوچکے ہیں جن کےمطالعہ سےاہلحدیث علماء کرام کی مجتہدانہ فکروانداز کاپتہ چلتاہےاوریہ احساس بھی کہ کس دردمندی کےساتھ ان نفوس قدسیہ نے اپنے اپنے زمانے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں فتاویٰ دےکرامت مسلمہ کوتمسک بالکتاب والسنہ کی دعوت دی اورمنہج سلف اختیارکرنے کی تلقین فرمائی اورکس فکرمندی کےساتھ بڑی محنت اورعرق ریزی کرکےاپنے اخلاف (آئندہ نسلوں) کےاستفادہ کےلئے نادرعلمی خزانے چھوڑگئے۔

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے　　　سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ان مجموعہائے فتاویٰ کے علاوہ دیگر بلند پایہ علمی شخصیتوں اورعلماءکرام نے بھی 'فن فتویٰ نویسی' کواپنی علمی وفقہی صلاحیتوں سےنوازااوراسے طاقت پروازعطاکی ہے،ان میں مولانانذیراحمدرحمانی،مولانامحمدادریس آزادرحمانی،مولاناعبد السبحان اعظمی عمری،مولاناصوفی عبدالرحمٰن سلفی اجوروی (دربھنگہ) مولانامحمدرئیس ندوی،مولاناعبدالرحمٰن مبارکپوری،شیخ عطاء الرحمٰن مدنی،مولاناعبدالسلام مدنی،مفتی عبدالعزیزحقانی،مولاناابوالعاص وحیدی وغیرہم قابل ذکرہیں۔

کاش!اگران مفتیان کرام کےفتاوےمرتب ومدون کرکےزیورطباعت سےآراستہ کردیئےجاتےتواخوان جماعت مستفید ہوتے،کتاب وسنت کی دعوت عام ہوتی اورجماعت اہلحدیث پربڑااحسان ہوتا۔امید ہےکہ جامعہ سلفیہ بنارس کے بابصیرت مسئولین اس موضوع پرسنجیدگی سےغورفرمائیں گے۔واللہ الموفق والھادی الی سواءالسبیل۔　☆☆

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متنازع مسائل اور سلفی منہج

مولانا محمد ایوب سلفی/ استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

اسلام دین فطرت ہے، اس کے اصول وقوانین، ضابطے وطریقے، اس کے جملہ اعمال وحرکات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے اخذ کیے جاتے ہیں، ایک شخص سچا مومن، حقیقی مسلم اور اللہ کا نیک اور صالح بندہ اسی وقت بن سکتا ہے جب وہ اپنی زندگی گذارنے کے مکمل طریقے اس نور اور وحی الہی سے اخذ کرے جس نور کو اللہ تعالی نے اپنے نبی محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿فالذين آمنوا وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذي أنزل معه أولئك هم المفلحون﴾ (الاعراف:۱۵۷) سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

آپ ﷺ نے جو تعلیمات پیش فرمائیں ان کی صداقت وحقانیت کی ایک دنیا معترف ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں، ورنہ ایک امی نہ ایسا قرآن پیش کرسکتا ہے اور نہ ایسی جامع تعلیمات اور واضح ہدایات دنیا کو دے سکتا ہے، جو عدل وانصاف کا بہترین نمونہ اور انسانیت کی فلاح وکامرانی کے لیے ناگزیر ہیں، انھیں اپنائے بغیر دنیا حقیقی امن وسکون اور راحت وعافیت سے ہمکنار نہیں ہوسکتی ہے، بلاشبہ مذہب اسلام اور اسلامی تعلیمات انسانیت کی فلاح وکامرانی کی ضامن ہیں، دینی ودنیوی اعتبار سے ایک کامیاب انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام گوشوں میں اسلام بلفظ دیگر قرآن اور احادیث نبویہ سے روشنی حاصل کرے، اسلام کی حقیقی روح اور اس کی حقیقی تعلیمات تک پہونچنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم منہج سلف اور سبیل المومنین کی پیروی کریں۔ بدقسمتی سے آج اسلام میں بہت سارے فرقے اور مختلف جماعتیں پیدا ہوگئی ہیں اور ہر فرقہ، ہر گروہ اور ہر جماعت کے فہم اسلام کا انداز ومنہج الگ اور جداگانہ ہے اور ہر جگہ گروہی عصبیت پائی جاتی ہے۔

مختلف جماعتوں اور گروہوں کے مختلف مناہج میں سے ایک سلفی یا اہلحدیث منہج بھی ہے۔ یہ ایسا منہج ہے جس میں نہ کسی شخصیت کا عمل دخل ہے اور نہ اس میں کوئی خارجی عصبیت پائی جاتی ہے، بلکہ یہ سب سے بہتر، اختلاف وانتشار کو مٹانے والا، نبوی تعلیمات سے قریب کرنے والا، اسلام کی حقیقی روح ومزاج کا آئینہ دار اور مومنین کی راہوں کی رہنمائی کرنے والا منہج ہے، اسلام کے متنازع ومختلف فیہ مسائل کے حل میں سلفی منہج کس قدر مفید، واضح اور اقرب الی الصواب ہے اس کی وضاحت سے پہلے سلفیت اور سلفی منہج کے معنی ومفہوم کی وضاحت کردینا ضروری ہے۔

سلفی کا لغوی واصطلاحی معنی:

لفظ ''سلفی'' سلف کی طرف منسوب ہے اور لفظ سلف "سلف يسلف" سے بنا ہے جس کا معنی ہے گذرنا اور آگے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونا، کہتے ہیں "سلف له عمل صالح" اس سے اچھے عمل کا صدور پہلے ہوا، "سلف القوم" وہ قوم سے آگے ہوگیا۔ (مختار الصحاح ص ۳۰۹ والمعجم الوسیط: ۱/۴۴۴)

مشہور ومعروف لغوی ابن منظور لفظ سلف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''سلف ان گذرے ہوئے آباء واجداد اور قرابت داروں کو کہا جاتا ہے جو علم وفضل اور عمر میں فوقیت رکھتے ہیں''۔ (دیکھئے: لسان العرب: ۹/۱۵۹)

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے سلف کا معنی بایں الفاظ بیان فرمایا ہے: ''سلف کا اطلاق کسی بھی فرد کے ان آباء واجداد اور دیگر قرابت داروں پر ہوتا ہے جو پہلے وفات پا چکے ہیں، اسی لیے تابعین عظام کی اولین جماعت کو سلف صالح کہا جاتا ہے''۔ (النہایة فی غریب الحدیث: ۲/۳۹۰)، اسی لفظ ''سلف'' کی طرف نسبت کرکے لفظ ''سلفی'' استعمال کیا جاتا ہے۔ المعجم الوسیط میں لفظ سلفی کا درج ذیل معنی بتایا گیا ہے: "من يرجع في الأحكام الشرعية إلى الكتاب والسنة ويهدر ما سواهما" (المعجم الوسیط: ۱/۴۴۴) سلفی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو شرعی احکام میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ان دونوں کے علاوہ کو حجت نہیں مانتا۔ سلف کی اصطلاحی تعریف میں علماء کے مختلف آراء کا خلاصہ دکتور رضاء اللہ محمد ادریس رحمہ اللہ نے بایں الفاظ بیان فرمایا ہے: ''جملہ تعریفات کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ سلف کا اطلاق اصطلاح میں صحابہ کرام، یا صحابہ وتابعین عظام یا صحابہ وتابعین کے ساتھ تبع تابعین اور ائمہ پر ہوتا ہے، جن کے علم وفضل، امامت اور اتباع کتاب وسنت کی شہادت دی گئی ہو''۔ (دیکھئے: سلفیت کا تعارف از دکتور رضاء اللہ ادریس مبارکپوری رحمہ اللہ ص ۱۲)

علامہ سفارینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سلف سے مراد صحابہ، تابعین، اتباع تابعین اور وہ عادل وثقہ ائمہ اسلام ہیں، دین میں جن کی امامت اور عظمت شان مسلم ہے اور مسلمانوں نے جن کے کلام کو قبولیت کا درجہ دیا ہے، سلف میں وہ شامل نہیں ہیں جو بدعتی اور ناپسندیدہ القاب جیسے خوارج، رافضہ، قدریہ، مرجئہ، اشعریہ، معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ سے ملقب ہیں۔ (لوامع الأنوار البہیة: ۱/۲۰ اور دیکھئے المختصر الحثیث فی بیان أصول منہج السلف أصحاب الحدیث از عیسی مال اللہ فرج ص ۱۶)

لہذا سلفی اس شخص کو کہا جائے گا جو عقیدہ، شریعت، اخلاق وعادات اور دعوت کے اعتبار سے سلف صالحین کے طریقہ پر ہو، بقول شیخ ابن باز ''سلف صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین میں جن کی فضیلت زبان نبوی سے وارد ہے اور جو ان کے طریقے پر چلے گا وہ سلفی کہلانے کا مستحق ہے۔ (دیکھئے المختصر الحثیث فی بیان أصول منہج السلف ص ۱۷)

منہج کا معنی ومفہوم:

المنهج المنهاج والمنهاج الطريق الواضح. (المعجم الوسیط: ص ۹۵۷)

منہج اور منہاج لغت میں واضح اور کھلے ہوئے راستہ کو کہتے ہیں، قرآن کریم کے اندر اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿لكل جعلنا منكم شرعة ومنهاجا﴾ (المائدہ: ۴۸) تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کردی۔

منہج کی اصطلاحی تعریف:

اصطلاح میں منہج ان اصول وقواعد کو کہتے ہیں جو علمی بحث ودراسہ میں استعمال کیے جاتے ہیں جیسے عربی زبان وادب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قواعد، عقیدہ، فقہ اور تفسیر وغیرہ کے اصول وضوابط۔(دیکھئے المختصر الحسثیث ص ۱۵)

زیر نظر مضمون میں منہج سے وہ اصول وقواعد مراد ہیں جو فہم اسلام کے لیے اپنائے جاتے ہیں۔ دنیا کے اندر کسی بھی کام کو انجام دینے کے لیے یا کسی علم وفن کے اندر درک کامل حاصل کرنے اور اس کے مالہ وماعلیہ پر عبور حاصل کرنے کے لیے کچھ اصول وضوابط کی پابندی ضروری ہے۔ اصولوں اور مناہج کی پابندی کیے بغیر علوم وفنون میں مہارت پیدا کرنا ممکن نہیں۔ اسی طرح فہم اسلام کے لیے بھی منہج کی پابندی ضروری ہے۔ زمانہ نبوی ہی میں فہم اسلام کے کچھ اصول وضوابط سامنے آگئے تھے۔ صحابہ کرام نے ان ضوابط کی پابندی کرکے صحیح اسلام تک رسائی حاصل کی اور اسی صحیح اور واضح طریقہ اسلام کو دنیا کے گوشے گوشے تک پہونچایا۔

فتنے، اختلافات اور گروہ بندی کے اس دور میں بھی ہم اسی طریقہ کی پابندی کرکے صحیح اسلام تک پہنچ سکتے ہیں جس طریقہ کی پابندی صحابہ کرام نے کی۔

صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ سے دین حاصل کرنے کا طریقہ:

اللہ کے رسول ﷺ جب دنیا میں نبی کی حیثیت سے تشریف لائے اور دین اسلام کی تبلیغ شروع کی تو دھیرے دھیرے لوگ آپ پر ایمان لانے لگے اور آپ ﷺ انھیں اللہ کی کتاب اور اپنی سنت کی تعلیم دیتے تھے، صحابہ کرام بھی اللہ کے رسول ﷺ کے اقوال وافعال، ارشادات وتوجیہات اور تقریرات کی مکمل پیروی کرتے، نبی کریم ﷺ نے وحی الٰہی کے ذریعہ یہ قرآنی ضابطہ عطا فرمایا: ﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا﴾ (الاحزاب:۳۶) کسی مومن مرد اور عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی بھی امر کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس آیت کریمہ کا واضح اور صاف مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد کسی مومن مرد وعورت کو یہ قطعی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنا اختیار بروئے کار لائے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کردے، تمام صحابہ کرام کی مکمل زندگی اسی قرآنی اصول کی پابند نظر آتی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ جوتے پہن کر نماز کی امامت فرمارہے تھے اسی درمیان آپ ﷺ نے جوتوں کو اتار کر اپنی دائیں جانب رکھ دیا، صحابہ کرام نے دیکھا تو انھوں نے بھی فوراً اپنے جوتے اتار دیئے، جب آپ ﷺ نماز پڑھا چکے تو آپ نے سوال کیا: "ما حملكم على القاء نعالكم" آپ لوگوں نے کیوں اپنے جوتے اتار دیئے، صحابہ کرام نے جواب دیا: "رأيناك القيت نعلك فالقينا نعالنا" آپ کو دیکھ کر ہم نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جبرئیل علیہ السلام نے آکر مجھے بتایا کہ آپ کے جوتوں میں گندگی لگی ہوئی ہے تو اسے پونچھ کر صاف کرلے اور پھر نماز ادا کرے''۔ (سنن ابوداود، أبواب الاجابة، برقم ۶۵۰ وصححہ الألبانی)

حدیث مذکور صحابہ کرام کے اتباع نبوی کی واضح تصویر ہے، اس قسم کے بے شمار واقعات سے ان کی زندگی بھری پڑی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔معلوم یہ ہوا کہ صحابہ کرام نے اسلام فہمی کی بنیاد مکمل اتباع رسول ﷺ پر رکھی اور تعلیمات نبوی سے انحراف کو انھوں نے بالکل گوارہ نہ کیا،انھوں نے براہ راست نبی کریم ﷺ سے دین سیکھا اور آپ کے بعد انھوں نے وہی دین عام کیا جسے انھوں نے نبی کریم ﷺ سے حاصل کیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان کے منہج اور طریقہ کو''سبیل المؤمنین'' قرار دیا اور ان کے دین کو بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے معیار قرار دیا،ارشادربانی ہے: ﴿فإن آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا وان تولوا فإنما هم في شقاق﴾ (البقرۃ:۱۳۷)اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پا جائیں اور اگر منہ موڑیں تو خلاف میں ہیں۔اس آیت کریمہ کے اندر اللہ تعالی نے صحابہ کرام کے ایمان کو بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے معیار ونمونہ قرار دیا ہے۔دوسری جگہ اللہ تعالی یوں ارشاد فرماتا ہے: ﴿ومن يشاقق الرسول من بعد من تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساء ت مصيرا﴾ (النساء:۱۱۵)جو شخص راہ راست کے واضح ہو جانے کے بعد رسول ﷺ کی مخالفت کرے اور مومنین کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور اسے دوزخ میں داخل کر دیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔اس آیت کریمہ میں مومنین سے مراد صحابہ کرام ہیں جو دین اسلام کے اولین پیرو اور اس کی تعلیمات کا کامل ترین نمونہ تھے اور چونکہ تعلیمات اسلام کے نزول کے وقت مومنین کا کوئی اور گروہ موجود نہیں تھا اس لیے بدیہی طور پر اس آیت کریمہ میں ''مؤمنین'' سے مراد صحابہ کرام کی ہی جماعت ہے۔اس لیے رسول کی مخالفت اور غیر سبیل مومنین کا اتباع دونوں حقیقت میں ایک ہی چیز ہے۔(تفسیر احسن البیان ص ۲۶۵ اور عام کتب تفسیر)

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی اسلام کی واضح تصویر تھی،اسی لیے اللہ تعالی نے ان کے طریقے اور راستے سے انحراف کو ضلالت اور باعث جہنم قرار دیا۔

اختلاف وانتشار سے بچنے کا قرآنی ضابطہ:

انسان کی طبیعتیں مختلف ہوا کرتی ہیں،ان کے مزاج میں اللہ تعالی نے فرق پیدا کیا ہے،اس لیے عام انسانی زندگی کے مسائل ومعاملات میں اختلاف تو ہوتا ہی ہے دینی اور شرعی مسائل میں بھی ہر دور میں اختلافات رونما ہوتے آتے ہیں حتی کہ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں بھی صحابہ کرام بعض مسائل میں اختلاف کر لیتے تھے، ان کے بعد کے دور میں بھی اختلافات پیدا ہوئے۔اسلام انسانوں کے مابین اتحاد قائم کرنے کے لیے اور انسانیت کو فلاح وکامرانی کا راستہ دکھانے کے لیے آیا ہے،چونکہ اختلاف وانتشار انسانیت کے لیے مفید نہیں بلکہ سخت مضر ہے،بلکہ اختلاف انسانی عظمت کو نابود کر دیتا ہے، اس لیے اسلام انسانی اختلاف کو دور کرنے پر مکمل توجہ دیتا ہے اور ایسا طریقہ بتاتا ہے کہ اس پر عمل پیرا ہو کر انسان اپنے آپسی اختلافات کو دور کر کے اتحاد واتفاق کی راہ پر چل سکتا ہے۔درج ذیل نصوص قرآنی سے ہمیں اس پہلو کی جانب واضح رہنمائی مل رہی ہے،ارشاد ربانی ہے: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا واذكروا نعمت الله عليكم اذ كنتم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته اخوانا﴾ (آل عمران:۱۰۳)اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں اختلاف پیدا نہ کرو اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمھارے دلوں میں الفت پیدا کردی اور تم اس کی مہربانی سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ مذکورہ آیت کے اندر تقوی کا حکم دینے کے بعد اعتصام بحبل اللہ کی تاکید کی گئی ہے اور یہی دو ایسے اصول ہیں جن پر چل کر انسانیت فوز وفلاح سے ہمکنار ہوسکتی ہے اور اتحاد بھی انھیں اصولوں پر قائم ہوسکتا اور باقی رہ سکتا ہے۔ ایک اور جگہ پر ہدایت انہی الفاظ میں وارد ہے: ﴿قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم والله غفور رحيم﴾ (آل عمران:۳۱) اے نبی ﷺ آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمھیں محبوب بنالے گا اور تمھارے گناہوں کو بخش دے گا اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ منشا الٰہی اتباع رسول ﷺ ہے اور کوئی شخص اتباع رسول کے بغیر اللہ کا محبوب بندہ ہرگز نہیں بن سکتا ہے۔

اللہ تعالی مزید ارشاد فرمایا ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم فإن تنازعتم في شيء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تأويلا﴾ (النساء:۵۹) اے مومنو! اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو اور علماء اور حکام کی اطاعت کرو، اگر کسی چیز میں اختلاف ہو تو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، اسی میں تمھاری خیر ہے اور عاقبت کے لیے یہی اچھا ہے۔

اس آیت کریمہ کے اندر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ علماء اور حکام کی اطاعت کا بھی حکم ہے، لیکن اللہ کی اطاعت مستقل ہے، اسی طرح رسول کی اطاعت بھی مستقل ہے، لیکن امراء اور علماء کی اطاعت اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے تابع ہے۔ عقیدہ کے مسائل ہوں، عبادات کے مسائل ہوں یا فروعی مسائل ہوں اختلاف کے وقت ہر ایک کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت سے حل کیا جائے گا، ارشاد ربانی ہے: ﴿وما اختلفتم فيه من شيء فحكمه إلى الله﴾ (الشوری:۱۰) کسی بھی چیز میں آپس میں اختلاف کرو تو اس کا حل اور فیصلہ اللہ ہی سے لو۔ ایک اور جگہ پر اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿قل أطيعوا الله وأطيعوا الرسول فإن تولوا فانما عليه ما حمل وعليكم ما حملتم وان تطيعوه تهتدوا وما على الرسول الا البلاغ المبين﴾ (النور:۵۴) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اگر تم پر اس کی جواب دہی ہے، جس کا مکلّف تمھیں بنایا گیا ہے، ہدایت تو تمھیں اس وقت ملے گی جب رسول کی اطاعت کروگے، رسول کے ذمہ تو صرف صاف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات میں بالکل صریح ہے کہ اللہ اور رسول ہی کی اطاعت میں ہدایت ہے اور عدم اطاعت میں سراسر گمراہی ہے۔ اس معنی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ومفہوم کی بہت ساری آیات قرآن کریم کے اندر موجود ہیں، ان سب کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔

انھیں چند آیات سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اختلاف کا، اختلافی مسائل کا اور آپسی نزاعات کا حل صرف اور صرف اتباع کتاب وسنت میں ہے۔ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ کتاب وسنت کو سمجھنے کے لیے ہمیں فہم صحابہ وتابعین کو سامنے رکھنا ہوگا۔ اس لیے کہ وہ اولین مومنین ہیں جن کے راستے کی پیروی کرنے کیہدایت خود اللہ نے دی ہے جیسا کہ سورہ نساء کی ایک سو پندرہ نمبر کی آیت اور دوسری آیات سے وضح ہے۔ یہی وجہ ہے فہم کتاب وسنت میں سلفی منہج وطریقہ تقلید شخصی اور آزاد فہمی کے مقابلہ میں زیادہ محفوظ، زیادہ مناسب اور حق تک پہنچنے کے لیے سب سے واضح اور پرامن راستہ ہے۔ اور وہ یہی راستہ ہے کہ اختلافی ونزاعی مسائل میں کتاب وسنت، فہم صحابہ وتابعین اور استخراجات واستنباطات ائمہ ہدی کی طرف رجوع کیا جائے اور فقہی وشخصی جمود کو ترک کرکے نیتوں میں اخلاص پیدا کرکے اور دلوں میں حق تک پہنچنے کا جذبہ پیدا کرکے کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے۔

دکتور مصطفی حلمی فرماتے ہیں: آج مسلمان اگر تعمیر وترقی کی راہ ڈھونڈتے ہیں تو معلوم ہو کہ اتحاد اور وحدت کے سوا ان کی ترقی کی کوئی راہ نہیں اور وحدت اور اتحاد امت کی ایک ہی راہ ہے اور وہ ہے صحیح اسلام اور صحیح اسلام کا مرجع قرآن وسنت ہے اور یہی سلفی رجحان کا خلاصہ ہے۔ (قواعد المنہج السلفی ص ۱۳)

شریعت کے اندر یہ آسانی بھی فراہم کی گئی ہے کہ ایک مجتہد حاکم یا مفتی جب کسی اختلافی مسئلہ میں اجتہاد کرتا ہے یا فتوی دینے کی کوشش کرتا ہے اور اجتہاد اور افتاء کے جملہ شروط وآداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے پورا اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ نصوص کتاب وسنت، فہم صحابہ وتابعین واتباع تابعین اور اجتہادات واستنباطات ائمہ ہدی پر غور وفکر کرکے اختلافی مسائل میں اپنی کوئی رائے قائم کرکے اس پر خود عمل کرتا اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کی ترغیب دیتا ہے، اگر اس کی یہ رائے درست اور حق ہے پھر بھی وہ اکہرے اجر کا مستحق ہے، ارشاد نبوی ہے: "إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر" (البخاری، الاعتصام: ۷۳۵۲) حاکم اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کرے اور درستگی کو پہنچ جائے تو اس کے لیے دو اجر ہے اور فیصلہ میں اجتہاد کرتے ہوئے اس سے غلطی سرزد ہوجائے پھر بھی وہ ایک اجر کا مستحق ہے۔ آیئے چند مثالوں کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اختلافی مسائل کے اندر محدثین کا طریقہ اور اہل حدیث وسلفی طرز عمل کیا ہے، اور حق تک پہنچنے کے لیے ان کی کاوشیں کس حد تک قابل قدر، لائق اتباع اور مخلصانہ ہے۔

نماز ایک اہم عبادت اور رضائے الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ اور فرائض اسلام میں سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اس کے تمام ارکان اور طریقے منصوص ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث بھی ہے: "صلوا كما رأيتموني أصلي" (البخاری، الأذان، برقم: ۶۳۱) تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ آج مسلمانوں کے درمیان اس اہم عبادت کی ادائیگی کے مختلف اور الگ الگ طریقے رائج ہیں۔ یہاں میں صرف ایک مثال دینا چاہتا ہوں، نماز

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں رفع الیدین کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، مسلمانوں کی ایک جماعت رکوع میں جاتے، رکوع سے اٹھتے اور دو رکعات پوری کر کے تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت رفع الیدین کرتی ہے اور بعض دوسرے لوگ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرنے کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ سے جو کچھ وارد ہے وہ کچھ اس طرح ہے: "عن ابن عمر رضي الله عنه أن النبي ﷺ كان يرفع يديه حذو منكبيه إذا افتتح الصلاة وإذا كبر للركوع وإذا رفع رأسه من الركوع" (البخاری، الاذان، برقم: ۷۳۵، ومسلم برقم: ۳۹۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے، اسی طرح جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی کندھوں تک اپنے ہاتھ اٹھاتے۔ بعض دوسری روایات میں تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت بھی رفع الیدین کرنے کا ذکر ہے۔ (بخاری، الاذان: ۷۳۹، وأبوداؤد: ۷۴۱)

مذکورہ روایات اور اس قسم کی دوسری روایات کی صحت وصراحت کو سامنے رکھتے ہوئے محدثین کی ایک بڑی جماعت مذکورہ جگہوں میں رفع الیدین کرنے کی قائل ہے۔ جمہور صحابہ وتابعین، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمھم اللہ بھی تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے وقت رکوع سے اٹھتے وقت بھی رفع الیدین کے قائل ہیں حتی کہ امام شافعی نے تو یہاں تک کہا ہے کہ رفع الیدین کو صحابہ کی اتنی بڑی جماعت نے روایت کیا ہے کہ شاید اس سے زیادہ تعداد کے ساتھ کبھی بھی کوئی حدیث روایت نہ کی گئی ہو۔ ان سب کے باوجود احناف کا کہنا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی بھی جگہ پر رفع الیدین کرنا ثابت نہیں ہے۔ (دیکھیے تحفۃ الاحوذی: ۱۱۳/۲، نیل الاوطار: ۶۹۲/۱، الفقہ الاسلامی وأدلتہ: ۸۷۱/۲، الأم للشافعی: ۲۱۶/۱) امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ جزء رفع الیدین کے نام سے تحریر فرمایا ہے اور اس میں یہ روایت نقل کی ہے کہ "تمام صحابہ رفع الیدین کرتے تھے"۔ (دیکھئے تحفۃ الاحوذی: ۱۱۲/۲، وتلخیص الحبیر: ۲۲۰/۱)

عدم رفع الیدین کے اثبات پر احناف جن روایات سے استدلال کرتے ہیں ان میں سے ایک حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے اور فرمایا: "ما لي أراكم رافعي أيديكم كأنها أذناب خيل شمس اسكنوا في الصلاة" (مسلم: الصلاۃ برقم: ۴۳۰، وأبوداود: ۱۰۰۰) کیا بات ہے کہ میں تمھیں رفع الدین کرتے ہوئے دیکھتا ہوں، گویا کہ تمھارے ہاتھ سرکش گھوڑوں کی دمین ہیں، نماز میں سکون سے رہا کرو۔ یہ حدیث اگر عدم رفع الیدین کے لیے دلیل مانی جاتی ہے مگر اس میں یہ وضاحت بالکل نہیں ہے کہ یہ ممانعت رکوع والے رفع الیدین سے متعلق ہے۔ اس حدیث کے ورود کا ایک خاص سبب ہے جیسا کہ صحیح مسلم ہی کی دوسری روایت کے اندر ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ کہتے ہیں کہ جب ہم سلام پھیرتے تو اپنے ہاتھوں کے ساتھ دونوں جانب اشارہ بھی کرتے، اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا: تم اپنے ہاتھوں کو بدکے ہوئے گھوڑوں کی دموں کی مانند کیوں حرکت دیتے ہو تم میں سے کسی ایک کو تو اتنا ہی کافی ہے کہ وہ پنا ہاتھ اپنی ران پر رکھے پھر اپنی دائیں اور بائیں جانب بیٹھے ہوئے بھائی کو سلام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرے۔(مسلم:۴۳۱ وأبوداود:۹۹۸)لہذا اس روایت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ محدثین اس روایت کو اثبات رفع الدین والی روایتوں کے معارض مان کر رفع الیدین کی منسوخیت کی بات کریں۔

مانعین رفع الیدین کی ایک اہم دلیل یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی: "فلم يرفعوا أيديهم الا عند الاستفتاح" (دارقطنی:۲۹۵/۱،وبیہقی:۷۹/۲)یعنی ان سب نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع الیدین نہیں کیا۔

یہ روایت محدثین کے نزدیک لائق حجت نہیں ہے، امام ابن جوزی نے اسے موضوع قرار دیا ہے اور امام دارقطنی اس کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں محمد بن جابر راوی ''عن حماد'' ضعیف ہے اور امام بیہقی نے بھی اسے مرسل وموقوف کہا ہے۔

لہذا اس قسم کی روایت صحیح صریح اور مرفوع روایت کے معارض کیسے ہوسکتی ہے؟ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کانوں تک اٹھاتے "ثم لا يعود" پھر دوبارہ ایسا نہیں کرتے۔(ابوداؤد، الصلاۃ، برقم:۷۵۰ وضعفہ الألبانی)امام شوکانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ حفاظ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حدیث میں "لم يعد" کے الفاظ مدرج ہیں۔(دیکھئے نیل الاوطار:۶۹۵/۱)معلوم ہوا کہ جن احادیث وروایات سے رفع الیدین کی مشروعیت وسنیت کو رد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ یا تو ضعیف ومن گھڑت ہیں یا مبہم وغیر واضح ہیں، چونکہ دیگر صحیح وصریح روایات سے چاروں جگہوں پر رفع الیدین کرنا ثابت ہے اور صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ ہدی خصوصا ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہ کے سوا تینوں ائمہ رفع الیدین کے قائل ہیں۔لہذا اہل حدیث اور سلفی علماء سبیل المومنین اور منہج سلف کی پیروی کرتے ہوئے رفع الیدین کے اثبات کا فتوی دیتے ہیں۔

ایک مجلس کی تین طلاق ایک طلاق رجعی مانی جائے گی یا بیک وقت تینوں طلاق واقع ہوجائے گی اور فوراً شوہر بیوی کو الگ کردیا جائے گا؟ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے، اس مسئلہ میں بھی جب ہم اصل پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ حدیث نظر آتی ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں: "كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر ان الناس قد استعجلوا على أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم" (مسلم، الطلاق برقم:۱۴۷۲ وأبوداؤد:۲۱۹۹)رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں نے ایسے معاملے میں جلدی کی ہے جس میں ان کے لیے سہولت تھی تو ہمیں چاہیے کہ ان پر اسے جاری کردیں، پھر انھوں نے لوگوں پر اسے جاری کردیا۔اس روایت کا واضح مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک طلاق رجعی شمار ہوتی تھی اور یہ بات واضح ہے کہ اسلام نبی کریم ﷺ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے زمانہ ہی میں مکمل ہوا۔مزید دیکھئے

حضرت ابورکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں، پھر اس پر نادم اور پشیمان ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ابورکانہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "انها واحدة" وہ تینوں طلاقیں ایک ہی ہیں۔(مسند احمد:۱/۲۶۵)

شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔(دیکھئے فقہ الاسلام شرح بلوغ المرام ص ۶۲۱) ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ابورکانہ سے کہا کہ تم ام رکانہ سے رجوع کرلو تو انھوں نے عرض کیا کہ میں نے انھیں تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "قد علمت راجعها" مجھے معلوم ہے تم اس سے رجوع کرلو۔(ابوداؤد، الطلاق برقم ۲۱۹۶ وحسنہ الألبانی) ان تمام روایات کے پیش نظر ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرنا اور شوہر کو عدت کے درمیان رجوع کرلینے کا اختیار دینا اسلام، اہل اسلام اور منشأ نبوی ﷺ کے مطابق ہے اور اسلام کے نظریہ ''سہولت و آسانی'' کے بھی عین مطابق ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے حضرت ابن عباس، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت علی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے امام عکرمہ اور امام طاؤس وغیرہم کا بھی یہی فتوی ہے۔(دیکھئے: اغاثۃ اللہفان:۱/۳۲۹، وفتح الباری:۱۰/۴۵۶) امام ابن تیمیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔(دیکھئے الفتاوی:۳/۱۶، ۱۷) امام ابن قیم بھی اسی موقف کو ترجیح دیتے ہیں۔(دیکھئے زاد المعاد:۵/۲۴۱ و اعلام الموقعین:۳/۳۰)

اس موقف کو اختیار کرنے میں سلفی علماء کے سامنے نبی کریم ﷺ کی ہدایات وتوجیہات، صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ ہدی کے فتاوے ہیں، اس کے خلاف نظریہ کی دلیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل اور اس عمل پر اجماع کا دعوی ہے، لیکن اولاً یہ دعوی صحیح نہیں ہے اور ثانیاً یہ عمل، عمل نبوی کے خلاف بھی ہے اور مصالح انسانیت کے بھی خلاف ہے، ایک مجلس کی تین طلاق کو تین مان کر اسے نافذ کردینا بہت بڑے نقصان اور معاشرتی ضرر کا باعث بنتا ہے اور اس کی وجہ سے ایک حرام فعل دور حاضر کے حقیقت پسند اور کشادہ ظرف علماء احناف بھی اہل حدیث اور سلفی موقف اختیار کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

مصراۃ یعنی وہ جانور جس کے تھن میں دودھ روک لیا گیا ہو، ایسا جانور اگر مشتری خریدتا ہے اور جانور گھر لے جانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ دودھ زیادہ دکھانے کے لیے اس جانور کا دودھ روکا گیا تھا اور اس جانور کا دودھ اتنا نہیں ہے جتنا خریدتے وقت بتایا گیا ہے اس مسئلہ میں بھی سلفی علماء محدثین اور احناف کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔محدثین کا ماننا ہے کہ ایسا مشتری اس جانور کو رکھنے اور واپس کردینے کا اختیار رکھتا ہے اور اگر جانور واپس کرے گا تو اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی واپس کرے گا جبکہ علماء احناف نہ بیع کے فسخ کرنے اور نہ جانور کے ساتھ ایک صاع کھجور دینے کے قائل ہیں۔اس مسئلہ میں جو نص وارد ہے وہ اس طرح ہے: "عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: 'لا تصروا الابل والغنم فمن ابتاعها بعد فهو بخير النظرين بعد أن يحلبها ان شاء أمسكها وإن شاء ردها صاعا من تمر" (بخاری، البیوع:۲۱۴۸، ۲۱۵۰، ومسلم:۱۵۱۵، ۱۵۲۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اونٹنیوں اور بھیڑ بکریوں کے تھنوں میں دودھ کو روک کر نہ رکھو، اگر کسی نے دھوکہ میں آکر کوئی ایسا جانور خرید لیا تو اسے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دودھ دوہنے کے بعد دونوں اختیارات ہیں چاہے تو جانور کو رکھ لے اور چاہے تو واپس کردے اور ایک صاع کھجور اس جانور کے ساتھ دودھ کے بدلے دے دے۔ اس صحیح وصریح حدیث رسول ﷺ کے مطابق جمہور علماء کا فتوی ہے کہ خریدار کو دھوکہ دینے کے لیے اونٹنی یا بکری کے تھنوں میں دودھ کا روک لینا حرام وناجائز ہے اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو پھر خریدنے والے کو اختیار ہوگا کہ یا تو وہ اس جانور کو رکھ لے یا پھر واپس بائع کو لوٹا دے اور ساتھ میں ایک صاع کھجور بھی دے تاکہ جو دودھ حاصل کیا ہے اس کا عوض ہو جائے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "وقد أخذ بظاهر هذا الحديث جمهور أهل العلم وأفتى به ابن مسعود وأبوهريرة ولا مخالف لهم من الصحابة وقال به التابعين ومن بعدهم من لا يحصى عدده". (فتح الباری:۳۶۴/۴)

اس حدیث کے ظاہر کو جمہور علماء نے لیا ہے اور اسی کے مطابق ابن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فتوی دیا اور جماعت صحابہ میں سے ان کا کوئی بھی مخالف نہیں اور اسی کے مطابق تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ میں سے اتنی بڑی تعداد نے یہ بات کہی ہے جن کا شمار ممکن نہیں، لیکن احناف نے اس موقف سے اختلاف کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس عیب کی وجہ سے نہ تو بیع کو فسخ کرنے کا کوئی اختیار ہے اور نہ ہی کھجور کا ایک صاع لوٹانا واجب ہے۔ (دیکھئے المغنی:۲۱۶/۶، الانصاف:۳۹۹/۴ اور بدایۃ المجتہد:۱۴۴/۲) اس حدیث کو نہ ماننے کا انھوں نے یہ عذر پیش کیا ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ فقیہ نہیں تھے اس لیے ان کی وہ روایت جو قیاس جلی کے خلاف ہوگی قابل قبول نہیں ہوگی، حالانکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حفظ وفہم اور عمل بالحدیث میں معروف ہیں، جلیل القدر صحابی رسول ہیں، احناف کے اس دعوی کا رد اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اس حدیث کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی فتوی دیا ہے، خود امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف کے اندر ان کا فتوی نقل فرمایا ہے: "عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال من اشترى شاة محفلة فردها فليرجعها صاعا من تمر" (البخاری، البیوع برقم ۲۱۴۹) جس نے دودھ روکی ہوئی بکری خریدی پھر وہ اس بکری کو بائع کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی واپس کرے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقاہت وامامت احناف کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے فتح الباری:۳۶۱/۴-۳۶۸) مقبول عام امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی راوی غیر فقیہ والے عذر کا زبردست انداز میں رد کیا ہے، آپ فرماتے ہیں: "وهذه القاعدة على ما فيها لا تنطبق على صورتنا هذه لأنه أخرجه البخاري عن ابن مسعود أيضا ناهيك به" (حجۃ اللہ البالغۃ:۱۰۳/۲) اور یہ قاعدہ ہمارے اس پیش آمدہ صورت پر منطبق بھی نہیں ہوتا، کیونکہ اس حکم کو امام بخاری نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے اور تیرے لیے یہ کافی ہے۔

اس قسم کی اور بہت ساری مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، اختصار کے پیش نظر انھیں تین مثالوں پر اکتفا کیا جارہا ہے، احادیث نبویہ کے اخذ اور ان سے استفادہ اور اختلافی مسائل کے حل میں یہی طریقہ سب سے بہتر اور مناسب ہے۔ اللہ ہمیں حق سمجھنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق دے، آمین۔

☆☆☆

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ الحدیث عبیداللہ مبارک پوری رحمہ اللہ بحیثیت مفتی

ابوطلحہ بن محمد ابراہیم سلفی

مسند فتوی پہ جس کی ذات تھی عالی وقار
بحر افتاء سے چنا کرتا تھا در آبدار (مومن اثری)

استقرا سے معلوم ہوتا ہے کہ افتا و استفتا کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ بعثت نبوی۔ زمانۂ نبوت میں صحابۂ کرام کو کوئی بھی مسئلہ درپیش ہوتا فوراً اپنے مفتی اعظم حضرت محمد ﷺ کی طرف رجوع فرماتے اور پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کر اپنے اعمال و کردار کو سنت نبوی کے مطابق ڈھال لیتے۔ پھر جب آپ اس دار فانی سے کوچ کر گئے تو صحابہ کرام میں بہت سے لائق و فائق مفتیان کو چھوڑ گئے، جنھوں نے منصب افتا کا کما حقہ حق ادا کیا، ان مفتیان میں حضرت عمر فاروق، علی، ابن مسعود، حضرت عائشہ، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر خاص طور سے قابل ذکر ہیں، پھر تابعین و تبع تابعین کا زمانہ آیا ان میں بھی بڑے نامور مفتی و محدث پیدا ہوئے اور لوگوں کی صحیح رہنمائی فرمائی۔ پھر جوں جوں امت محمدیہ کا زمانہ زمانۂ نبوت سے دور ہوتا گیا فتوی اور فتوی نویسی کی اہمیت و ضرورت میں دو چند اضافہ بھی ہوتا گیا حتی کہ علامہ ابن تیمیہ، ابن قیم وغیرہ کا دور آیا اور انھوں نے کتاب و سنت کے مطابق دین اسلام کی جان توڑ خدمت کی اور ساتھ ہی ساتھ افتا کے باب میں اپنی نوک قلم سے اتنے فتاوے چھوڑے کہ آج وہ فتاوے ہمارے لیے مصادر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

پھر بیسویں صدی عیسوی میں علامہ البانی، ابن عثیمین اور مفتی اعظم عبدالعزیز بن باز رحمہم اللہ جیسے نامور مفتیان کرام سرزمین عرب میں دین اسلام کے ستارے بن کر چمکے اور ان کی چمک دیکھتے ہی دیکھتے پورے عالم اسلام میں پھیل گئی۔ اسی بیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں علامہ ثناء اللہ امرتسری نے بھی افتا کے میدان میں اہم رول ادا کیا۔

اور پھر اسی بیسویں صدی میں مبارک پور کی خاک سے ایک ایسی ہستی نمودار ہوئی جنھوں نے اپنے علم و عرفان کا سکہ ہند و پاک اور پھر پورے عالم اسلام میں بٹھا دیا۔ اور آپ مولانا عبیداللہ مبارکپوری سے شیخ الحدیث کے لقب سے ملقب ہوگئے، آپ کی شخصیت اہل علم کے نزدیک محتاج تعارف نہیں، مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح آپ کی ایسی مایہ ناز تصنیف ہے جس نے علمی دنیا میں اپنا ممتاز مقام بنالیا، لیکن زیر نظر مضمون میں صرف آپ کے افتا نویسی پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے، ویسے تو آپ کی حیات و خدمات پر بہت سارے مضامین مختلف مجلّات و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں، لیکن تتبع کے باوجود میری نظر سے کوئی ایسی تحریر نہیں گزری جس میں صرف آپ کے افتا کے تعلق سے لکھا گیا ہو، سوائے ایک تحریر کے جو فضیلۃ الشیخ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسعد اعظمی حفظہ اللہ (مدیر صوت الامہ بنارس) نے اپنے سلسلۂ مضامین "المحدث الشيخ أبو الحسن عبيد الله الرحماني المباركفوري رحمه الله، مؤلف مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، حياته وأعماله" کی ایک قسط "الإفتاء" کے نام سے تحریر فرمایا ہے۔

جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع ہونے والا ماہنامہ مجلّہ ''محدث'' کا ایک خصوصی شمارہ شیخ الحدیث نمبر بھی شائع ہوا ہے لیکن اس میں بھی کسی صاحب قلم نے آپ کے اس مہتم بالشان گوشہ پر سیر حاصل بحث نہیں کی اور نہ ہی اس کے بعد کسی صاحب علم وبصیرت نے اس جانب اپنی توجہ مبذول کی، البتہ ناظم جمعیت اہلحدیث ہند مولانا اصغر علی امام مہدی نے فتاوی شیخ الحدیث کے مقدمہ میں آپ کے فتاوی کی خصوصیات کو مختصر طور پر قلم بند کیا ہے جو مختصر مگر جامع ہے۔

شیخ الحدیث مبارک پوری رحمہ اللہ نے اپنی حیات مستعار کو خدمت خلق کے لیے وقف کر دیا تھا، بحیثیت مفتی آپ کا سلوک سب کے ساتھ یکساں تھا، چھوٹا بڑا، امیر غریب، اہل حدیث وغیر اہل حدیث سب کے سوالات کے جوابات نہایت خندہ پیشانی اور خوش اسلوبی سے دیا کرتے تھے، مسائل خواہ کسی بھی نوعیت کے ہوں فقہ، اصول فقہ، تاریخ وسیر، حدیث اصول حدیث وغیرہ ہر قسم کے سوال کا جواب بڑے آسان اور سلیس زبان میں دیا کرتے تھے، جواب تحریر کرنے میں آپ ہمیشہ مسائل کے علمی معیار کا خیال رکھتے اور اس بات کا پورا خیال رکھتے کہ سوال کا کوئی گوشہ تشنہ نہ رہ جائے، نیز کسی کی خوشی اور ناخوشی کی بالکل پرواہ نہ کرتے اور مطلوبہ مسائل کا جواب بہت تحقیق کے بعد تحریر فرماتے تھے۔

ڈاکٹر فتح اللہ مدنی رقم طراز ہیں: انسانی نگاہ میں آپ کی زندگی اس دفتر ہستی کا زریں ورق اور خورشید کی مانند تابندہ تر تھی، آپ نے تا حیات تقوی اور کم آمیزی کو اپنا شعار بنائے رکھا، مگر پھر بھی احیائے سنت کے باب میں آپ آسمان کے درخشندہ ستارے تھے، فتوی دہی میں بڑے احتیاط واستحکام سے کام لیا کرتے تھے، قوت حافظہ کا یہ حال تھا کہ ان سے دینی مسائل پر گفتگو کرنا ان کی مشہور زمانہ کتاب ''مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح'' پڑھنے کے مرادف تھا، یہ سنی سنائی بات نہیں بلکہ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔(۱)

آپ کی علمی لیاقت اور فتوی نویسی کی شہرت اتنی پھیلی کہ اہل حدیث کے علاوہ مختلف مسالک کے لوگ بھی فتوی طلب کرتے اور آپ کے علمی دربار سے اپنے مسائل کا حل تلاش کرتے۔ ڈاکٹر اکبر رحمانی صاحب محدث بنارس کے خصوصی شمارہ شیخ الحدیث نمبر ص:۲۹۹-۳۰۰ میں فرماتے ہیں کہ ''مولانا عبید اللہ رحمانی نے اپنی پوری زندگی علم حدیث کی خدمت میں گزار دی۔ علاوہ ازیں وہ مختلف شرعی مسائل میں کتاب وسنت کی روشنی میں لوگوں کی رہنمائی بھی کرتے تھے۔ اہل حدیث حضرات کے علاوہ دیگر فقہی مسالک کے لوگ بھی ان سے رہنمائی حاصل کرتے تھے، ان کی ذات سب کے لیے مرجع اور مرکز بنی رہتی تھی''۔

(۱) شیخ الحدیث نمبر ۱۹۹۷ء ص:۲۱۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کی نگارشات اور فتوی نویسی علمی دنیا میں اتنی مقبول ہوئی کہ اس کی وجہ سے مجلّہ محدث دہلی کا وقار بڑھ گیا اور لوگ شدت سے اس کے اگلے شمارے کا منتظر رہنے لگے۔عوام تو عوام خواص بھی اس مجلّہ کے مطالعہ میں دلچسپی لینے لگے۔حضرت مولانا ادریس آزاد رحمانی نے اہل حدیث اور سیاست کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ شیخ ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی کو میں نے اہل علم سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب تک میں محدث کے استفسارات اور اس کے جوابات پڑھ نہیں لیتا مجھے نیند نہیں آتی۔(۱)

مفکر جماعت حضرت مولانا اسعد اعظمی حفظہ اللہ (مدیر صوت الأمہ) رقمطراز ہیں:

''شیخ رحمانی رحمہ اللہ عوام وخواص دونوں میں یکساں معتمد علیہ شخص تھے۔یہ سب کے سب آپ کے فتاوی کے مطالعہ سے اپنے قلب وجگر میں سکون واطمینان محسوس کرتے تھے۔عوام کا آپ پر اعتماد کرنے کی وجہ آپ کا زہد وتقوی تھی اور علما وخواص میں آپ کی مقبولیت آپ کے قوت استدلال، مذہبی تعصب سے دوری، دلائل کا مناقشہ اور مضبوط قواعد کی بنیاد پر ایک مسئلہ کو دوسرے پر ترجیح دینے کی وجہ سے تھی۔(۲)

بحیثیت مفتی آپ کے کارنامے کا دائرہ بہت وسیع ہے،اس کا اندازہ اس زمانے کے مشہور جرائد ومجلّات میں آپ کے قلم سے شائع ہونے والے تحقیقی مضامین اور فتاوی سے لگایا جاسکتا ہے،مثلا: محدث دہلی، مصباح بستی، الہدی دربھنگہ، ترجمان دہلی، اخبار اہل حدیث دہلی، محدث بنارس، نور توحید نیپال، السراج نیپال، الفلاح بلرام پور، افکار عالیہ مئو وغیرہ۔مذکورہ مجلّات وجرائد میں شایع شدہ ان فتاوے کی اہمیت وافادیت کو دیکھتے ہوئے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے آپ کے پوتے شیخ فواز سلمہ کے ہاتھوں مرتب کرا کر کتابی شکل میں دو جلدوں میں شائع کیا ہے جو ہر خاص وعام میں خراج تحسین حاصل کرچکی ہے۔اس کے علاوہ آپ کے بہت سے فتاوے ضائع بھی ہوگئے، کیوں کہ اس زمانے میں ریکارڈ رکھنے کے نہ تو وسائل تھے اور نہ ہی اہتمام تھا،آپ کے پوتے شیخ فواز سلمہ کے بقول: آپ کے فتاوے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے،ان میں سے ایک وہ تحریریں ہیں جن کا کوئی ریکارڈ ہمارے یہاں موجود نہیں ہے، ۱۹۴۷ء کے بعد ایک عرصہ تک حضرت شیخ الحدیث جوابات لکھ کر بھیج دیا کرتے تھے،نقول وریکارڈ رکھنے کا اہتمام بہت بعد میں کیا گیا ہے،اسی طرح اہم فتاوی پر مشتمل ایک جلد ڈاکیہ، یا ڈاک خانہ کی لاپرواہی سے تلف ہوچکا ہے،جس کا قلق اور افسوس خود شیخ الحدیث کو بھی تھا،علاوہ ازیں بہت سارے اہم علمی مباحث، ممتاز اہل علم کے نجی خطوط میں مل جائیں گے، جو ابھی تک منظر عام پر نہیں آسکے ہیں اور مختلف تلامذہ ومتوسلین کے یہاں موجود ہے۔(۳)

شیخ عبد الرحمن ابن الشیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محدث کے بعد مصباح میں ان کے فتاوی شائع ہوتے تھے،اس کے

(۱) اہل حدیث اور سیاست،ص:۲۸طبع جامعہ سلفیہ بنارس۔

(۲) صوت الأمۃ،شوال المکرم ۱۴۳۵ھ۔

(۳) فتاوی شیخ الحدیث مبارکپوری: ۲۵/۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاوہ دوسرے جرائد میں مجھے نہیں معلوم، البتہ آخری قسط مصباح کے لیے جو بھیجی تھی وہ بہت بڑی تعداد تھی فتاوے کی جس کی نقل گھر پر نہیں تھی، ابا سے میں نے کہا کہ رجسٹری بھیج دی جائے، لیکن سادی ڈاک سے بھیج دیا اور ادھر مصباح بند ہوگیا، اس کے بعد مولانا عبدالجلیل صاحب گھر پر آئے تو ابا جان نے پوچھا کہ ملا کہ نہیں آپ کو، تو انھوں نے کہہ دیا مجھ کو نہیں ملا ہے، بہت افسوس ہوا، بہت قیمتی فتاوے تھے۔(شیخ الحدیث نمبر ۱۹۹۷ء ص ۱۲۷)

آپ کے فتاوے کا کافی حصہ فتاوی علمائے حدیث میں بھی موجود ہے، شیخ الحدیث کے ذریعہ دیے گئے جوابات کے شامل ہو جانے کی وجہ سے اس کتاب کی اہمیت دو چند ہوگئی ہے اور لوگوں کے درمیان خصوصا اہل علم ومختلف دارالافتاء کی زینت بنی ہوئی ہے اور دور زماں کے مفتیان کرام اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو علمی مسائل میں کہیں کچھ بھی پریشانی ہوتی تو اہل علم سے رجوع فرماتے، مثلا: علامہ البانی وغیرہ سے، چنانچہ آپ کے صاحب زادے مولانا عبدالرحمن صاحب کا بیان ہے کہ شیخ البانی کے یہاں بھی بعض مسائل کے سلسلے میں بعض خطوط لکھے تو شیخ البانی کسی کا جواب نہیں دیتے تھے، جنازے سے متعلق کوئی مسئلہ تھا تو بجائے اس کے کہ وہ جواب دیتے اپنی کتاب ''احکام الجنائز'' بھیج دی، پھر مصنف مشکاۃ کے حالات کے سلسلے میں ان کو ایک خط لکھا تو انھوں نے یہی کہا کہ ان کو نہیں معلوم۔(۱)

محدث بنارس کا شیخ الحدیث نمبر کے لیے شیخ عبدالرحمن ابن الشیخ رحمہ اللہ سے ایک انٹرویو لیا گیا تھا، اس میں ایک سوال یہ بھی کیا گیا کہ فتوی نویسی میں شیخ صاحب کے التزامات اور مفتی کے لیے ان کے نزدیک کیا شروط تھے؟ ابن الشیخ نے جواباً فرمایا: وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ سائل سوال کرتا ہے تو اس کی عبارت کبھی کبھی ایک ایک دو دو صفحہ کی ہوتی ہے اور اس میں اس کو صرف ایک بات پوچھنی ہوتی ہے، تم اس کے سوال کو غور سے پڑھو اور دیکھو وہ کیا پوچھنا چاہتا ہے، پھر کتاب وسنت کی روشنی میں پوری تحقیق کے ساتھ مراجع کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کا جواب لکھو اور ایسے الفاظ میں لکھو کہ جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو مخاطب یا مستفتی وہی سمجھے، ایسے جملے یا ایسے الفاظ استعمال نہ کرو جو ذو معنیین ہوں کہ تم کہنا کچھ چاہتے ہو اور سمجھنے والا کچھ سمجھے، اور جس نقطہ کو اس نے پوچھا ہے اسی کا جواب دو، کیوں کہ اس کے سوال میں بہت لمبی چوڑی عبارتیں ہوتی ہیں تو وہ کیا پوچھنا چاہتا ہے اس کو سمجھو، جواب بھی جامع ہونا چاہیے جو کچھ تم اس کو سمجھانا چاہتے ہو تمہاری عبارت بھی ایسی ہو کہ وہی بات وہ سمجھے ایسا نہ ہو کہ اس کے برعکس سمجھے اور جو بات وہ پوچھ رہا ہے اس کا جواب دینا ضروری ہے، اسی لیے میں نے دیکھا کہ وہ کبھی کبھی جب میں سوال کا جواب لکھ کر لے گیا تو اس میں انھوں نے ایک لفظ کی تبدیلی کر دی تو اس کا مطلب بالکل واضح ہوگیا۔

شیخ الحدیث کے بعض فتاوے کتابچہ کی شکل میں بھی شائع ہوئے، کبھی مذاکرۂ علمیہ کے نام سے اور کبھی نفس مسئلہ مثلا

(۱) شیخ الحدیث نمبر، ص:۱۲۳۔
(۲) شیخ الحدیث نمبر، ص:۱۲۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دعا، جہیز اور اسلام، بیان الشرعۃ فی محل اذان الجمعہ وغیرہ۔ استاذ جامعہ سلفیہ بنارس شیخ اسلم مبارک پوری حفظہ اللہ نے شیخ کے عربی فتاوے پر تعلیق چڑھائی ہے اور بعض اہم فتاوی جو اردو میں ہیں ان کی تعریب کی ہے اور تعلیق چڑھائی ہے۔ ان کے بعض حصے صوت الأمۃ بنارس میں شائع ہو چکے ہیں اور اب بھی سلسلہ جاری ہے۔ اگر شیخ کے ذریعہ یہ کام پورا ہو جائے تو بڑا وقیع کام ہوگا۔

شیخ الحدیث رحمہ اللہ اس بات کے سخت مخالف تھے کہ آپ کی زندگی میں آپ کی اجازت کے بغیر کوئی فتوی یا فتاوی کا مجموعہ کتابی شکل میں شائع ہو۔ بعض اہل علم نے آپ کے فتاوے کو آپ کی زندگی میں جمع کر کے شائع کرنا چاہا تو سختی سے منع کر دیا۔ (صوت الأمۃ، شوال المکرم ۱۴۳۵ھ)

امتیازات وخصوصیات:

(۱) سائل کے افہام وتفہیم کی قوت کے مطابق جواب تحریر فرماتے۔

(۲) عموماً عربی سوال کا عربی میں اور اردو کا اردو میں جواب دیتے، لیکن کبھی کبھار سائل کی لیاقت علمی کو دیکھتے ہوئے اردو سوال کا عربی میں جواب دیتے، جیسا کہ عبد الخالق رحمانی صاحب نے سوال اردو میں پوچھا ہے، لیکن شیخ نے اس کا جواب عربی میں تحریر فرمایا ہے، کیوں کہ آپ ان کی صلاحیت سے واقف تھے۔ (فتاوی شیخ الحدیث مبارک پوری: ۱/۱۷۴)

(۳) نفس مسئلہ میں غور فرماتے، اگر جواب مفصل دینے کا متقاضی ہوتا تو مفصل دیتے، اگر چہ سوال مختصر ہوتا، اور اگر جواب مختصر لکھنے کا متقاضی ہوتا تو مختصر لکھتے، اگر چہ سوال مطول ہوتا۔

(۴) فتووں کے باب میں آپ ادب المفتی والمستفتی کے مزاج ومفہوم سے کلی طور پر موافق ہیں۔ اس سلسلے میں انتہائی بالغ نظری اور انتہائی جد وجہد صرف کرنے، کتاب وسنت پر نظر رکھنے اور تمام پہلوؤں پر عمیق نظر ڈالنے کے بعد ہی فتوی دیتے تھے۔ آپ کے فتاوی کتاب وسنت کے ادلہ سے مزین ہوتے ہیں اور قدیم وجدید تشریحات پر گہری نظر ہوتی ہے۔ (فتاوی شیخ الحدیث مبارک پوری از مقدمہ)

(۵) کمال احتیاط سے کام لیتے، جب تک اطمینان قلب نہ ہوتا، فتوی تحریر نہ فرماتے، نبی کے والدین کے کافر ومومن ہونے کے مختلف فیہ مسئلہ میں آپ نے محتاط راہ اپناتے ہوئے لکھا ہے: "والأسلم والأحوط عندي هو السكوت والتوقف". (شیخ الحدیث نمبر ص: ۱۳۵)

(۶) آپ کے فتووں کی خاص بات یہ ہے کہ کتاب وسنت کے دلائل سے مزین ہوتے ہیں اور اس میں کسی کی خوشی یا ناخوشی کی مطلق پرواہ نہیں فرماتے ہیں۔ (شیخ الحدیث نمبر ص: ۳۰۰)

(۷) اگر استفتاء اس نوعیت کا ہوتا کہ مسئولہ شئی کے ماہرین سے دریافت کرنا مناسب معلوم ہوتا تو ضرور معلومات کے لیے ان سے رجوع کرتے اس خوف سے کہ کہیں غلط جواب صادر نہ ہو جائے، مثلاً ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ "اس فتوی میں اندازہ لگانے کا جو ذکر ہوا ہے اس کے متعلق میں نے خاص طور پر کمیسٹ افسران سے معلوم کیا تو یہ پتہ چلا کہ ہر پختہ سو من گنا میں دس من گڑ تیار ہوتا ہے اور بارہ من پختہ راب اور کین ڈیپارٹمنٹ کے اے سی ڈی اور انسپکٹر صاحب سے ملنے پر معلوم ہوا کہ صوبہ یوپی میں اگر کولہو عمدہ، بیل مضبوط اور قوی ہوں تو ان کے ذریعہ اچھی طرح رس نکالنے پر بھی سو من گنا میں دس من سے زائد گڑ نہیں ہوسکتا۔ (فتاوی شیخ الحدیث مبارک پوری: ۲/۴۵)

(۸) مختلف فیہ مسائل میں کئی اقوال و آراء کو ذکر کرنے کے بعد راجح صورت بھی بتاتے ہیں اور اس کی توجیہ بھی پیش کرتے ہیں۔

(۹) آپ مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے فتاوے کا اچھا خاصا حصہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ وغیرہ پر مشتمل ہے۔

(۱۰) جواب کی تائید کے لیے عربی عبارت پیش کرتے ہیں اور عموماً طوالت کے خوف سے اس کا ترجمہ نہیں کرتے اور اس کو ایسا ترتیب دیتے ہیں کہ کہیں سے خلل محسوس نہیں ہوتا۔

(۱۱) بعض مسائل کے استنباط واستشہاد کے لیے کئی آیتیں ہوتی ہیں تو ایسی صورت میں صرف سورہ و آیت نمبر لکھ دیتے ہیں تاکہ جواب طویل بھی نہ ہو اور دلائل کی کثرت بھی ہو جائے۔

(۱۲) پوچھے گئے سوالات میں اگر کوئی خاص اصطلاح ہوتی تو اس کی مختصر تشریح بھی کرتے ہیں، تاکہ مطلب واضح ہو جائے۔

(۱۳) پیچیدہ مسائل میں اصحاب علم وفن سے رجوع کرتے، پھر جو مناسب ہوتا لکھتے۔

(۱۴) ضعیف حدیث سے اگر کوئی شخص مسئلہ تحریر کرتا تو اس حدیث پر حکم لگاتے اور اس مسئلے کی صحیح حدیث پیش کرتے ہیں۔

(۱۵) غلط دلیل کا جواب دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں هذا ما عندي والله أعلم بالصواب۔

(۱۶) اگر جواب تحریر کرتے وقت نوٹ کی ضرورت ہوتی تو نوٹ لکھ کر اس جانب بڑے لطیف انداز میں اشارہ کرتے نظر آتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی آپ کے فتاوے کی خصوصیات وامتیازات اتنی ہیں کہ ناچیز کی علمی کم مائیگی ان کے احاطہ سے قاصر ہے۔ مختصر یہ کہ آپ نے بحیثیت مفتی اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا کہ آج کے مفتیان ان کے چھوڑے ہوئے علمی فتاوے سے استفادہ کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ آپ کے صاحب زادے مولانا عبدالرحمن صاحب جن کے پاس شیخ کے فتاوے کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، اس کو مرتب کرکے شائع کرا کر مزید استفادہ کا موقع فراہم کریں گے۔ وما توفيقي إلا بالله.

☆☆☆

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتی کے شروط وآداب

عبدالاحد احسن جمیل آل عبدالرحمن / مدینہ منورہ

فتوی دینا ایک اہم فریضہ ہے اور مفتی اللہ کی شریعت کا ترجمان ہوتا ہے اس لیے اسے کردار و عمل کے اعتبار سے بھی دین کا ترجمان ہونا چاہیے۔

مفتی کی شرطیں: یعنی وہ باتیں جو ایک مفتی میں ہونا ضروری ہیں:

۱۔ وہ مسلم ہو، کسی غیر مسلم کا دیا ہوا فتوی قابل قبول نہیں ہوگا۔

۲۔ وہ عاقل و بالغ ہو۔

۳۔ وہ عادل ہو، اس کے اندر فسق وخلاف مروت جیسی چیزیں نہ ہوں، یعنی اس کے اندر ایسی چیزیں نہ پائی جاتی ہوں جو اس معاشرے میں عیب مانی جاتی ہوں، اور نہ ایسی چیزیں موجود ہوں جو اس کی عدالت کو ضائع کردے، جیسے منشیات کا استعمال، غلط عادات کا اس کے اندر موجود ہونا۔

۴۔ وہ عالم ہو، یعنی کتاب و سنت کی دلیلیں اس کے سامنے ہوں اور حدیث کی حجیت اور اس کی وجہ دلالت سے واقفیت ضروری ہے، اسی طرح وہ عربی زبان سے اچھی طرح واقف ہو[۱]، اس کے پاس اصول فقہ کا علم ہو کیونکہ اسی کے ذریعہ وہ کسی دلیل کا حکم کے ساتھ تعلق کو جان سکتا ہے۔

۵۔ فقہی مسائل پر نظر اور ملکہ اجتہاد بھی اس کے لئے ضروری ہے کیونکہ اس کے پاس جدید دور کے نئے نئے مسائل آئیں گے جن کے سلسلے میں کوئی صریح نص نہیں موجود ہوگا۔[۲]

۶۔ وہ ذہین وفطین ہو۔ کسی بھی چیز کا جلد ادراک کر کے اس کو سمجھ لے۔

یہ چند شرطیں ہیں جن کا پایا جانا علماء نے ایک مفتی کے اندر ضروری قرار دیا ہے۔[۳]

مفتی کی صفات:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انسان کے لئے مناسب نہیں کہ فتوی کے منصب کو قبول کرے جب تک کہ اس کے اندر پانچ صفتیں موجود نہ ہوں:

۱۔ اس کی نیت پاک ہو اس منصب کے ذریعہ کوئی دوسرا مقصد نہ پوشیدہ ہو۔

---

[۱] امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وعالما۔ أي: المفتي۔ بلسان العرب". الام للشافعي: ۷/۳۰۱۔

[۲] یہ شرط لگانے والوں میں سرفہرست امام شاطبی رحمہ اللہ ہیں، دیکھیں: الموافقات: ۴/۱۶۱۔۱۶۲۔

[۳] دیکھیں: أدب المفتي والمستفتي از امام النووی: ص: ۱۹۔۲۰، معالم أصول الفقہ از پروفیسر محمد جیزانی: ص: ۵۰۹، أثر العرف في الفتوی از جمال کرکار: ص: ۱۰۲۔۱۰۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔اس کے اندر علم، بردباری، وقار اور سکون جیسی صفتیں موجود ہوں۔

۳۔اس ذمہ داری کا اہل ہو۔

۴۔اس کے پاس اتنا متاع زندگی ہو جو اس کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔

۵۔اس کو لوگوں کی معرفت ہو، یعنی اس کو لوگوں کے احوال، ان کی عادات واطوار اور طور طریقوں کی اچھی طرح معلومات ہو، اور لوگوں کے ظروف کو اچھی طرح سے سمجھتا ہو۔[۱]

مفتی کے آداب:

۱۔جس مسئلہ میں اس کے علاوہ کوئی اور فتوی دینے والا موجود ہو اس میں فتوی نہ دے، یہی سلف کا طریقہ کار رہا ہے۔[۲]

۲۔اگر فتوی دینا اسی پر متعین ہو تو جواب دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ سوچ سمجھ کر غور و فکر کرنے کے بعد جب اطمینان ہو جائے تب فتوی دے۔[۳]

۳۔کسی ایسے شخص سے مشورہ کرلے جس کے علم اور دیانت داری پر اس کو بھروسہ ہو، صرف اپنے نفس پر بھروسہ نہ کرے، چونکہ اللہ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے کہا تھا کہ: {وشاورهم في الأمر}[۴] یعنی اپنے معاملہ میں ان سے یعنی صحابہ کرام سے مشورہ کرلیا کرو۔ کیونکہ مشورہ کرنے کے بعد غلطی کا امکان کم رہتا ہے۔ مشورہ کرنے کی بات اس وقت ہے جب اس میں کسی راز کا افشا نہ ہو اور نہ ہی سائل کی بدنامی کا سبب ہو۔[۵]

۴۔مفتی کے لئے واجب ہے کہ وہ لوگوں کے راز کو چھپائے، اور ان کے عیوب کو کبھی ظاہر نہ ہونے دے۔[۶]

۵۔اگر کسی مسئلہ میں مختلف اقوال ہوں اور اس کے نزدیک راجح قول واضح نہ ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ سارے اقوال بیان کردے اور اپنی رائے کا اظہار نہ کرے، اور نہ ہی کسی قول کے مطابق فتوی دے۔[۷]

۶۔مفتی کو چاہئے کہ ہمیشہ لوگوں کو کتاب وسنت کا صحیح علم رکھنے والے عالموں کی طرف رہنمائی کرے۔[۸]

۷۔اگر کسی مسئلہ میں فتوی پوچھنے والے کے مقصد کے خلاف جا رہا ہو تو مفتی کو حق بات کا فتوی دینا چاہئے چاہے وہ پوچھنے والے کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔[۹]

---

(۱) اعلام الموقعین: ۴/۱۹۹، شرح الکوکب المنیر: ۴/۵۵۰۔۵۵۲۔
(۲) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۱۶۳، الفقیہ والمتفقہ: ۲/۱۶۰۔
(۳) ایضا۔
(۴) آل عمران: ۱۵۹۔
(۵) اعلام الموقعین: ۴/۲۵۶-۲۵۷۔
(۶) ایضا: ۴/۲۵۷۔
(۷) الفقیہ والمتفقہ (۲/۱۷۰)، إعلام الموقعین (۴/۱۵۷، ۲۳۸)
(۸) إعلام الموقعین (۴/۲۰۷)، شرح الکوکب المنیر (۴/۵۸۹)
(۹) إعلام الموقعین (۴/۲۵۸، ۲۵۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۸۔ مفتی کو چاہئے کہ جو فتویٰ دے اس کے دلیل اور علت (وجہ) بھی بیان کر دے، اس لئے کہ دلیل ہی فتویٰ کی روح اور اس کی خوبی ہے۔[۱]

۹۔ اگر کوئی ایسی صورت درپیش ہو جو نفس پر شاق ہو یا عجیب معلوم ہوتی ہو تو مفتی کو چاہئے کہ ایسا طریقہ اپنائے کہ سائل کا دل مطمئن ہو جائے اور اس بات کے اندر جو وحشت واجنبیت ہے وہ ختم ہو جائے۔[۲]

۱۰۔ مفتی کو چاہئے کہ اگر کبھی کسی مرغوب چیز سے منع کرے تو ایسی چیز کی طرف رہنمائی کر دے جس سے سائل کی حاجت پوری ہو جائے یا اگر اس مسئلہ کے اندر مباح کے اختیار کرنے کی کوئی صورت ہو تو اس کی وضاحت کر دے۔[۳]

۱۱۔ مفتی کو چاہئے کہ جس حد تک ممکن ہو شرعی نص کے مطابق فتویٰ دے۔ اس کے لئے جائز نہیں کہ نص کے خلاف فتویٰ دے اگرچہ وہ اس کے اپنے مسلک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔[۴]

۱۲۔ مفتی کو چاہئے کہ تشفی بخش جواب دے، اگر تفصیل درکار ہو تو مفصل جواب دے اور اگر اختصار سے کام ہو جائے تو مختصر جواب دے۔[۵]

۱۳۔ جب مفتی کے سامنے کوئی سوال آئے تو اس کو چاہئے کہ اللہ کی طرف رجوع کرے اور اس سے اخلاص اور نیک نیتی کی توفیق طلب کرنے کے ساتھ اس بات کی توفیق طلب کرے کہ اس کو حق کی رہنمائی ہو۔[۶]

۱۴۔ مفتی کے لئے واجب ہے کہ اگر اس کے کسی فتویٰ میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ حق بجانب نہیں ہے تو اس سے رجوع کرے۔

اور کبھی اس کے ذہن میں یہ بات نہ آئے کہ حق کی طرف رجوع کرنا اس کے اندر نقص کی دلیل ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ اس کے تقویٰ اور دیانت داری کی دلیل ہے، رہی بات نقص کی تو کوئی بھی انسان اس دنیا کے اندر نقص سے خالی نہیں ہے۔[۷]

مذکورہ بالا امور سے یہ بات واضح ہو گئی کہ منصب افتاء کے لئے کن امور کا پایا جانا ایک انسان کے لئے ضروری ہے، اب اگر کوئی اپنے اندر ان میں کمی محسوس کرتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اس منصب سے دور رہے۔

***

---

(۱) ایضا (۴/۱۶۱-۱۶۳، ۲۵۹، ۲۶۰)

(۲) ایضا (۴/۱۶۳، ۱۶۴)، و "زاد المعاد" (۳/۳۰۹)

(۳) "الفقيه والمتفقه" (۲/۱۹۴)، و "إعلام الموقعين" (۴/۱۵۹)

(۴) "إعلام الموقعين" (۴/۱۷۰-۱۷۲)

(۵) ایضا (۴/۱۷۷-۱۷۹)

(۶) إعلام الموقعين "(۴/۱۷۲، ۲۵۷، ۲۵۸)، و "شرح العقيدة الطحاوية" (۲۲۹، ۲۳۰)

(۷) سنن الدارمی، "(۱/۱۵۳)، و "إعلام الموقعين" (۴/۲۲۲-۲۲۵، ۲۳۲، ۲۳۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شعبۂ دارالافتا جامعہ سلفیہ، بنارس
عزائم اور منصوبے

محمد اسلم المبارکفوری
کنوینر مجلس اعلی برائے افتاء وتحقیقات اسلامی ہند

شہر بنارس

دریائے گنگا کے مغربی ساحل پر ہلالی شکل میں آباد شہر بنارس قدیم زمانہ سے ادبی، ثقافتی اور صنعتی حیثیتوں سے بیحد اہمیت کا مالک رہا ہے۔تقریبا بارہ سو سال قبل مسیح آریوں نے اس شہر کو قدیم باشندوں سے فتح کرکے اپنی مملکت میں شامل کرلیا تھا۔سنسکرت میں کاش رومنی کو کہتے ہیں۔اسی مناسبت سے اسے ''کاشی'' کہا جاتا ہے۔اس کا موجودہ نام وارانسی ہے لیکن خاص وعام میں بنارس کا لفظ زیادہ رائج ہے۔

یہ شہر اپنی قدیم علمی وثقافتی وتمدنی عظمت کے ساتھ ساتھ جدید دور کی علمی ترقی میں صف اول میں رہا ہے۔یہاں تعلیمی اداروں میں بنارس ہندو یونیورسٹی (B.H.U.)، کاشی ودیا پیٹھ اور سمپورنا نند سنسکرت یونیورسٹی قابل ذکر ہیں۔

جامعہ سلفیہ کا قیام

۱۱؍رجب ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۹؍نومبر ۱۹۶۳ء بروز جمعہ ہندوستان کی مایہ ناز دانش گاہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کا قیام عمل میں آیا۔اور اپنی ہمہ جہت خدمات اور متنوع سرگرمیوں سے ہند اور بیرون ہند میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔یہ جامعہ ہمارے اسلاف کرام کے ان پاکیزہ جذبات اور تمناؤں کی جیتی جاگتی تصویر ہے جو اسلام کی دعوت وتبلیغ اور علم سلف کی نشر واشاعت کے سلسلہ میں ان کے دلوں میں انگڑائیاں لے رہی تھیں۔

اس مرکزی ادارے کے قیام کے لیے جن مقاصد کو متعین کیا گیا ان میں طریقۂ سلف کے مطابق اسلامی شریعت کے بنیادی مآخذ یعنی کتاب وسنت کی ٹھوس تعلیم کے ساتھ ساتھ حالات کے مطابق مختلف زبانوں میں مفید اور دعوتی، علمی وفکری لٹریچر کی فراہمی کے لیے ایسی انشاء پرداز ٹیم تیار کرنا جو اپنی تحریری صلاحیت کو دیگر قوموں میں اسلام کی نشر واشاعت کے لیے استعمال کرے۔اور معاندین اسلام کے بے جا اعتراضات اور شکوک وشبہات کا دندان شکن جواب دے سکے۔

اسی طرح ایسے علماء کی ایک جماعت تیار کرنا جو دینی علوم ومعارف پر گہری بصیرت رکھتے ہوئے مروجہ علوم وفنون اور نظریات سے واقف ہو۔اور مکمل طور پر دینی رہنمائی کے اہل ہو۔اور فن افتاء سے تعلق رکھنے والی ایک ایسی ٹیم تیار ہو جو اس میدان میں خدمات انجام دینے کی صلاحیت رکھتی ہو تاکہ ملت اسلامیہ کے درپیش مسائل ونوازل میں کتاب وسنت کی صحیح

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہنمائی پیش کر سکے۔اوران کی نگارشات میں کاملیت اور جامعیت ہو جو قلوب واذہان کی وادیوں کو تشفی اور منور کر سکے۔

ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والافتاء والارشاد

جامعہ کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تصنیف وتحقیق اور نشر واشاعت کو فروغ دینا ہے تا کہ زمانہ کے مزاج اور علمی معیار کے مطابق اسلامی موضوعات پر صالح لٹریچر تیار کیا جا سکے۔اور جو مفید کتابیں ناپید ہوگئی ہیں ان کی دوبارہ اشاعت کا انتظام کیا جا سکے۔اسی طرح افتاء اور دعوت وتبلیغ کے تقاضے بھی سامنے تھے۔ان سہ گانہ ضرورتوں کی تکمیل کے لیے جامعہ کے ارباب حل وعقد نے ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والافتاء والارشاد کے نام سے یہ شعبہ قائم کیا جس نے مذکورہ میدانوں میں قابل ذکر خدمات انجام دی ہیں۔اور آج بھی یہ ادارہ اپنے عظیم مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہے۔چنانچہ اس ادارہ نے اساتذۂ جامعہ اور دیگر اصحاب قلم کے ذریعہ دینی وادبی موضوعات پر متعدد زبانوں میں لٹریچر تیار کرا کر ان کی نشر واشاعت کا اہتمام کیا ہے۔اب تک اس ادارہ سے شائع ہونے والی کتابوں کی مجموعی تعداد ۴۰۵ سے متجاوز ہے جن میں عربی، اردو، ہندی، انگریزی اور دیگر علاقائی زبانوں میں مختلف حجم کی کتابیں شامل ہیں۔بعض کتابیں ایک سے زائد جلدوں پر مشتمل ہیں۔

اس ادارہ کے تحت شعبۂ دارالافتاء بھی مصروف عمل ہے۔اور یہ شعبہ جامعہ میں روز اول سے ہی قائم ہے۔اور ملک کے مختلف حصوں سے آنے والے استفتاء کے جوابات کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل ومفصل دینے کا اہتمام کرتا ہے۔ضرورت کے پیش نظر ذمہ داران جامعہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان فتاووں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جائے اور انھیں ایسے فنی انداز پر ترتیب دیا جائے کہ قارئین بآسانی مطلوبہ مسائل تلاش کر سکیں۔

مختلف اوقات میں اساتذۂ جامعہ میں سے جن علماء کرام نے اپنے وجود سے شعبۂ افتاء کو عطر بیز کیا ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: مولانا محمد ادریس صاحب آزاد رحمانی املوی مبارک پوری، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا ابوالوفاء عظیم اللہ مئوی، مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری، مولانا عابد حسن رحمانی، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا محمد حنیف مدنی رحمہم اللہ تعالی، مولانا اصغر علی سلفی مدنی ناظم اعلی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، مولانا نعیم الدین مدنی شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا احمد مجتبیٰ مدنی سابق استاد جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا جمیل احمد مدنی، مولانا عبدالسلام مدنی اور مولانا عبدالسلام ابوہریرہ سلفی حفظہم اللہ تعالی۔

اس وقت دارالافتاء کے مفتی اول مولانا علی حسین صاحب سلفی حفظہ اللہ وتولاہ کی ذات گرامی اور راقم السطور کے علاوہ مولانا نورالہدی سلفی اور مولانا محمد ایوب سلفی حفظہم اللہ تعالی بھی اس شعبہ سے منسلک ہیں۔

المجلس الاعلی للافتاء والبحوث الاسلامیۃ بالہند

فی زمانہ ایسے فتاوے لکھے جا رہے ہیں جو کتاب وسنت سے مستفاد نہ ہونے کی وجہ سے عامۃ الناس ہی نہیں بلکہ پڑھے لکھے لوگوں کی ذہنی الجھن کا سبب بن رہے ہیں۔اس کے سد باب کے لیے جامعہ کے باوقار ناظم اعلی جناب مولانا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبداللہ سعود سلفی حفظہ اللہ نے ۱۰/ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۶/ستمبر ۲۰۱۴ء بروز سنیچر جماعت اہل حدیث کے مشاہیر علماء کرام اور جامعہ کی تعلیمی کمیٹی کے اراکین کی ایک نشست طلب کی۔ یہ علماء کرام ناظم جامعہ حفظہ اللہ تعالی کی دعوت کو لبیک کہتے ہوئے جامعہ تشریف لائے۔ چنانچہ ان بابصیرت علماء کرام نے اپنی صواب دید اور تجربات کی روشنی میں تبادلۂ خیال اور باہمی مشورہ کے بعد مرکزی فتوی کمیٹی اور شعبۂ تخصص فی الافتاء کے قیام کو منظوری دی۔ انھوں نے جامعہ کے اس اقدام کو بنظر استحسان دیکھا، اسے کافی سراہا اور اسے ''وقت کی ضرورت'' سے تعبیر کیا نیز اس کی افادیت کو دوچند کرنے کے لیے اپنے مفید مشوروں اور قیمتی تجاویز سے نوازا۔

اول الذکر یعنی مرکزی فتوی کمیٹی کا اصل ہدف یہ ہے کہ عصر حاضر میں کتاب وسنت کی صحیح رہنمائی کے ساتھ فن افتاء کے میدان میں صادر ہونے والے متضاد اور مختلف النوع آراء میں ہم آہنگی پیدا کی جاسکے، ان دواعی واسباب پر قدغن لگایا جاسکے جو ذہنی انتشار کو فروغ دیتے ہیں اور اس امت کے اتحاد واتفاق اور اجتماعیت کو سبوتاژ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رہے ہیں۔ اس لیے یہ کمیٹی بحث ومناقشہ اور تنقیح مسائل کے بعد ایسا فتوی صادر کرے جو اراکین کے درمیان متفقہ ہو اور عامۃ الناس کے لیے قابل عمل اور کتاب وسنت کے دلائل سے مزین ہو۔ اور غیر منصوص مسائل میں قاطع نزاع ہو یا کم از کم شدت اختلاف کو کم کرنے والا ہو۔ باتفاق رائے اس کمیٹی کا نام عربی میں "المجلس الأعلى للإفتاء والبحوث الإسلامية بالهند" اور اردو زبان میں ''مجلس اعلی برائے افتاء وتحقیقات اسلامی ہند'' ہے۔

جن گرامی قدر حضرات نے اس میٹنگ میں شرکت فرمائی، ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱-مولانا عطاء الرحمٰن صاحب مدنی

۲-ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب مدنی، جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں

۳-مولانا رضاء اللہ عبدالکریم صاحب مدنی

۴-مولانا عبدالعزیز حقانی صاحب

۵-ڈاکٹر عبداللہ جولم صاحب مدنی

۶-ڈاکٹر آر کے نور محمد صاحب مدنی

۷-شیخ محمد الاعظمی

۸-مولانا احسن جمیل صاحب مدنی، سابق شیخ الجامعہ

(نوٹ) مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب فیضی سابق شیخ الجامعہ جامعہ فیض عام مئوناتھ بھنجن اور مولانا محمد جعفر صاحب ہندی استاذ جامعہ اسلامیہ دریاباد سنت کبیر نگر کسی عذر کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکے۔

حضرت مولانا عطاء الرحمٰن صاحب مدنی -حفظہ اللہ تعالی- کی زیر صدارت اور ناظم اعلی حفظہ اللہ تعالی کی نظامت میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان علماء کرام نے مجلس اعلی کے لیے چندہ علماء کرام پر مشتمل ایک مجلس عاملہ تشکیل دی جس میں اراکین کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱-ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی، رئیس مجلس علمی جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں، مہاراشٹر
۲-شیخ رضاء اللہ عبدالکریم مدنی، استاذ جامعہ سید نذیر حسین محدث دہلوی، دہلی
۳-ڈاکٹر آر کے نور محمد مدنی، ناظم اعلی جمعیت اہل حدیث، تامل ناڈو و پانڈیچری
۴-شیخ عبدالعزیز حقانی، صدر المدرسین جامعہ اصلاح المسلمین، برہیٹ، بہار
۵-ڈاکٹر عبداللہ جولم، نگراں شعبۂ دعوت وتبلیغ جامعہ دارالسلام، عمر آباد، تامل ناڈو
۶-شیخ ابوالعاص وحیدی، استاذ جامعہ اسلامیہ دریاباد، سنت کبیر نگر، یوپی
۷-ڈاکٹر عبیدالرحمٰن مدنی ممبئی
۸-ڈاکٹر خورشید اشرف، لکھنؤ
۹-شیخ طٰہٰ سعید مدنی، اڑیسہ
۱۰-شیخ علی حسین سلفی، رئیس دارالافتاء، جامعہ سلفیہ، بنارس
۱۱-شیخ نورالہدیٰ سلفی، رکن دارالافتاء، جامعہ سلفیہ، بنارس
۱۲-شیخ کفایۃ اللہ مدنی، ممبئی
۱۳-مولانا محمد اسلم مبارک پوری (کنوینر)

نوٹ: ضرورت کے مطابق مجلس اعلی مزید علماء کا اضافہ کر سکتی ہے۔

مجلس اعلی برائے افتاء وتحقیقات اسلامی ہند کے اہداف ومقاصد:

۱- فہم سلف کی روشنی میں کتاب وسنت کی تشریح
۲- مختلف فیہ مسائل میں قرآن وحدیث اور اقوال سلف کی روشنی میں امت مسلمہ کی رہنمائی
۳- صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ، مفسرین، محدثین ودیگر فقہاء ومجتہدین کی تعظیم وتوقیر کرتے ہوئے ان کے علمی ذخیروں سے استفادہ
۴- اتحاد امت کی دعوت اور باطل افکار ونظریات کی نشاندہی
۵- علمی اور فقہی مسائل میں انتشار سے بچتے ہوئے متفقہ فتوی صادر کرنا
۶- اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حسب استطاعت شریعت کی تطبیق اور اسکی دعوت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷- فقہی مسائل میں موجود جمود وتعصب کو ختم کرتے ہوئے آپسی میل محبت اور بھائی چارہ کو فروغ دینا
۸- دور جدید میں پیدا ہونے والے نئے مسائل کا حل کتاب وسنت کی روشنی میں پیش کرنا
۹-فقہ وفتاوی کے تعلق سے ذرائع ابلاغ کے شکوک وشبہات کے ازالہ کی کوشش کرنا

مجلس اعلی برائے افتاء وتحقیقات اسلامی ہند کی ذمہ داریاں:

۱- درپیش مسائل میں مفتیان مجلس سے رجوع کرنے کے بعد کتاب وسنت کی روشنی میں فتوی صادر کرنا۔
۲-اختلافی مسائل میں حتی الامکان اتفاق کی صورت پیدا کرنیکی کوشش کرنا۔
۳- وقتاً فوقتاً جدید مسائل پر فقہی سمینار منعقد کرنا۔
۴-فقہی وتحقیقی مجلّہ کی اشاعت۔
۵- جماعت اہلحدیث کے اکابر علماء کی فقہی خدمات کا تعارف اوران کے فتاووں کی طباعت۔
۶- مسلک اہلحدیث پر کئے جانے والے فقہی الزامات کی نقاب کشائی کرنا۔
۷- جدید وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے فقہی اور دینی مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی کرنا۔
۸-اندرون وبیرون ملک فتاوی کمیٹیوں سے تعلقات استوار کرتے ہوئے اتفاق ویکجہتی کی کوشش کرنا۔
۹-فقہ وفتاوی کے تعلق سے ضروری مصادر ومراجع کی فراہمی کی کوشش کرنا۔
۱۰-کمیٹی کے مستقل اراکین کو ضروری فقہی مصادر ومراجع کی فراہمی کو ممکن بنانا۔

۳-انتظامی امور:

۱-ناظم جامعہ سلفیہ اس کمیٹی کے نگران اعلی ہوں گے۔
۲-مجلس اعلی برائے افتاء وتحقیقات اسلامی ہند کا ایک کنویز ہوگا جو مستقل اور ہمہ وقتی ہوگا۔
۳-مجلس اعلی برائے افتاء وتحقیقات اسلامی ہند کے لئے آفس اوراسکی ضروریات کی فراہمی نگران اعلی کے ذمہ ہوگی۔
۴-مجلس اعلی برائے افتاء وتحقیقات اسلامی ہند کی میٹنگ کم ازکم سال میں دو بار ہوگی اور ہنگامی حالات میں حسب ضرورت میٹنگ طلب کی جاسکتی ہے۔
۵-مجلس اعلی برائے افتاء وتحقیقات اسلامی ہند کے ممبران سے رابطہ اور جملہ امور کے لئے کنویز ذمہ دار ہوگا۔

مجلس اعلی کا مرکز جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس ہوگا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المعهد العالي للتخصص في الإفتاء

دین اسلام کا علم وفہم حاصل کرنا افضل ترین عمل ہے جو خیر وبھلائی کی علامت اور دلیل ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين" (بخاری:۱۷، مسلم:۱۰۳۷) اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے اسے دین کا عمیق فہم عطا کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین میں تفقہ سے نافع علم کے ساتھ عمل صالح کی تاسیس ہوتی ہے۔

فتاوی میں مہارت اور صلاحیت اسی تفقہ فی الدین کا ایک مظہر ہے جو نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔

الحمدللہ، جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس نے اپنی ہمہ جہت خدمات کے ساتھ اس جانب بھی عملی اقدام کیا، اور منتخب علماء کرام کی میٹنگ میں اسے پیش کیا۔ مقتدر علماء نے کافی غور وخوض کے بعد اس کا نام "المعهد العالي للتخصص في الإفتاء" تجویز کیا۔ اور اس کا ایک مجوزہ نصاب پیش کیا، جو درج ذیل سات مضامین پر مشتمل ہے:

۱— آداب الإفتاء وأصوله

۲— أصول الفقه

۳— مقاصد الشريعة

٤— القواعد والضوابط الفقهية

٥— علم الفرائض

٦— تعريف بالمصادر في جميع الفنون المطلوبة

۷— تدريب كتابة الفتاوى

یہ کورس دو سالہ ہوگا۔ پہلے سال متعینہ نصاب پڑھایا جائے گا۔ دوسرے سال صرف تدریب اور مشق ہوگی تاکہ کثرت تدریب سے طالب علم کے اندر مصادر شرعیہ سے استنباط واستخراج کا ملکہ پیدا ہو۔ اور وہ چیز اس کے ذہن میں راسخ ہو جائے۔

ہر مضمون کی تدریس ایک گھنٹہ ہوگی اور ایام تدریس سنیچر تا بدھ ہوں گے۔

تدریس عربی میں ہو، تاکہ عربی تکلم وتفہم پر قدرت ہو سکے۔ ساتھ ہی ساتھ اردو زبان کی تعبیر پر قدرت حاصل کرنے کے لیے اردو میں تدریس مانع نہ ہوگی۔ یا یہ صورت اختیار کی جائے کہ درس عربی زبان میں ہو اور محاضر اس کا خلاصہ اردو زبان میں پیش کرے۔ مجلس نے اس بات پر زور دیا کہ بہتر ہوگا کہ اس کورس کو عصری جامعات سے معادلہ کرانے کی کوشش کی جائے اور اسے ''ماجستر'' کے مساوی قرار دیا جا سکے۔ تاکہ بعد میں ''پی ایچ ڈی'' کے لیے راہ ہموار ہو سکے۔

☆☆☆

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدیم وجدید مفتیان عظام اوران کی تصانیف کی فہرست

حافظ ناصرالدین انور سلفی
مولانا ابوالکلام آزاد یونیورسٹی، حیدرآباددکن

فن افتاء کے متعلق متقدمین ومتاخرین علماء کی مطبوع اور مخطوط تصانیف کا ایک خاکہ قارئین کی خدمت میں مصنف کی سن وفات کے اعتبار سے پیش کیا جارہا ہے تاکہ ہر دور میں اس فن پر انجام دی جانے والی خدمات کا اندازہ کیا جائے کہ ہمارے اسلاف کرام نے اسلامی احکام کو ہم تک پہنچانے، اور لوگوں کی اصلاح کے لیے کس قدر محنت کی ہے۔ انھیں کاوشوں کا ثمرہ ہے کہ ان کے اسماء گرامی کو کتنی عزت واحترام سے لیا جاتا ہے۔

نوازل ابواللیث سمرقندی	(وفات ۳۹۳ھ)
النتف فی الفتاوی ابوالحسن سغدی	(وفات ۴۶۱ھ)
فتاوی قاضی خان حسن بن منظور الاوزجندی	(وفات ۵۲۹ھ)
الفتاوی الصغری والکبری حسام الدین صدر شہید	(وفات ۵۳۶ھ)
فتاوی قاضی عیاض قاضی عیاض	(وفات ۵۴۴ھ)
فتاوی مرغینانی	(وفات ۵۹۲ھ)
فتاوی تمرتاشی شیخ تمرتاشی	(وفات ۶۱۰ھ)
فتاوی ابن الصلاح عثمان بن عبدالرحمٰن	(وفات ۶۴۳ھ)
فتاوی عزبن عبدالسلام	(وفات ۶۶۰ھ)
المنثورات وعیون المسائل المہمات امام نووی	(وفات ۶۷۶ھ)
فتاوی الولوالجیہ شیخ ولوالجی	(وفات ۷۱۰ھ)
مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ	(وفات ۷۲۸ھ)
فتاوی محمد بن احمد بن جزی	(وفات ۷۴۱ھ)
فتاوی تقی الدین سبکی	(وفات ۷۵۶ھ)
الفتاوی الطرطوسیہ نجم الدین طوطوسی	(وفات ۷۵۸ھ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتاوی سراج الدین عمر بن اسحاق غزنوی	(وفات ۷۷۳ھ)
فتاوی تاتارخانیہ (زادالمسافر) عالم بن علاء حنفی	(وفات ۷۸۶ھ)
فتاوی جلال الدین ترکمانی	(وفات ۷۹۳ھ)
الجامع الوجیز (الفتاوی البزازیہ) محمد بن محمد بن بزاز	(وفات ۸۲۷ھ)
جامع الاحکام برزلی	(وفات ۸۴۱ھ)
فتاوی حافظ ابن حجر عسقلانی	(وفات (۸۵۲ھ)
فتاوی قاسم ابن قطوبغا	(وفات ۸۷۹ھ)
الدرر المکنونہ فی نوازل مازونہ یحیی بن موسی مازونی	(وفات ۸۸۳ھ)
فتاوی شہابیہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی	(وفات ۸۴۸ھ)
فتاوی ابراہیم شاہی، قاضی نظام الدین احمد بن محمد کیلانی	(وفات ۸۷۴ھ)
الحاوی للفتاوی جلال الدین سیوطی	(وفات ۹۱۱ھ)
المعیار المعرب والجامع المغرب عن فتاوی اہل افریقیہ والاندلس والمغرب احمد بن یحییٰ الونشریشی (وفات ۹۱۴ھ)	
فتاوی ابن نجیم	(وفات ۹۷۰ھ)
الفتاوی الفقہیہ الکبری والفتاوی الحدیثیہ ابن حجر ہیتمی -بالتاء-	(وفات ۹۷۴ھ)
الفتاوی الحامدیہ حامد افندی قونوی	(وفات ۹۸۵ھ)
فتاوی شہاب الدین رملی (وفات ۹۵۷ھ) جمع وترتیب: محمد بن احمد رملی	(وفات ۱۰۰۴ھ)
فتاوی علی افندی طرابلسی	(وفات ۱۰۳۲ھ)
فتاوی ہندیہ (فتاوی عالم گیری) شیخ نظام الدین برہانپوری	(وفات ۱۰۶۲ھ)
الفتاوی الخیریہ لنفع البریہ خیرالدین رملی	(وفات ۱۰۸۱ھ)
فتاوی نقشبندیہ، معین الدین بن خواجہ نقشبندی	(وفات ۱۰۸۵ھ)
فتاوی محمد حسین النقروی	(وفات ۱۰۹۸ھ)
فتاوی ومسائل محمد بن عبدالوہاب	(وفات ۱۲۰۶ھ)
فتاوی عزیزیہ شاہ عبدالعزیز دہلوی	(وفات ۱۲۳۹ھ)
الفتح الربانی فتاوی امام شوکانی محمد بن علی شوکانی	(وفات ۱۲۵۰ھ)
فتاوی مرزا احسن علی لکھنوی	(وفات ۱۲۵۵ھ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتاوی مولانا عبدالحی بڈھانوی	(وفات ۱۲۴۳ھ)
فتاوی شرفیہ، مفتی شرف الدین	(وفات ۱۲۶۸ھ)
فتاوی ابوبرکات تراب علی لکھنوی	(وفات ۱۲۸۱ھ)
فتاوی غلام رسول	(وفات ۱۲۹۱ھ)
فتاوی سعدیہ، سعد اللہ مرادآبادی	(وفات ۱۲۹۴ھ)
فتاوی مولانا عبدالحی لکھنوی	(وفات ۱۳۰۴ھ)
دلیل الطالب علی أرجح المطالب نواب صدیق حسن خان	(وفات ۱۳۱۷ھ=۱۸۸۹ء)
فتاوی نذیریہ سید نذیر حسین دہلوی	(وفات ۱۳۲۰ھ)
فتاوی سعیدیہ مولانا محمد سعید بنارسی	(وفات ۱۳۲۲ھ)
فتاوی مولانا رشید احمد گنگوہی	(وفات ۱۳۲۳ھ)
فتاوی مرزا احسن علی صغیر لکھنوی	(وفات ۱۳۲۶ھ)
فتاوی مولانا شمس الحق محدث عظیم آبادی	(وفات ۱۳۲۹ھ)
فتاوی مولانا خدا بخش اعظمی	(وفات ۱۳۳۳ھ)
فتاوی غزنویہ مولانا عبدالجبار غزنوی	(وفات ۱۳۳۴ھ)
فتاوی مولانا امیر علی لکھنوی	(وفات ۱۳۳۷ھ)
نور العین شیخ حسین بن محسن یمانی	(وفات ۱۳۳۷ھ)
فتاوی مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری	(وفات ۱۳۳۸ھ)
فتاوی مولانا وحید الزماں حیدرآبادی	(وفات ۱۳۳۸ھ)
فتاوی رضویہ احمد رضا خان فاضل بریلوی	(وفات ۱۳۴۰ھ)
فتاوی مولانا خان بہادر عبدالعزیز صمدنی	(وفات ۱۳۴۱ھ)
فتاوی عبدالجبار عمرپوری	(وفات ۱۳۴۴ھ)
فتاوی مولانا ابوطاہر بہاری	(وفات ۱۳۴۵ھ)
فتاوی مولانا ابوالمکارم محمد علی مئوی	(وفات ۱۳۵۲ھ)
فتاوی مولانا ابوالعلی محمد عبدالرحمن محدث مبارک پوری	(وفات ۱۳۵۳ھ)
فتاوی ابوالمعالی محمد علی مئوی	(وفات ۱۳۵۳ھ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امدادالفتاوی، مولانا اشرف علی تھانوی	(وفات ۱۳۶۲ھ)
فتاوی ثنائیہ مولانا ثناءاللہ امرتسری	(وفات ۱۳۶۷ھ)
کفایۃ المفتی، مفتی کفایت اللہ دہلوی	(وفات ۱۳۷۲ھ)
فتاوی اہل حدیث مولانا عبداللہ روپڑی	(وفات ۱۳۸۴ھ)
فتاوی مولانا عبدالستار صدری	(وفات ۱۳۸۶ھ)
فتاوی سلفیہ مولانا محمد اسماعیل سلفی (پاکستان)	(وفات ۱۳۸۷ھ)
فتاوی مولانا نذیر احمد املوی	(وفات ۱۹۶۵ء)
فتاوی مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی	(وفات ۱۹۸۷ء)
فتاوی مولانا عبدالسلام بستوی	(وفات ۱۳۹۴ھ)
فتاوی ورسائل محمد بن ابراہیم آل الشیخ	(وفات ۱۳۹۸ھ)
فتاوی مولانا شمس الحق سلفی	(وفات ۱۴۰۶ھ=۱۹۸۶ء)
فتاوی شیخ الحدیث ابوالحسن عبیداللہ رحمانی مبارک پوری	(۱۴۱۴ھ=۱۹۹۵ء)
فتاوی مولانا حبیب الرحمٰن مئوی	(وفات ۱۴۱۵ھ=۱۹۹۶ء)
فتاوی ورسائل عبدالرزاق عفیفی	(وفات ۱۴۱۵ھ)
فتاوی مولانا عبدالمنان اعظمی	(وفات ۱۴۱۷ھ=۱۹۹۷ء)
فتاوی البانیہ ابوعبدالرحمٰن محمد ناصرالدین البانی	(وفات ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۹ء)
مجموع فتاوی ابن باز علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز	(وفات ۱۴۲۰ھ)
فتاوی ابن عثیمین علامہ محمد بن صالح عثیمین	(وفات ۱۴۲۱ھ)
فتاوی مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری	(وفات ۱۴۲۷ھ=۲۰۰۶ء)
فتاوی علمیہ معروف بہ توضیح الاحکام حافظ زبیر علی زئی	(وفات ۱۴۳۵ھ)
فتاوی مولانا ظہیرالدین رحمانی مبارک پوری حفظہ اللہ	
فتاوی مولانا عبدالرحمٰن رحمانی مبارک پوری حفظہ اللہ	
آپ کے مسائل اوران کا حل مولانا ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ	
فتاوی اصحاب الحدیث ابومحمد حافظ عبدالستار حماد حفظہ اللہ	

☆☆☆

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان میں افتا کے موجودہ اہل حدیث مراکز

ترتیب: ابوصالح دل محمد سلفی

اسلامی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ دارالافتاء کی ضرورت واہمیت اوراس کی افادیت ہر دور میں ایک تسلیم شدہ حقیقت رہی ہے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک ہر زمانہ میں خواہ نبی ﷺ کا زمانہ ہو یا صحابہ وتابعین کا، محدثین کا زمانہ ہو یا فقہاء وائمہ دین کا، استفتاء کا رواج رہا ہے۔ اس لیے کہ انسانی زندگی میں پیش آنے والے روزمرہ کے مختلف ومتنوع مسائل ومشکلات کا شرعی حل پیش کرنے، باہمی نزاعات واختلافات کا تصفیہ کرنے اور امت مسلمہ کو عقائد وعبادات، اقتصادی ومعاشرتی اورسماجی وسیاسی وغیرہ زندگی کے تمام معمولات کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے اور دینی خطوط پر استوار کرنے میں افتاء اور دارالافتاء کا مرکزی واساسی کردار رہا ہے۔ جسے نبی ﷺ سے لے کر آج تک امت کے علماء کرام ومفتیان عظام بحسن وخوبی ادا کرتے آرہے ہیں۔

دینی ومذہبی، سماجی وسیاسی اور اقتصادی وغیرہ تمام امور میں ہندوستان ہمیشہ حساس وباشعور ملک رہا ہے۔ انسانی خدمات انجام دینے میں ملک ہندوستان کی گراں قدر خدمات کا ایک سنہرا سلسلہ اور روشن باب ہے، چنانچہ ہندوستانی مسلمانوں نے خصوصا جماعت اہل حدیث نے دیگر شعبوں کی طرح شعبۂ دارالافتاء پر شروع ہی سے غیر معمولی توجہ دیا ہے، اور بنی نوع انسان کے پیش آمدہ دینی ودنیاوی جملہ مسائل ومشاکل کا تشفی بخش شرعی حل پیش کیا ہے، حتی کہ ملک ہندوستان کو انگریزوں کے ناپاک تسلط سے آزاد کرانے میں ملک کے دارالافتاء اور وہاں سے صادر ہونے والے فتووں نے بڑا ہی اہم رول اور بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ دارالافتاء کے مسند افتاء پر فائز مفتیان کرام اور علماء عظام نے اپنے جرأت مندانہ فتووں سے ملک میں غاصب انگریزوں کے خلاف جو کامیاب فضاء قائم کیا تھا اور جس کے نتیجے میں ملک کو آزادی ملی، وہ ایک ایسی حقیقت ہے، جسے تاریخ ہند کا مطالعہ کرنے والا انصاف پسند کوئی بھی شخص انکار نہیں کرسکتا ہے۔

قارئین کرام کی افادیت کی غرض سے زیر نظر تحریر میں ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کے چند معتبر اور مشہور دارالافتاء کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے۔ وما توفيقي إلا بالله.

---

(۱) دارالافتاء، جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس، یوپی

☆ سن تاسیس: ۱۹۶۶ء

☆ خط وکتابت کا پتہ: دارالافتاء، جامعہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ سابق مشہور مفتیان: (۱) مولانا محمد دریس آزاد رحمانی رحمہ اللہ (۲) مولانا شمس الحق سلفی رحمہ اللہ
(۳) مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ (۴) مولانا عابد حسن رحمانی رحمہ اللہ
(۵) مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ (۶) مولانا عبدالسلام مدنی حفظہ اللہ۔

☆ موجودہ رئیس دارالافتاء: مولانا علی حسین سلفی حفظہ اللہ رابطہ نمبر:

☆ معاون ومحرر فتاوی: مولانا نورالہدی سلفی، مولانا محمد اسلم مبارکپوری، مولانا محمد ایوب سلفی

☆ رابطہ نمبر: 8808528787

(۲) دارالافتاء، جامعہ اسلامیہ فیض عام، مئو، یوپی

☆ سن تاسیس: ۱۳۲۰ھ = ۱۹۰۲ء

☆ خط وکتابت کا پتہ: دارالافتاء جامعہ اسلامیہ فیض عام، ملک طاہرہ پورہ، مئوناتھ بھنجن، یوپی، پن نمبر:۲۷۵۱۰۱

☆ سابق مشہور مفتیان: (۱) مولوی محمد احمد صاحب معروف بہ بڑے مولوی صاحب رحمہ اللہ،
(۲) مولانا شمس الحق سلفی رحمہ اللہ (۳) مفتی حبیب الرحمٰن فیضی رحمہ اللہ
(۴) مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی حفظہ اللہ۔

☆ موجودہ مفتی: مولانا مظہر علی مدنی حفظہ اللہ

☆ رابطہ نمبر: 9795509091 ای میل: mzhmadani@gmail.com

(۳) دارالافتاء جامعہ عالیہ عربیہ، مئو یوپی

☆ سن تاسیس

☆ خط وکتابت کا پتہ جامعہ عالیہ عربیہ، ڈومن پورہ، مئو، یوپی

☆ موجودہ مفتی: مولانا شریف اللہ سلفی

☆ رابطہ نمبر: 9452702624

(۴) دارالافتاء جامعہ اسلامیہ خیرالعلوم، ڈومریا گنج، یوپی

☆ سن تاسیس: ۱۹۸۹ء

☆ خط وکتابت کا پتہ: جامعہ اسلامیہ خیرالعلوم، ڈومریا گنج ضلع سدھارتھ نگر، یوپی، پن:۲۷۲۱۷۹

☆ موجودہ مفتی: ڈاکٹر عبدالرحمٰن لیثی

☆ معاون: شیخ محمد ابراہیم مدنی

☆ رابطہ نمبر: 9450550886 - 9415452174

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۵) دارالافتاء، جامعہ اسلامیہ، دریا آباد، یوپی

☆ سن تاسیس: ۱۹۹۶ء

☆ خط وکتابت کا پتہ: جامعہ اسلامیہ، دریا آباد، پوسٹ: دودھارا، ضلع سنت کبیر نگر، یوپی

☆ موجودہ مفتی: مولانا محمد جعفر انوار الحق الہندی

☆ رابطہ نمبر: 9450571654

(۶) دارالافتاء جامعہ احمدیہ سلفیہ، دربھنگہ، بہار

☆ سن تاسیس: ۱۹۱۸ء

☆ مؤسس: مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی

☆ خط وکتابت کا پتہ: دارالعلوم احمدیہ سلفیہ، لہریا سرائے، ضلع دربھنگہ، بہار، پن نمبر: ۸۴۶۰۰۱

☆ موجودہ مفتی: مولانا امانت اللہ سلفی ومولانا عرفان صاحب سلفی

☆ رابطہ نمبر:

☆ سابق مفتیان کرام: (۱) مولانا محمد اسحاق آروی (۲) مولانا محمد عثمان فاضل مصر (۳) مولانا نذیر احمد املوی
(۴) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی (۵) مولانا محمد رئیس ندوی
(۶) مولانا عبیدالرحمٰن عاقل رحمانی (۷) مولانا صفی عبدالرحمٰن سلفی
(۸) مولانا عین الحق سلفی (۹) مولانا عبدالستار سلفی (۱۰) مولانا الطاف حسین سلفی رحمہم اللہ۔

(۷) دارالافتاء مرکز العلوم ناصر الدین البانی، کشن گنج، بہار

☆ سن تاسیس: ۱۹۹۰ء

☆ خط وکتابت کا پتہ: توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ، معہد آباد، کھگوا، کشن گنج، بہار، پوسٹ بکس نمبر: ۷، پن: ۸۵۵۱۰۷

☆ موجودہ مفتی: شیخ عطاء الرحمٰن مدنی

☆ اراکین دارالافتاء: شیخ کوثر علی، ستاب الدین مدنی، شیخ مفیض الدین، افاض الدین مدنی، شیخ محمد اسماعیل خوش محمد مدنی۔

☆ رابطہ نمبر: 9734280839, 9955828166, 8404800588

(۸) دارالافتاء جامعہ امام ابن تیمیہ، مشرقی چمپارن، بہار

☆ سن تاسیس: ۱۹۹۲ء

☆ خط وکتابت کا پتہ: جامعہ امام ابن تیمیہ، مدینۃ السلام، مشرقی چمپارن، بہار، پن: ۸۴۵۳۱۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ موجودہ مفتی: ڈاکٹر ارشد فہیم الدین مدنی

☆ رابطہ نمبر: 9431032739

(۹) دارالافتاء جامعہ شمس الہدی السلفیۃ، دلال پور، جھارکھنڈ

☆ سن تاسیس: ۱۸۷۷ء

☆ خط وکتابت کا پتہ: جامعہ شمس الہدی دلال پور، پوسٹ: ونودپور، ضلع صاحب گنج، جھارکھنڈ، پن: ۸۱۶۱۰۵

☆ موجودہ مفتی: مولانا سلطان احمد شمسی

☆ رابطہ نمبر: 8674887518, 9476307538

☆ سابق مفتیان: مولانا عبدالحنان دلال پوری، مولانا عین الحق سلفی، مولانا عبیدالرحمٰن مدنی مئو، مولانا ابراہیم شمسی مالدہی، مولانا اسماعیل قاسمی رحمہم اللہ، مفتی عبدالعزیز حقانی ومولانا عبدالعلیم مدنی حفظہما اللہ

(۱۰) دارالافتاء جامعہ سلفیہ عبداللہ پور، جھارکھنڈ

☆ سن تاسیس: ۱۹۸۴ء

☆ خط وکتابت کا پتہ: دارالافتاء جامعہ سلفیہ عبداللہ پور، پوسٹ اگلوئی، وایا برہروا، ضلع صاحب گنج (جھارکھنڈ) پن نمبر: ۸۱۶۱۰۱

☆ موجودہ مفتی: مولانا اشرف الحق رحمانی

☆ رابطہ نمبر: 9973863955

(۱۱) دارالافتاء جامعہ اصلاح المؤمنین برہیٹ، جھارکھنڈ

☆ سن تاسیس: ۱۹۸۹ء

☆ خط وکتابت کا پتہ: جامعہ اصلاح المؤمنین، پوسٹ برہیٹ، وایا برہیٹ، ضلع صاحب گنج (جھارکھنڈ) پن نمبر: ۸۱۶۱۰۲

☆ موجودہ مفتی: مفتی عبدالعزیز حقانی

☆ رابطہ نمبر: 8809034210

(۱۲) دارالافتاء ضلعی جمعیت اہل حدیث صاحب گنج، جھارکھنڈ

☆ سن تاسیس: ۲۰۰۵ء

☆ خط وکتابت کا پتہ: دارالافتاء ضلعی جمعیت اہل حدیث صاحب گنج، جھارکھنڈ مقام وپوسٹ: شری کنڈ، وایا: برہروا، ضلع صاحب گنج (جھارکھنڈ) پن: ۸۱۶۱۰۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۳) دارالافتاء جامعہ سلفیہ ہرن پور، پاکوڑ، جھارکھنڈ

☆ سن تاسیس: ۲۰۰۸ء

☆ خط وکتابت کا پتہ: جامعہ سلفیہ مشن ٹولہ، پوسٹ ہرن پور، ضلع پاکوڑ (جھارکھنڈ) پن نمبر: ۸۱۶۱۰۴

(۱۴) دارالافتاء جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں، مہاراشٹر

☆ سن تاسیس:

☆ خط وکتابت کا پتہ: جامعہ محمدیہ منصورہ، پوسٹ بکس نمبر ۱۴۴، مالیگاؤں، ضلع ناسک (مہاراشٹر) پن نمبر: ۴۲۳۲۰۳

☆ موجودہ مفتی: ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی

☆ معاونین: ڈاکٹر طارق صفی الرحمٰن مدنی، حافظ ادریس سلفی، محمد یاسر محمدی

☆ رابطہ نمبر: 9960572660

(۱۵) دارالافتاء جامعہ رحمانیہ کاندیولی، ممبئی

☆ سن تاسیس:

☆ خط وکتابت کا پتہ: دارالافتاء جامعہ رحمانیہ، سلفی گلی ۳، گاندھی نگر، چارکوپ، کاندیولی، ممبئی ۶۷

☆ موجودہ مفتی: مولانا عبدالستار سراجی، مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

☆ رابطہ نمبر: 9869395881, 9869340076

(۱۶) دارالافتاء جامعہ اسلامیہ، کوسہ ممبرا، ممبئی

☆ سن تاسیس: ۱۹۹۱ء

☆ خط وکتابت کا پتہ: جامعہ اسلامیہ نور باغ، الماس کالونی، کوسہ ممبرا، ممبئی: ۴۰۰۶۱۲

☆ موجودہ مفتی: مولانا مصطفیٰ اجمل مدنی

☆ رابطہ نمبر: 9833665708

(۱۷) دارالافتاء مجلس علماء اہل حدیث، حیدرآباد

زیر نگرانی: شہری جمعیت اہل حدیث حیدرآباد وسکندرآباد

☆ سن تاسیس: ۲۰۰۵ء

☆ خط وکتابت کا پتہ: شہری جمعیت اہل حدیث حیدرآباد وسکندرآباد

H.No. 13-6-432/1, Sardar Bagh

Ring Road, Hyderabad - 500008 (T.S.)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ موجودہ مفتی: مولانا صفی احمد مدنی

☆ رابطہ نمبر: 9246291670

(۱۸) دارالافتاء جامعۃ المفلحات، حیدرآباد

☆ سن تاسیس: ۲۰۰۶ء

☆ خط وکتابت کا پتہ: جامعۃ المفلحات

H. No. 3-62/1, Kothapet, BArkas

Post: Keshogiri, Hyderabad - 500005 (T.S.)

(۱۹) دارالافتاء جامعہ مظہر العلوم، بٹنہ، مالدہ مغربی بنگال

☆ سن تاسیس: ۱۸۸۹ء

☆ خط وکتابت کا پتہ: جامعہ مظہر العلوم، پوسٹ: بٹنہ، ضلع مالدہ، مغربی بنگال، پن نمبر:

☆ رابطہ نمبر: 9091724631

(۲۰) دارالافتاء مکتبہ جلیلیہ، سامرود، گجرات

☆ خط وکتابت کا پتہ: مکتبہ جلیلیہ، گاؤں: سامرود، ضلع: سورت، گجرات، پن: ۳۹۴۳۱۵

☆ موجودہ مفتی کا نام: حافظ مولانا ابو محمد اسماعیل محمدی سامرودی

☆ رابطہ نمبر: 9427586117

(۲۱) دارالافتاء جامعہ ریاض العلوم، دہلی

☆ خط وکتابت کا پتہ: جامعہ ریاض العلوم، ۴۰۸۵، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-۶

☆ موجودہ مفتی کا نام: مولانا عبدالتواب مدنی

www.KitaboSunnat.com

☆ رابطہ نمبر: 9873777415

(۲۲) دارالافتاء (مجلس تحقیقی) مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند-دہلی

☆ سن تاسیس: ۱۹۰۶ء

☆ خط وکتابت کا پتہ: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، اہل حدیث منزل: ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی- ۱۱۰۰۰۶

☆ موجودہ مفتی کا نام: شیخ جمیل احمد مدنی

☆ رابطہ نمبر: Ph: 011-26946205, Mob.9873257446

☆☆☆

Monthly MUHADDIS Lahore
99-J Model Town, Lahore-54700
Phone 5866476, 5866396

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

PRINTED BOOK ISSN 2394-0212

JUNE-OCTOBER VOL. XXXIII - No. 6-
R. No. 40352/81

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

Phone: 0091-542-2452241 / 2452242 Fax: 0091-542-2452243

دوران حج دوالم ناک حادثے

امسال دوران حج حرم شریف اور منیٰ میں جوالم ناک اور اندوہ ناک حادثے پیش آئے، ان سے دنیا کے ہر دردمند مسلمان کا دل دہل گیا اور آنکھیں اشک بار ہوگئیں، دونوں حادثوں میں تقریباً ایک ہزار حاجی لقمۂ اجل بن گئے، مگر اللہ کی پراسرار مصالح اور اس کی مشیت کو کون جان سکتا ہے؟ ہم سب تقدیر کے سامنے بے بس ہیں، قضا وقدر پر ہمارا ایمان ہے، جو کچھ ہوا تقدیر الٰہی سے ہوا۔ ہم اللہ رب العالمین سے دعا کرتے ہیں کہ مذکورہ حادثوں میں مرنے والوں کی مغفرت فرمائے، ان کی ارواح کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے اور زخمی ہونے والوں کو شفائے کامل وعاجل عطا فرمائے۔ جامعہ سلفیہ اور ادارہ محدث ان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

حج میں اتنے بڑے حادثے کے باوجود سعودی حکومت نے خوش اسلوبی سے دنیا کے سب سے عظیم اجتماع کو کنٹرول کیا۔ جامعہ اور ادارہ محدث خادم حرمین شریفین اور سعودی حکومت کو صمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہے۔ اللہ ان کی پاسبانی کرے، نیز وہ ممالک اور وہ ذرائع ابلاغ جو اس واقعہ کو بنیاد بنا کر سعودی حکومت اور ان کے انتظامات کو سیاسی رنگ دینے میں مصروف ہیں، جامعہ اور ادارہ محدث ان کی سخت مذمت کرتا ہے۔ اللہ رب العالمین سعودی حکومت کو اعداء اللہ کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھے، آمین ثم آمین۔

Published by : Obaidullah Nasir, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama
B. 18/1-G, Reori Talab, Varanasi. Editted by : Mohd. Abul Qasim Farooqi
Printed at Salafia Press, Varanasi.